۷۸۶

قال اللہ تعالیٰ

وَجَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا

اور بنایا ہم نے کعبہ کو لوگوں کے لئے مرجع اور مأمن

کعبہ را ہر دم تجلّی می فزود ایں ز اخلاصاتِ ابراہیمؑ بود

تجلیاتِ کعبہ

زَادَھَا اللّٰہُ تَشْرِیْفًا وَّ تَعْظِیْمًا وَّ تَکْرِیْمًا

جس میں کعبہ محترمہ اور مکہ مکرمہ اور حج و زیارت کے فضائل اور انوار و برکات مذکور ہیں

مرتبہ

حضرت مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کاندھلوی

ناشر:- کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی نمبر ۶

قیمت مجلد تین روپے

تعداد ایک ہزار

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمد اللہ سبحانہ ونشکرہ علی نعمائہ الکاملۃ وھدایتہ التامۃ والصلوٰۃ والسلام علی من تم بہ الرشد والھدایۃ وختمت علیہ النبوۃ والرسالۃ وعلی من تبعہ الی یوم القیامۃ ؞

ہر مسلمان کے دل میں کم وبیش حج بیت اللہ کی خواہش اور حرم محترم کی زیارت کا شوق پایا جاتا ہے۔ اور جذبۂ ایمانی اور تعلق خداوندی کے بقدر اس آرزو اور شوق میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ جو مسلمان جس قدر ایمان کی دولت سے مالامال ہوتا ہے اور جس قدر محبت خدای میں مست وسرشار ہوتا ہے اسی قدر اس دیارِ مقدس کی زیارت کا شوق و ذوق ہوتا ہے۔ اور ایک دو بار کی زیارت سے طبیعت سیر نہیں ہوتی بلکہ آتشِ شوق کو اور زیادہ برانگیختہ کرتی ہے ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک — آتشِ شوق تیز تر گردد

یہ ایک عشق و محبت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ جو دیوانہ کو دیوانہ تر بنا دیتا ہے ؎

وللناس فیما یعشقون مذاھب — ومن مذھبی حب الدیار لاھلھا

وہاں نہ بظاہر دیدہ زیب مناظر نہ راحت و آرام کا کوئی ظاہری سامان نہ دنیوی اعتبار سے کوئی خاص عجوبہ۔ پھر بھی پرستارانِ حق کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوتا ہے یہ حق پرستی کا اجتماع ابتداء آفرینش سے ہو رہا ہے اور رہتی دنیا تک ہوتا رہے گا۔ اور اب تک ہزاروں نہیں، لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں نفوس قدسیہ والہانہ انداز میں

وہاں پہنچے اور حقیقی سکون و اطمینان اور باطنی سوز و گداز کی دولت سے مالا مال ہو کر واپس ہوئے۔ آخر یہ کشش کیوں ہے؟ اور اس ویرانہ میں کس کی جستجو ہے؟ اور وہ کیا شے ہے جو وہاں ملتی ہے اور دوسری جگہ مفقود ہے؟۔

اِس کی بظاہر مختلف وجوہ معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے انسانوں کی ارواح کو اول پیدا کیا اور ان سے دریافت فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ؟ (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟) انکار کی کب گنجائش تھی۔ سب نے بالاتفاق کہا بَلٰی (ہاں ضرور)۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارواح کی تخلیق اور بنی آدم سے اقرار ربوبیت میدانِ عرفات میں ہوا پھر اس عہدنامہ کو ایک کاغذ کے پُرزہ میں محفوظ کر کے حجرِ اسود میں ودیعت رکھ دیا گیا۔ یہی نکتہ ہے کہ جب بیت اللہ کا طواف کرتے وقت حجرِ اسود کے سامنے آتے ہیں۔ تو یہ الفاظ کہتے ہیں۔

اِیْمَانًا بِکَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ — خدایا تجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور تیرے عہد کو پورا کرتے ہیں۔

وفاء عہد سے وہی عہد و میثاق مُراد ہے جو حجرِ اسود میں ودیعت رکھا ہوا ہے۔ اب جن ارواح کو اس عہد و میثاق کا پاس ہے ان کا میلان خاطر اسی جانب ہونا ایک فطری تقاضا ہے۔ اور جس شخص کو یہ پاس عہد جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر اس کا میلان خاطر اس جانب زیادہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام نے بار بار ان مقدس مقامات کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور نیازمندانہ اس بارگاہِ عالی میں حاضر ہوئے۔

اسی طرح ہر وہ انسان جو ایمان باللہ و اعتراف بندگی میں جس قدر کامل

اور پختہ نکلا۔ اسی قدر اس مرکز بندگی کے ساتھ فریفتہ اور وابستہ ہوا۔ اور جس قدر اس ایمان اور اعتراف میں کمی اور کمزوری ہوئی اسی قدر اس شیفتگی اور وابستگی میں کمی اور کمزوری پائی گئی حتیٰ کہ جو شخص ایمان اور اعتراف سے بالکل خالی ہے۔ وہ اس جانب کی کشش سے بالکل محروم ہے۔

(۲) انسان کی پیدائش کا اصل مقصد صحیح جذبہ بندگی کی پرورش اور نشو ونما ہے۔ تاکہ خطہ زمین پرستاران حق اور بندگانِ خدا سے معمور اور آباد ہو۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ؁ — اور نہیں پیدا کیا جن و انس کو مگر صرف اس لئے تاکہ میری بندگی کریں۔

پس تخلیق آدم سے پہلے وہ عمارت تعمیر کرائی گئی جو سرچشمۂ بندگی ہو اور اس خاکی عمارت کو اپنی جانب منسوب کر کے مظہر جمال و جلال بنایا تاکہ ہمیشہ کے لئے یہ مرکز بندگی بنے اور اس کے ذریعہ جذبہ ایمانی اور سرمایہ بندگی میں روز افزوں ترقی ہو۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا — بیشک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے جو برکت والا اور ہدایت ہے تمام جہانوں کے لئے۔ اس میں بہت سی کھلی نشانیاں ہیں منجملہ ان کے مقام ابراہیم ہے اور جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے۔

آیۂ کریمہ میں چند باتوں کا ذکر ہے۔ بیت اللہ وہ پہلی تعمیر ہے جو لوگوں کی خاطر بنائی گئی اور جس کے اثرات اور منافع ساری مخلوق تک پہنچتے ہیں۔ بیت اللہ تمام جہانوں

کے لئے خیر و برکت اور رشد و ہدایت کا مرکز ہے۔ حرم محترم[3] کے تمام واقعات مقامات اور شعائر مقبولین بارگاہِ خداوندی کے مآثر اور مشاہد ہیں۔ جن میں سے ایک مقام ابراہیم بھی ہے۔

حرم محترم[4] ہمیشہ سے ایمان اور ایمان والوں کا مرکز اور محور رہا اس لئے جو شخص یہاں ایمان کی پونجی لے کر داخل ہو گیا وہ ہمیشہ کے لئے ہر طرح سے مامون اور محفوظ ہو گیا۔

محمد بن علی بن حسین فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد ماجد علی بن حسین کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں تھا۔ ایک روز وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اور میں ان کے پیچھے تھا کہ ایک جسیم شخص نے آکر والد کی پشت پر ہاتھ رکھا، انھوں نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا تو اس نے کہا، کہ اے بنتِ رسولؐ کے صاحب زادے میں تم سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں" والد خاموش ہو رہے ہیں اور وہ شخص ان کے پیچھے رہے۔ جب طواف پُورا کر لیا تو حطیم میں داخل ہوئے۔ اور میزاب رحمت کے نیچے دو رکعت نماز طواف کی ادا کی، پھر میری جانب متوجہ ہو کر فرمایا وہ سائل کون ہے۔ میں نے اس کی جانب اشارہ کیا وہ آیا اور والد کے سامنے بیٹھ گیا۔ والد نے فرمایا: "تم کیا دریافت کرنا چاہتے ہو"

اس شخص نے کہا: "بیت اللہ کے طواف کی ابتداء کیا ہے؟ اور کیوں ہے اور کس طرح ہے اور کہاں سے ہے؟"

والد نے فرمایا: "ہاں لیکن تم کہاں کے ہو؟"

اس شخص نے جواب دیا: "ملکِ شام کا رہنے والا ہوں۔"

والد نے فرمایا: "سکونت کس جگہ کی ہے؟"

اس شخص نے جواب دیا: "بیت المقدس میں ہے۔"

والد نے فرمایا: "کیا دونوں کتابوں[5] (توریت و انجیل) کو پڑھا ہے؟"

(فٹ نوٹ صفحہ ۱۱ پر دیکھئے)

اس شخص نے کہا "ہاں پڑھا ہے"۔

والد نے فرمایا: "اے شامی بھائی غور سے سُن اور صرف حق بات کو میری جانب سے نقل کرنا" بیت اللہ کے طواف کی ابتدا یہ ہے۔ جب اللہ تبارک تعالیٰ نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ۔ میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

فرشتوں نے عرض کیا کیا ہمارے علاوہ ایسی مخلوق میں سے نائب ہوگا جو روئے زمین پر شر و فساد پھیلائے اور خون بہائے، باہم حسد و بغض رکھے، اور بغاوت کرے پروردگار ہم میں سے نائب بنا دیجئے۔ ہم آپ کی پاکی اور بڑائی بیان کرتے ہیں۔ اور پوری فرمانبرداری کرتے ہیں۔ کبھی ہمارے سے نافرمانی سرزد نہیں ہوتی۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے

فرشتوں کو خیال ہوا کہ شاید ان کی معروض سوء ادب شمار ہو کر غضب الٰہی کا باعث ہوئی۔ پس وہ عرش الٰہی سے چمٹ گئے اور آہ و زاری میں مشغول ہو گئے۔ اسی بیقراری میں عرش الٰہی کا تین بار طواف کیا تب نظر رحمت ادھر متوجہ ہوئی اور ان کے لئے عرش کے نیچے ایک گھر بنایا گیا جس کے زبرجد کے چار ستون تھے، اور سُرخ یاقوت کی چھت اور فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس گھر کا طواف کیا کرو۔ چنانچہ فرشتے اس کے طواف میں

(فٹ نوٹ صفحہ ۱۱ ملاحظہ فرماویں)

لہ غالباً اس سوال کا منشاء یہ ہے کہ اگر توریت اور انجیل کو پڑھا ہے تو ان باتوں کا تمہیں بھی علم ہوگا۔ اِس لیے کہ ان آسمانی کتابوں میں بیت اللہ کا تذکرہ موجود ہے۔ چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل نے بعد میں کہا بیشک آپ ٹھیک فرماتے ہیں اسی طرح توریت اور انجیل میں موجود ہے

مشغول ہو گئے اسی کو "بیتِ معمور" کہتے ہیں۔ جس کا ہر روز ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں۔ اور پھر دوبارہ ان کو طواف کی نوبت نہیں آتی۔ پھر حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ زمین پر ایک میرا گھر ایسا ہی اسی انداز پر بناؤ۔ اور زمین پر بسنے والوں کو حکم ہوا جیسا کہ آسمان والے "بیت معمور" کا طواف کرتے ہیں تم بھی اس بیت اللہ کا طواف کیا کرو۔ (تاریخ ارزقی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "بیت اللہ" بیت معمور کی اس قدر سیدھ میں ہے کہ اگر بیت معمور کو سیدھا زمین پر اتارا جائے تو وہ بیت اللہ پر رکھا جائے اور جیسا بیت اللہ کے لئے حرم ہے ایسا ہی بیت معمور کے لئے بھی حرم ہے۔ (تاریخ ارزقی)

یہ بیت اللہ اور طواف کعبہ کی ابتدا رہے جس سے رُوئے زمین پر تعمیرِ عبدیت کا آغاز ہوا۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے بیت اللہ کو مرکز بندگی بنا دیا گیا۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ط

اور جبکہ بنا دیا ہم نے بیت اللہ کو مرجع اور امن لوگوں کے لئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ

اللہ تعالیٰ نے بنا دیا کعبہ کو جو محترم گھر ہے لوگوں کے قائم رہنے کا ذریعہ۔

اب جس شخص میں جس قدر بندگی کا ذائقہ ہوگا اسی قدر اس اصلی مرکز بندگی کا ذوق و شوق ہوگا اور اس جانب طبعی لگاؤ اور قلبی کشش ہوگی۔ اور جو شخص بندگی کے ذائقہ سے محروم ہوگا وہ اس ذوق سے بھی نا آشنا ہوگا۔ اور اس اصلی مرکز بندگی کی جانب اس کو کسی قسم کی کشش اور جاذبیت نہ ہوگی ۵

بر طواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند　　　　کہ برون در چہ کردی کہ درون خانہ بیائی

(۳) ہر انسان میں جہاں انسانی جواہر ودیعت ہیں۔ وہاں شیطانی جذبات بھی پورے طور پر پائے جاتے ہیں۔ جو ہمیشہ اس کو خطاؤں اور لغزشوں پر برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بجز انبیاء کرام کے کوئی انسان خطاؤں سے محفوظ اور معصوم نہیں۔ ارشادِ نبوی ہے۔

کلکم خطاؤن وخیر الخطائین التوابون　　　　تم سب کے سب خطا کار ہو اور بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں۔

پس خطا اور لغزش سے محفوظ رہنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے اس کا بہترین تدارک اور علاج تجویز کیا گیا۔ اور وہ اعتراف قصور اور اظہار ندامت ہے۔ جس سے تمام خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔ اور اس کے لئے جہاں دیگر مواقع دیئے گئے وہاں ایک ایسا موقعہ بھی دیا گیا جس میں معافی عام کا اعلان ہوتا ہے۔ اور وہ حج کا موقعہ ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

"جب عرفات میں حجاج کا اجتماع ہوتا ہے تو حق سبحانہ، وتعالیٰ آسمان دنیا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو دیکھو میرے پاس بال بکھیرے ہوئے غبار آلود آئے ہیں۔ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کے تمام گناہ معاف کر دیئے۔ اگرچہ وہ بارش کے قطرات اور میدانوں کے ذرات کے برابر ہوں۔" (نزہہ عن ابن حبان)

ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کو تعمیر کیا تو عرض کیا، پروردگار ہر اجیر کے لئے اُجرت ہوتی ہے کیا میرے لئے بھی اجرت ہے؟"

ارشادِ ربّانی ہوا" ہاں ضرور تم مجھ سے سوال کرو۔"

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا" پروردگار جس بہشت سے آپ نے مجھے نکالا ہے وہاں پھر لوٹا نا۔"

ارشادِ ربّانی ہوا" ہاں ایسا ہی ہوگا۔"

پھر عرض کیا" پروردگار میری اولاد میں سے جو شخص میری طرح اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے بیت اللہ میں حاضر ہو تو بھی اس کی مغفرت فرما اور معافی عطا فرما۔"

ارشادِ ربّانی ہوا" ہاں ایسا ہی ہوگا۔" (تاریخ ازراقی)

بخاری اور مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

من حج فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ (نزھ)

جس شخص نے حج کیا اور فحش اور فسق و فجور سے بچا رہا وہ اپنے گھر گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو کر لوٹے گا کہ گویا آج ہی پیدا ہوا ہے

بہ کثرت احادیث سے یہ ثابت ہے کہ ہر ہر مقام پر حج کرنے والے کو بارگاہِ خداوندی سے معافی کا پروانہ عطا ہوتا ہے۔ اور بے شمار انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ پس جس شخص کو بھی اللہ اور رسولؐ پر ایمان اور آخرت کا یقین ہوگا اس کی ہر وقت طبعی خواہش یہ ہوگی کہ گندگی سے پاک و صاف ہو اور خطاؤں کی معافی نصیب ہو اور طبیعت کا خود بخود رجحان اس جانب ہوگا جہاں اس کو خطاؤں سے معافی اور رستگاری نصیب ہوتی ہو۔ اور باطن کی صفائی حاصل ہو۔ اور جس کی فطرت سلیمہ اور نفاست طبعی شیطانی اثرات سے گندہ اور زنگ آلود ہو چکی ہو وہ اس طبعی رجحان سے بھی محروم رہے گا۔

(۴) ایمان درحقیقت اللہ اور رسولؐ کے ساتھ فرطِ تعلّق کا نام ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ   اور وہ لوگ جو ایمان لائے زیادہ سخت ہیں اللہ کی محبت میں۔

اور فرطِ تعلّق کا تقاضا ہمیشہ محبُوب کی بارگاہ میں باریابی ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات یہ جذبہ انسان کو مجنوں و دیوانہ بنا دیتا ہے۔ پس اس جذبۂ محبّت کی تسکین کی خاطر اللہ ربّ العزت نے ایک مقام اور مکان کو خصوصیت عطا فرمائی اور اپنی جانب منسُوب فرما کر اپنی خاص تجلیات کا مظہرِ اتم بنایا ورنہ وہ ذات عالی جلّ شانہٗ ہر زماں اور مکان سے مستغنی اور بے نیاز ہے۔ عاشق مہجور کو دیارِ حبیب سے جو انس و تعلّق ہوتا ہے وہ کسی وارفتہ عاشق زار ہی سے معلُوم ہو سکتا ہے۔ ایک لیلیٰ کا شیدائی کہتا ہے ؎

أمُرُّ علی الدّیار دیار لیلی   اقبّل ذا الجدار وذا الجدار

(میں جب لیلیٰ کے شہر پر گزرتا ہوں، تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو۔)

؎ آج ارشد کو عجب حال میں دیکھا ہمنے   رو رہا تھا وہ کسی شخص کی دیوار کے پاس

جب فانی عِشق کا یہ حال ہے جب مصنوعی حُسن میں اس قدر کشش اور جاذبیت ہے تو عِشق حقیقی کا کیا حال ہوگا اور حُسنِ ازلی میں کس قدر کشش اور جاذبیت ہوگی۔

؎ عِشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بُود   گوئے گشتن بہر او اولیٰ بُود

اور یہی حج کا مقصد ہے کہ عشّاق کے مجمع کو یکجا جمع کرکے ان کی آوارگی اور دیوانگی کا منظر دیکھا جائے اور اپنی رضا و خوشنودی کا پروانہ عطا کیا جائے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس حج کرنے والے کو زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ جو پراگندہ حال غبار آلُود ہو۔

؎ دوست آوارگی ہمی خواہد — رفتنِ حج بہانہ اُفتاد است

اب جس شخص میں جس قدر ایمان ہوگا اُسی قدر اللہ اور رسُولؐ کے ساتھ والہانہ تعلّق ہوگا۔ اُسی قدر محفلِ عشاق میں حضوری اور دیارِ حبیب کی حاضری کی آرزو اور تمنّا ہوگی ؎

اجازت ہو تو آکر میں بھی شاملِ انہیں ہو جاؤں — سُنا ہے کل ترے دَر پر ہجُومِ عاشقاں ہوگا

(۵) طوفانِ نوح چونکہ ایک عمومی عذاب تھا۔ اور روئے زمین کو ہر نوع کی رشد و ہدایت اور خیر و برکت سے خالی کر دیا گیا تھا۔ اس لیئے اس وقت بیتُ اللہ کو بھی دُنیا سے اُٹھالیا گیا تھا۔ صرف اس کی بنیادیں چھوڑ دی گئی تھیں۔ جن پر بر وقت تعمیر ہو سکے۔ جب پھر اس مرکز بندگی کی تعمیر کا وقت آیا تو حضرت ابراہیم خلیلُ اللہ کو حُکم ہوا کہ بیتُ اللہ کی از سرِ نو پرانی بُنیادوں پر تعمیر کریں۔ اور ہمیشہ کے لیئے اس کو "مرکز بندگی" بنا دیں۔"

اِرشادِ ربّانی ہے۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ

اور جبکہ ہم نے ابراہیم کو خانہ کعبہ کی جگہ تبلادی کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے اور قیام و رکوع و سجُود کرنے والوں کے واسطے پاک رکھنا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیلِ حکم میں خانہ کعبہ کو تعمیر کیا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام نے ان کی اعانت و امداد فرمائی چنانچہ اِرشاد ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اور جب بلند کر رہے تھے ابراہیم کعبہ کی دیواروں کو اور اسمٰعیل اور کہہ رہے تھے ہمارے پروردگار قبول کر لیجئے ہماری جانب سے اس کو بلاشک آپ ہر بات کو سننے جاننے والے ہیں۔

جب بیت اللہ کی تعمیر ان مقدس ہاتھوں مکمل ہو چکی تو تعمیر عبدیت کا کام بھی انہیں برگزیدہ معماروں کے سپرد کیا گیا اور حکم ہوا کہ ہر جانب سے پرستاران حق کو بلا کر اس مرکز بندگی کے ساتھ وابستہ کرو۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ الآیۃ

اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ (اس اعلان سے) لوگ تمہارے پاس (یعنی تمہاری اس عمارت کے پاس حج کے لئے) چلے آئیں گے پاؤں چل کر بھی اور ایسی اونٹنیوں پر سوار ہو کر بھی جو دور دراز راستوں سے چل کر آئی ہوں (اور سفر کی وجہ سے دبلی ہو گئی ہوں تاکہ یہ آنے والے اپنے منافع حاصل کریں۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ تعمیر سے فراغت ہو چکی اس پر اللہ جل شانہٗ کی طرف سے حکم ہوا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کرو (جس کا آیۃ مذکورہ میں ذکر ہے) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ میری آواز کس طرح پہنچے گی؟ ارشادِ ربانی ہوا "کہ آواز کا پہنچانا ہمارے ذمہ ہے۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کا اعلان فرمایا جس کو آسمان

زمین میں ہر شے نے سُنا۔ (جب رب العالمین کسی بات کو سنوانا چاہے تو پھر کون مانع ہو سکتا ہے؟ چنانچہ تمام ارواح بنی آدم نے جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھیں منادی حق کی اس ندا رحق کو سُنا اور سعادت مند رُوحوں نے فوراً لَبَّیْکَ (ہم حاضر ہیں) کہا۔ جن ارواح نے اس وقت لَبَّیْکَ کہا تھا وہی لَبَّیْکَ پکارتی ہوئی بیتُ اللہ کی زیارت اور حج کی سعادت سے مشرف ہونگی۔ جیسا کہ متعدد روایات سے ثابت ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے جس والہانہ عاشقانہ انداز سے اس مرکز بندگی کی تکمیل کی تھی۔ اس کا تقاضا یہ تھا۔ یہ مرکز بندگی ہمیشہ کے لئے عشق خداوندی کا جلوہ گاہ رہے چنانچہ بارگاہِ رب العزت میں مجاورین بیت اللہ کے لئے دُعا کی تاکہ ان کی دلجمعی اور بندگی میں فرق نہ آئے۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ	پروردگار کر دے بعض لوگوں کے قلوب کو مشتاق ان کی جانب اور رزق دے انکو پھلوں سے

دُعا قبول ہوئی اور سعادت مند رُوحوں کا تعلق ہمیشہ کے لئے مجاورین بیتُ اللہ کے ساتھ وابستہ ہو گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے بعض لوگوں کے میلان خاطر کی درخواست کی تاکہ اس اصل مرکز پر کفر و شرک کی آمیزش نہ ہو۔ اگر تمام مخلوق کے لئے وہ اس کو طلب فرماتے تو ہر شخص میں اس جانب میلان ناطر اور رجحانِ طبع موجود ہوتا۔ اور کسی مؤمن اور غیر مؤمن میں امتیاز باقی نہ رہتا۔

(۶) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے جب بیتُ اللہ کو قائم کیا تو اس کو بشارت دی کہ "میں اپنے ایسے مخصوص بندوں کو پیدا کروں گا جو تیرے ایسے

مشتاق اور فریفتہ ہوں گے۔ جیسا کبوتر اپنے بچوں پر فریفتہ ہوتا ہے۔"

ان مخصوص بندوں کو مراد یہی بندگانِ خدا ہیں جن کا تعلق اللہ ربّ العزت سے وابستہ ہے چنانچہ جب تعلق ہر مومن میں بیت اللہ سے تعلق اور اشتیاق پایا جاتا ہے۔ اور اس بشارت کی بناء پر بیت اللہ میں بھی خاص کشش اور جاذبیت پائی جاتی ہے۔ اور اس کشش اور جاذبیت کی اصلی وجہ یہی ہے کہ اس مقدس مکان کو مظہرِ جمال و جلالِ خداوندی بنایا گیا اور ہر آن اس پر تجلیاتِ خداوندی اور انوارِ قدسی کا نرالا نزول ہوتا رہتا ہے۔

یہ چند وجوہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کا قلبی تعلق اور طبعی میلانِ خاطر خانہ کعبہ کی جانب ہونا ایک ضروری اور بدیہی بات ہے۔ اسی طرح بیت اللہ کی روحانیت کو بھی ہر قلبِ مومن کے ساتھ ایک گونہ انس و تعلق ہے۔ پس پورا سعادت مند ہے وہ انسان جو اس تعلق کی قدر و قیمت کو پہچانے اور اپنے کو اپنے اصلی مرکز کے ساتھ پورے طور پر وابستہ رکھے۔ اس لئے کہ مرکز سے ہٹا ہوا انسان کبھی شاد کام اور راہ یاب نہیں ہو سکتا اور جو شخص مرکز سے وابستہ ہے وہ ہر طرح فائز اور راہ یاب ہے۔ اور ہمیشہ کامیاب ہے۔

؎ چو رسی بکوئے دلبر بسپار جانِ مضطر   کہ مبادا بارِ دیگر نہ رسی بدیں تمنا

عشق با مردہ نباشد پائیدار   عشق را باحیّ باقیوم دار
عشقہائے کز پئے رنگے بود   عشق نہ بود عاقبت ننگے بود

حقیقتِ کعبہ

خانۂ کعبہ کی حقیقت کو وہی شخص بیان کر سکتا ہے جو خود حقیقت سے آشنا اور روشن ضمیر ہو۔ ایک کور چشم سیاہ قلب دوسروں کو جلوہ نور کس طرح دکھا سکتا ہے۔ تاہم ایک روایت نقل کی جاتی ہے۔ جس سے بصیرت والی آنکھیں اور بیدار قلوب بہت کچھ اخذ کر سکتے ہیں۔

وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اُتارا گیا تو ان کو اس ویرانے سے سخت وحشت ہوئی جس میں ان کے سوا کوئی انسان موجود نہ تھا۔ گھبرا کر عرض کیا، خدایا کیا اس رُوئے زمین پر میرے سوا کوئی متنفّس بھی ایسا نہیں جو تیری تسبیح و تقدیس بیان کرتا ہو؟

اِرشادِ ربّانی ہوا۔ "میں تمہاری ذُرّیات میں سے ان کو بھی بناؤں گا۔ جو میری تسبیح تحمید تقدیس بیان کریں گے۔ اور اس میں وہ گھر بھی (مساجد) بنائے جائیں گے جن میں میرا نام بلند ہو اور میری مخلوق میری تسبیح اور تقدیس بیان کرے۔ اب میں اس زمین پر تم کو ایسے گھر پر پہنچاؤں گا جس کو میں نے اپنے لئے پسند کیا ہے۔ اور اپنی عظمت و کبریائی کے لئے خاص کیا ہے۔ جو میرے نام کی وجہ سے روئے زمین کے تمام مکانوں سے ممتاز ہے اس لئے کہ اس کا میں نے اپنا گھر (بیت اللہ) نام رکھ دیا ہے۔ جو میری عظمت کو ظاہر کر رہا ہے اور میری حرمتوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور میں اس گھر کو زمین کے تمام گھروں میں سے اپنی عبادت کے لئے مخصوص اور ممتاز کروں گا۔ اس گھر کو اس بقعہ مبارکہ میں بناؤں گا جسکو میں نے اپنے لئے پسند کر رکھا ہے۔ اور میں نے اس جگہ کو اسی روز منتخب کر لیا تھا۔ جب آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا بلکہ اس سے پہلے بھی وہ جگہ مجھ کو مرغوب تھی۔ پس وہ خاص

میرا گھر ہے۔ نہ اس معنی کر کر میں اس میں رہتا ہوں اس لئے کہ نہ میرے لئے کسی گھر کی سکونت شایانِ شان ہے اور نہ کوئی گھر مجھ کو سما سکتا ہے۔ بلکہ میں عظمت و جبروت کی کرسی پر جلوہ افروز ہوں جو میری عزت و جلال کے ساتھ قائم ہے۔ اور جس پر میں نے اپنے عظمت و جلال کو ٹھیرا رکھا ہے وہی میرا مستقر ہے اور وہ بھی میری عظمت و جلال کے مقابلہ میں ضعیف و کمزور ہے۔ اگر میری جانب سے اس کی تقویت اور سہارا نہ ہوتا۔ اس لئے کہ میں ہر شے میں ہوں اور ہر شے کے اُوپر ہوں اور ہر شے کے ساتھ ہوں اور ہر شے کو محیط ہوں اور ہر شے کے آگے اور پیچھے ہوں۔ کسی شے کی یہ مجال نہیں کہ میرے علم کو جان سکے۔ اور میری قدرت کا اندازہ کر سکے۔ اور میری شان کی حقیقت تک پہنچ سکے۔

میں نے اس گھر کو تمہارے اور تمہارے بعد والوں کے لئے مقامِ احترام اور مقامِ امن بنایا ہے۔ میں نے اس گھر کے اوپر اور نیچے اور اس کی اطراف کو حرم محترم بنا دیا ہے۔ پس جس شخص نے میری حرمت کی وجہ سے اس کا احترام کیا اس نے میری حُرمت کی تعظیم کی۔ اور جس شخص نے اس کے احترام کو ضائع کیا اس نے میری حرمات کو ضائع کیا۔ اور جس شخص نے وہاں کے رہنے والوں کو امان دیا وہ اس کی وجہ سے میرے اماں کا مستحق ہو گیا۔ اور جس شخص نے وہاں کے رہنے والوں کو ڈرایا اور دھمکایا اس نے میرا ذمہ اور عہد توڑ دیا۔ جو شخص اس کی عظمت کرے گا وہ میری نگاہوں میں باعظمت ہوگا۔ اور جو شخص اس کی اہانت کریگا وہ میری نگاہوں میں ذلیل و خوار ہوگا۔ ہر بادشاہ کے لئے ایک مخصوص محل ہوتا ہے۔ اور بطن مکہ میرا خاص محل ہے۔ اور میرے محل کے پڑوسی اور اس کو آباد رکھنے والے اور اس کی زیارت کرنے والے۔ میرے پاس آنے والے وفود ہیں۔ اور میرے مہمان ہیں۔ میری حفاظت میں ہیں۔ میرے گھر میں ہیں میرے ذمہ اور میرے جوار میں ہیں۔ میں نے اس گھر کو پہلا گھر بنایا

جو لوگوں کے لئے بنایا گیا۔ اور اس کو ہمیشہ آسمان اور زمین والوں سے آباد رکھوں گا۔ جو فوج در فوج غبار آلودہ پراگندہ حال تپلی دُبلی سواریوں پر ہر جانب سے اس کی طرف آئیں گے اور تکبیر و تہلیل پکاریں گے۔ اور بار بار لبیک (ہم حاضر ہیں) پکاریں گے۔ اور آہ و زاری کے ساتھ اس کا استقبال کریں گے۔ پس جس شخص نے اس گھر کی زیارت کی اور اس کا مقصود صرف میری ذات ہو تو اس نے گویا میری زیارت کی اور میرے پاس آیا، اور میرے پاس اُترا۔ اور جو شخص میرے پاس اُترا وہ اس کا مستحق ہے کہ میں اس کا اکرام کروں اس لئے کہ کریم کے ذمہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے پاس آنے والوں اور اپنے مہمانوں کا اکرام و اعزاز کرے اور ان میں سے ہر ایک کی حاجت اور ضرورت کو پُورا کرے۔

اے آدم جب تک تم زندہ رہو گے اس گھر کو آباد رکھو گے پھر تمہارے بعد دوسرے لوگ اور دوسرے انبیاء یکے بعد دیگرے اس گھر کو آباد رکھیں گے حتیٰ کہ تمہاری اولاد میں سے ایک نبی جو خاتم الانبیاء ہوں گے لیں ان کو اس گھر کا آباد رکھنے والا، حمایت کرنے والا بناؤں گا۔ اور وہ میری جانب سے اس گھر کے محافظ ہوں گے۔ جب تک بھی وہ زندہ رہیں گے۔ اور ان سے پہلے تمہاری اولاد میں سے ایک اور نبی ہوں گے جو خاتم الانبیاء کے اجداد میں سے ہونگے جن کا نام ابراہیم ہوگا۔ ان کے ذریعہ اس گھر کا نام اس کی شرافت و کرامت نمایاں ہوگی۔ وہ اس گھر کی بنیادوں کو اٹھائیں گے اور ان کے ہاتھوں اس گھر کی تعمیر ہوگی ان کو تمام حلال و حرام اور مشاعر و مناسک بتلائے جائیں گے اور ان کو ایک امت بنایا جائے گا جو میری جانب مائل ہوگی اور میرے حکم کو قائم کرنے والی ہوگی اور میری جانب لوگوں کو بلانے والی ہوگی اور وہ میری پسندیدہ امت ہوگی جس کو میں صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کروں گا۔ میں ان کو آزماؤں گا وہ صبر کریں گے۔ میں ان کو عافیت دُوں گا

وہ شکر کریں گے۔ میرے لئے وہ جو منت مانیں گے اس کو پورا کریں گے اور جو وعدہ کریں گے اس کو وفا کریں گے۔ میں ان کی اولاد اور ان کی ذُریات کے بارہ میں ان کی دُعا کو قبول کرونگا اور ان کی اولاد کو اس گھر کے سکان اور ولاۃ اور حماۃ سے بناؤں گا۔ جب تک کہ وہ ہر قسم کے تغیر و تبدل سے بچے رہیں گے۔ اور جب وہ کسی قسم کا تغیر و تبدل کریں گے۔ تو میں اللہ ہوں ہر قدرت والے سے بڑھ کر قادر ہوں میں ان کو جس سے چاہے بدل دوں گا۔ میں ابراہیم کو اس گھر والوں اور اس شریعت والوں کا امام اور مقتدا بناؤں گا جو بھی جن وانس سے یہاں آئے گا۔ وہ ان کا اقتدار کرے گا اور ان کے آثار کی پیروی کرے گا۔ اور اُن کے طریقہ کا اتباع کرے گا۔ اور ان کی ہدایت کا اقتدار کرے گا۔ پس جس شخص نے ایسا کر لیا، اس نے اپنے وعدہ کو پورا کر دیا اور اپنی عبادت کو تمام کر لیا۔ اور جس شخص نے ایسا نہ کیا اس نے اپنی عبادت کو ضائع کیا اور اپنے مطلوب کو کھو دیا۔ اور جو شخص میرے متعلق ان جگہوں میں دریافت کرے کہ میں کہاں ہوں؟ پس میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں جو پراگندہ حال غبار آلود ہیں اپنے عہد کو پُورا کرنے والے ہیں اور اپنی عبادت کو تمام کرنے والے ہیں اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہیں۔ جو ان کے ظاہر و باطن کو بخوبی جانتا ہے۔

یہ مخلوق اور یہ تمام واقعات جو آدم تمہارے سامنے بیان کئے گئے میرے ملک اور میری عظمت اور میری سلطنت اور ہر اس شئے میں جو میرے پاس ہے کسی قسم کا اضافہ کرنے والے نہیں بلکہ ایسا ہی جیسے ایک قطرہ سات دریاؤں کے مقابلہ میں جبکہ ان کے ساتھ سات دریا اور ملائے جائیں مگر اس کے مقابلہ میں جو میرے پاس ہے اس قطرہ کے برابر بھی نہیں۔ اگر میں اس کو پیدا نہ کرتا تو میرے ملک میں اور میری عظمت میں اور

ہر اُس شئے میں جو میرے پاس ہے کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوتی۔ مگر جیسا کہ ایک ذرّہ تمام رُوئے زمین سے کم ہو جائے۔ بلکہ ذرہ کی مقدار بھی اس شئے کے مقابلہ میں جو میرے پاس ہے بہت کثیر ہے یہ تو محض ایک تمثیل ہے۔ اللہ عزیز و حکیم کی جانب سے اور بس۔

(تاریخ ازرقی جلد ۱ صفحہ ۱۳)

اس حدیث قدسی سے جو حقائق منکشف ہوئے ان کا اجمالی خُلاصہ چند امُور ہیں

(۱) حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے قبل ایک خطہ کو منتخب اور پسند فرمایا اس لئے کہ اس خطّہ کو اپنی عبادت اور بندگی کے لیے مخصوص کرنا تھا اور جو خطّہ بھی عبادت الٰہی اور بندگی خداوندی کے لئے مخصوص ہوگا وہ لامحالہ مرغوب منتخب اور پسندیدہ ترین خطّہ ہوگا۔ اس لئے کہ بارگاہِ ربُّ العزت میں عبادت اور بندگی سے زیادہ کسی شے کی وقعت وعظمت نہیں۔

(۲) اس مقدس خطّہ میں ایک گھر تعمیر کرایا گیا جو کسی کی سکونت اور رہائش کی خاطر نہیں بنایا گیا بلکہ ان بندگانِ خدا کے لئے تعمیر کرایا گیا جو بندگی کے ذائقہ سے آشنا ہو چکے تھے۔ اور غایت شرافت عظمت اور کرامت کی وجہ سے اِس گھر کو اللہ ربُّ العالمین کی طرف منسُوب کیا گیا جو ہر زماں و مکاں سے مستغنی اور بے نیاز ہے اور ہر شئے کو محیط ہے نہ کوئی شئے اس کو سما سکتی ہے۔ اور نہ کسی شئے کا وہ محتاج ہے۔ بلکہ وہ ذاتِ عالی ہر جگہ موجُود ہے اور ذرّہ ذرّہ اور پتّہ پتّہ میں اس کا جلوہ عیاں ہے۔ عرش وکرسی بھی محض اس کے جلال وجبروت کی جلوہ گاہ ہے۔ ورنہ وہ ربُّ العزت اس سے بھی مستغنی اور بے نیاز ہے۔ پھر اس گھر کو اللہ ربُّ العزت کی جانب منسُوب کرکے اِسمیں ان تمام خصوصیات اور تجلّیات اور انوارات کو مرکوز کر دیا گیا جو شایانِ شان خانہ

خداوندی تھے، اور اس تمام شان و شوکت عظمت و کرامت شرافت و رفعت کو اس گھر پر نمایاں کر دیا گیا۔ جو خانۂ خداوندی کے مناسب اور شایان شان تھے۔ یہ بندگانِ حق پرست پر ایک خصوصی فیض اور رحمت خاصہ ہے کہ جن خصوصی تجلیات اور انوار تک ان کی رسائی ناممکن اور محال تھی۔ ایک آب و گل کی تعمیر کے ذریعہ اس کا حقیقی جلوہ روئے زمین پر نمایاں کر دیا گیا۔ (۳) اس انتساب اور ان خصوصی تجلیات کی بنا پر اس مقدس گھر کی وہی شان و شوکت اور عظمت و رفعت ہوگی جو مالک الملک کی بارگاہِ عالی کے لئے ہونی چاہیئے۔ یہ مالک الملک احکم الحاکمین کا دربار خاص ہے اور وہاں کے رہنے والے خدم و حشم خداوندی ہیں اور وہاں کے زائرین اللہ ربُّ العزت کے زائرین اور مہمان ہیں اور ہر ایک اسی نسبت کے اعتبار سے انعام و اکرام اور اعزاز و احترام کا مستحق اور سزاوار ہے۔ پس اس گھر کی تعظیم و تکریم اور وہاں کے سکّان اور خدام اور زائرین کی توقیر و تعظیم اللہ ربُّ العزت کی تعظیم و تکریم شمار ہوگی اور اس کے حکم کی بجا آوری اور حقیقی بندگی شمار ہوگی، اور اس گھر کی تعظیم و تکریم میں کوتاہی اور وہاں کے سکّان اور خدام اور زائرین کی ادنیٰ توہین و تذلیل مقتضائے بندگی کے سراسر خلاف شمار ہوگی۔ اور موجب لعنت اور ہلاکت و بربادی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام جلیل القدر انبیاء کرام اس بارگاہِ عالی میں ایسی غلامانہ حیثیت سے حاضر ہوئے جو عبدیت اور بندگی کی حقیقی شان تھی۔ تفسیر عزیزی میں ہے۔

کانت الانبیاء اذا اتوا علم الحرام نزعوا نعالہم	انبیاء کرام جب حرم کو دیکھتے تو اپنے جوتے نکال دیتے تھے۔

(۴) اس عبدیت اور بندگی کے مظاہرہ سے مقصود بنی نوع انسان کی ترقی اور فوز و فلاح ہے اور بندگانِ خدا کا غایت اعزاز و اکرام ہے۔ کہاں یہ مشتِ خاک اور کہاں بارگاہِ ربُّ الارباب

ورنہ ربُّ العزت ہر شے سے مستغنی اور بے نیاز ہے اگر تمام مخلوقات اس کی بندگی میں سرگرم عمل ہو جائے تو اس سے اس کی شان عالی میں کسی قسم کی زیادتی نہ ہوگی۔ اور اگر خدانخواستہ ساری مخلوقات اس سے برگشتہ ہو کر نافرمانی کرنے لگے تو اس سے اس ربُّ العزت کی شان وشوکت اور عظمت وجبروت میں کسی قسم کی کمی نہ ہوگی۔ اس کے سامنے جب اس کی مخلوقات کی کوئی حیثیت اور وقعت ہی نہیں تو پھر ان کی غلامی اور بندگی کی کیا حیثیت اور وقعت ہو سکتی ہے۔

(۵) بیتُ اللہ کو مرکز بندگی بنایا گیا اور حقیقی بندگی کا مقتضی یہ ہے کہ ہر کام اور ہر بات میں اللہ ربُّ العزت کی فرمانبرداری اور حکم خداوندی کی بجا آوری مقصود ہو۔ اس لئے یہاں کے شعائر اور مناسک میں ہر ہر قدم اور ہر ہر بات پر فرمانبرداری اور حکم کی بجا آوری کا جذبہ نمایاں ہونا ضروری ہے۔ ورنہ وہ بندگی بندگی نہ ہوگی۔ اور وہ مناسک اور شعائر کی ادائیگی ادھوری اور ناتمام ہوگی۔ بلکہ اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو حج کے تمام مناسک اور شعائر صرف حکم کی تسلیم وتعمیل ہیں کبھی حکم ہے کہ ایک گھر کے گرد گھومو اور اس کے ایک گوشہ کو بوسہ دو کبھی حکم ہے کہ دو پہاڑوں کے درمیان چلو پھرو کبھی حکم ہے کہ ایک لق ودق بے آب وگیاہ میدان میں (عرفات) سب مجتمع ہو جاؤ۔ وہاں سے شام کو چلو مزدلفہ میں ٹھہرو پھر منیٰ میں ٹھیرو اور وہاں قربانی کرو۔ شیطانوں کے کنکریاں مارو۔ سر کے بالوں کو منڈواؤ۔ اگرچہ ان سب امور میں بھی حکم اور مصالح ہیں مگر انسانی عقول کو ان سے بالکل بے بہرہ رکھا گیا تاکہ نظر کسی حال میں بھی حکمت اور مصلحت پر نہ جائے۔ اور قدم برابر صراطِ مستقیم اور راہِ بندگی پر قائم اور استوار رہے اور جو کچھ بھی ادا ہو اس کا منشا صرف شوقِ بندگی اور جذبہ محبت اور تعمیل حکم ہو۔ جب اس گھر کو مرکز بندگی بنایا گیا تو بندگانِ خدا

کے ذریعہ بندگی کی پوری تصویر بھی دکھلادی گئی۔ بندگی کے ابتدائی اصول اور حقیقی نقوش حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے ذریعہ ظہور پذیر ہوئے اور بندگی کی پوری تکمیل اور مکمل نقشہ سیدالانبیاء والمرسلین خاتم النبیین کے ذریعہ دُنیا میں بھیجا گیا۔ اور حجۃ الوداع کے اہم موقعہ پر میدانِ عرفات میں تکمیل دین اور اتمام نعمت کا جانفزا مژدہ سنادیا گیا۔ اور ارشادِ ربانی ہوا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۝

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمتوں کو تمام کردیا۔ اور پسند کرلیا تمہارے لئے دین اسلام کو

بندگی کا مکمل دستور العمل "قرآن حکیم" ہی جو اصلی نظام زندگی اور شاہراہِ ترقی ہی۔ اور اس دستور العمل اور نظام زندگی کی عملی تشریح اور توضیح سیدالانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے افعال واقوال ہیں۔ سیدالانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بندگی کا اصلی نمونہ اور زندگی کا اسوہ حسنہ بناکر بھیجا گیا ہی۔

پس انسان کا جو کام بھی اس دستور العمل کے ماتحت اسوہ حسنہ نبوی کے موافق ہوگا وہی حقیقی بندگی ہی۔ اور اسی سے زندگی کو عروج و فروغ ہی۔ اور جو کام اس دستور العمل اور اسوہ حسنہ نبوی کے خلاف ہوگا۔ وہ بندگی کے بھی منافی ہوگا اور سراسر ہلاکت و بربادی ہوگا۔

بیتُ اللہ کی عظمت و رفعت

بیتُ اللہ کی عظمت و رفعت کو نمایاں کرنے کے لئے اس سے بڑھ کر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ اللہ ربُّ العالمین کی جانب منسوب ہے۔ اور مالک الملک نے اس کو ہماری خاطر بنوا کر اپنا گھر قرار دیا ہو سے

ان الذی سمک السماء بنی لنا ‏ بیتا دعائمہ اعز و اطول

لیکن اس شرف کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں جو "بیتُ اللہ" کی عظمت و رفعت کے مقتضی ہیں۔

(۱) بیتُ اللہ کو کسی خاص مخلوق اور خاص گروہ اور جماعت کے لئے نہیں بنایا گیا بلکہ یہ مکان تمام بنی نوع انسان کی خاطر تعمیر کرایا گیا ہے اور ہر ایک انسان کے منافع اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس لئے کہ ہر نوع کی خیر و برکت اور رشد و ہدایت صرف اسی ایک مرکز سے تقسیم ہوتی ہے۔ اور روئے زمین کو سرسبز و شاداب کرتی ہے۔ اِرشادِ ربّانی ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ	بیشک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ برکت والا اور ہدایت والا ہے تمام جہانوں کے لئے۔

بیتُ اللہ کی خیر و برکت رشد و ہدایت کسی کے لئے خاص نہیں، بلکہ تمام جہان والوں کے لئے فیض عام ہے جو شخص بھی اس سے منتفع ہونا چاہے اس کے لئے کوئی رکاوٹ اور مانع نہیں۔ پس وہ مکان جس کے ساتھ تمام بنی نوع انسان کے منافع وابستہ ہوں اور ہر انسان

کے لئے خیر و برکت اور رشد و ہدایت کا مرکز اور محور ہو وہ یقیناً دُنیا بھر کے دیگر مقامات سے اعلیٰ اور ارفع ہوگا۔ اس لئے کہ اس کے علاوہ اور کوئی بھی مقام ایسا نہیں جس کے ساتھ پُوری دنیا کی فوز و فلاح وابستہ ہو۔

(۲) مخلوقات میں جو کچھ رفعت و عظمت حاصل ہے وہ صرف اللہ ربّ العزّت کی بندگی اور غُلامی کو ہے انسانوں میں جس نے جو کچھ بھی رفعت و عظمت حاصل کی وہ بندگی کے ذریعہ حاصل کی جو شخص بھی جس قدر بندگی میں ممتاز اور اعلیٰ ہوا وہ اسی شان سے رفعت و عظمت کا مستحق ہوا۔ اِرشادِ ربّانی ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

بیشک تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

پس جب اِنسان کے لئے جو اشرف المخلوقات ہے رفعت و عظمت کا مدار صرف بندگی پر ہے تو وہ محل جو صرف بندگی کے لئے بنایا گیا ہو اور بندگی کے لئے خاص کیا گیا ہو یقیناً ہر نوع کی رفعت و عظمت کا مستحق ہوگا۔ چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے۔

وَعَهِدْنَا اِلٰی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ

اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی طرف یہ حکم بھیجا کہ میرے گھر کو خُوب پاک وصاف رکھا کرو۔ مقامی اور بیرُونی لوگوں کے واسطے اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے واسطے۔

بیتُ اللہ میں صرف بندگی ادا کی جاتی ہے اور خالص بندگی کے لئے اس کو بنوایا گیا ہے۔ بندگی ہی اس کا اصلی موضوع اور حقیقی مقصد ہے۔ اس لئے ہر نوع کی رفعت و عظمت اور جلال و جبروت یہاں پر نمایاں نظر آتی ہے۔

(۴) بیتُ اللہ کی تعمیر کے متعلق تمام اہلِ ادیان اور اہلِ تاریخ کا اس پر اتفاق ہو کہ اس کی تعمیر اللہ ربُّ العزّت کے حکم سے حضرت ابراہیم خلیلُ اللہ نے کی۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کی اس میں رہنمائی فرمائی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام نے ان کی اعانت فرمائی۔ اِرشادِ ربّانی ہو۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

اور جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ خانہ کعبہ کی دیواریں اُٹھا رہے تھے، اے ہمارے پروردگار ہم کو قبول فرمایئے۔ بلاشبہ آپ خوب سننے خوب جاننے والے ہیں۔

پس جس گھر کا تعمیر کرانے والا اللہ ربُّ العالمین ہو اور اس کا نقشہ تبلانے والا حضرت جبرئیل علیہ السّلام ہو، اور اس کو تعمیر کرنے والے حضرت ابراہیم خلیلُ اللہ ہوں اور مزدور حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام ہوں، اس گھر کی عظمت و رفعت کو کوئی دوسرا مقام کس طرح پا سکتا ہو۔ اور اس کی رفعت و عظمت کا کیسے اندازہ ہو سکتا ہو۔

رباعی

جامہ کعبہ را می بوسند
او نہ از کرم پیلہ نامی شد
با عزیزے نشست روزے
لاجرم در جہاں گرامی شد

بیت اللہ کو قبلہ بنانے کی حکمت

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تفسیر عزیزی میں تحریر فرماتے ہیں۔

اس جگہ میں گھر بنا کر اس کو جناب باری تعالیٰ کی جانب منسوب کرنا اور عبادت کے لئے قبلہ اور مخلوق کے لئے مرجع بنانے میں کیا حکمت ہے؟ اس لئے کہ حکیم مطلق کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس تخصیص کی مختلف وجوہ ہیں۔ جو ناقص افرادِ انسانی کے ذہن میں آتی ہیں۔

اول۔ بنی نوع انسان کی اصل خاک ہے۔ اور کرہ خاک کی اصل یہی نقطہ اور یہی جگہ ہے چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے پیدا ہونے سے پہلے یہ جگہ پانی پر ایک بلبلہ کے مانند تھی اس کے بعد پوری زمین کو اس بلبلہ سے پھیلایا اور کشادہ کیا گیا تو جسم انسانی کی اصل بھی نقطہ اور یہی جگہ ہے۔ پس جب اس جسم خاکی کو اپنے پروردگار کے حضور میں ڈالے تو جیسا کہ اپنی اصل قریب یعنی زمین پر سر کو رکھتا ہے اسی طرح مناسب ہے کہ عبادت میں اس اصل بعید کی طرف متوجہ رہے۔ جو خاک کا اصل مبدا اور منبع ہے۔ اور عمر میں ایک بار اس مقام اصلی اور مبدا خاکی کی زیارت کرے تاکہ حق تعالیٰ کی جانب توجہ ہو اور حق تعالیٰ کی ملاقات کا اشتیاق پیدا ہو۔ اس شوق کا پورا حق ادا کیے اور اس مقام کے چو گرد اپنے مولیٰ کی رضا کے لئے اس کے حکم کی بجا آوری میں چکر لگائے۔

دوئم۔ عبادت کے وقت انسان فرشتوں کا نائب ہے اس لئے کہ دراصل یہ

مبارک مشغلہ انہیں کا کام ہے۔ جیسا کہ غضب کے وقت درندوں کا نائب ہے۔ اور شہوت کے وقت چوپاؤں کا نائب ہے۔ اور مکر و فریب کے وقت شیطان کا نائب ہے۔ اور فرشتوں کی عبادت گاہ آسمان میں "بیتِ معمور" ہے۔ اور زمین پر خانہ کعبہ بھی بیت معمور کی محاذات میں ہے۔ چنانچہ ازرقی نے حضرت حسن بصری اور دیگر بہت سے تابعین سے روایت کیا ہے۔ کہ البیت بحذاء البیت المعمور وما بینھما بحذائہ الی السماء السابعۃ وما اسفل منہ بحذائہ الی الارض السابعۃ حرم کلہ

(بیتُ اللہ بیت معمور کی سیدھ میں ہے۔ اور ان کا درمیان ساتویں آسمان تک اور نیچے ساتویں زمین تک سب کا سب حرم ہے)

اسی مضمون کو حضرت ابن عباس نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

سُوئم۔ اِس عظیم الشان مقام میں حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے ساتھ جو حضرت ابراہیم خلیلُ اللہ کے خلف اکبر اور خاتم النبیین والمرسلین کے جدِ اعلیٰ تھے شان ربوبیت الٰہی عجیب و غریب رنگ و انداز کے ساتھ ظاہر ہوئی اور اس کے قریب غیب سے حضرت جبرئیل علیہ السّلام کے پر مارنے کی وجہ سے آبِ زمزم نمودار ہوا۔ جو آج تک جاری ہے۔ پس جس وقت حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کی اولاد اور ان کے متبعین بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہونا چاہیں تو ان کو اس مقام کی جانب متوجہ ہونا چاہیئے جہاں ان کے اسلاف کرام کے حق میں شانِ ربوبیت بے پردہ اسباب عیاں ہوئی اور اس جلوۂ ربوبیت کے آثار آج تک وہاں ظاہر اور نمودار ہیں۔

چنانچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام نے بھی اس نعمت عظمیٰ کا شکر اس طرح ادا کیا کہ اس مقام پر عبادت الٰہی کے لئے ایک مکان معیّن کیا۔ تاکہ جب بھی

اس جانب عبادت میں مشغول ہو تو شان ربوبیت برملا ملحوظ خاطر رہے۔ اس لئے کہ محض جگہ کے ملاحظہ کو واقعات گذشتہ کی یاددہانی میں بڑا دخل ہوتا ہے۔

یہ تین امور ہیں جو اس مقام کی تخصیص کی ابتدائی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں۔ پھر اس متبرک مقام کا مخلوقات کی عبادت گاہ اور عبادات کا قبلہ وکعبہ اور عاشقانِ خدا کا مرجع اور محبان خاص کا محور ومطاف بن جانے کے بعد اس مقام عالی کی اعلیٰ وجہ تجلی الہٰی کا اس مقام پر غایت ظہور ہے کہ یہ تمام عظمت ومحبت اس خاص تجلی کی بنا پر ہے جو ہر آن مختلف انواع کے ساتھ جلوہ افروز ہے اور اس بقعہ مبارکہ کو نور عظیم بنا رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے فرشتے بھی اس کے جاں نثار اور مشتاق ہیں۔ یہی وہ تجلی خاص ہے جس کے متعلق بعض انبیاء سابقین سے کتب بنی اسرائیل میں نقل ہے۔

سبحان الذی تجلی علی طور سینا واشرق نورہ من الساعیر واستعلی من جبال فاران

فاران مکہ معظمہ کا نام ہے جیسا کہ ساعیر بیت المقدس کے پہاڑ کا نام ہے اور معنی یہ ہیں کہ پاک ہے وہ ذات خداوندی جس نے کوہ طور پر تجلی فرمائی اور اس کا نور کوہ ساعیر سے روشن ہوا۔ اور کوہستان فاران سے بے پردہ ظاہر ہوا۔ اسی خاص تجلی الہٰی کی وجہ سے جو بھی زائرین حرم میں سے اس گھر پر نظر ڈالتا ہے تو سکون و اطمینان وقار وعظمت کو جو انتہائی جلال کو مشتمل ہوتا ہے۔ محسوس کرتا ہے خواہ نظر کرنے والا ذکی اور ہوشیار ہو یا بلید اور احمق جس سے وہ سمجھ جاتا ہے کہ اسی مقام پر ایک عظیم شان نمایاں ہے۔ جو کسی دوسری جگہ پر نمودار نہیں۔ اس مقدس گھر کا دلوں میں محبوب ہونا اور قلوب کی اس جانب بے اختیار کشش اور انجذاب یہ اسی تجلی خاص کے اثرات ہیں۔ رزقنا اللہ الفوز بمشاہدتہ ظاہراً و باطناً (تفسیر عزیزی ص ۵۲۸)

بیت اللہ کے فضائل اور مناقب

جس دیارِ مقدس کی خاک کا ذرہ ذرہ آفتاب و ماہتاب کی طرح درخشاں اور تاباں ہو وہاں کی خصوصیات اور خصوصی مقامات کی فضیلت و منقبت کا کس طرح احاطہ ہو سکتا ہے۔ اجمالی طور پر بعض چیزوں کی طرف محض اشارہ کیا جاتا ہے۔

بیت اللہ کی جانب دیکھنا

بیت اللہ صاحبِ جلال و جبروت مالک الملکوت کی خصوصی جلوہ گاہ ہے اس کی جانب دیکھنا آنکھوں کا نور دلوں کا سرور ہی نہیں بلکہ عاشقوں کی جان اور ایک اہم عبادت ہے اور باعثِ اجرِ عظیم ہے چنانچہ اس کے متعلق چند حدیثیں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص تھوڑی دیر بیت اللہ کی جانب منہ کر کے بیٹھے اور وہ اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا امیدوار ہو اور بیت اللہ کی عظمت و محبت سے بھرپور ہو تو اس شخص کے لئے حج و عمرہ اور جہاد کا ثواب ہے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی نظرِ التفات سب سے پہلے اہلِ حرم کی جانب ہوتی ہے۔ پس جو شخص نماز میں مشغول ہوتا ہے اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اور جو شخص بیت اللہ کے دیدار میں مشغول ہوتا ہے اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ (حسن الختام)

(۲) یونس بن جبان سے مروی ہے کہ بیت اللہ کی جانب دیکھنا عبادت ہے اور ایسا ہی جیسا کہ غیر حرم میں ہمیشہ روزہ دار شب بیدار صابر و قانت کی عبادت

ہے۔ (حسن الختام)

(۳) حماد بن سلمہ سے مروی ہے کہ کعبہ شریف کی طرف دیکھنا ایسا ہی جیسا غیر حرم میں ہر وقت عبادت میں مشغول رہنا۔ (حسن الختام)

(۴) حضرت مجاہد سے مروی ہے۔ کعبہ کی جانب دیکھنا عبادت ہے اور کعبہ میں داخل ہونا نیکی اور خوبی میں داخل ہونا اور کعبہ سے باہر نکلنا گندگی اور برائی سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ (حسن الختام)

(۵) حضرت عطا سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس نے ارشاد فرمایا کعبہ کی جانب دیکھنا خالص ایمان ہے (حسن)

(۶) حضرت ابن مسیب سے مروی ہے جو شخص اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہو اور ان کی باتوں کو سچ جانتا ہو اس کا کعبہ کی طرف دیکھنا ایسا گناہوں سے پاک و صاف کر دیتا ہے کہ گویا اس نے آج ہی جنا ہے۔ (حسن)

(۷) ابی السائب مدنی فرماتے ہیں۔ ایمان و تصدیق کی حالت میں کعبہ شریف کی طرف دیکھنا گناہوں کو ایسا جھاڑ دیتا ہے جیسا سوکھے درخت سے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ (حسن)

(۸) زہیر بن محمد فرماتے ہیں جو شخص مسجد حرام میں بیٹھا ہوا کعبہ کو دیکھ رہا ہے نہ نماز پڑھ رہا ہے اور نہ طواف کر رہا ہے۔ اس شخص سے افضل ہے جو گھر میں نماز پڑھ رہا ہے۔ لیکن کعبہ کے دیدار سے محروم ہے۔ (حسن)

(۹) حضرت عطا فرماتے ہیں۔ کعبہ کی جانب دیکھنا ایسا ہی جیسا ہمیشہ روزہ رکھنا ہر وقت نماز پڑھنا اور جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول رہنا۔ (حسن)

(۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ بیت اللہ پر ہر روز ایکسو بیس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ ساٹھ طواف کرنے والوں کے لئے اور چالیس نماز پڑھنے والوں کے لئے اور بیس محض دیکھنے والوں کے لئے۔ (حسن)

(۱۱) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے محض خوشنودیٔ مولیٰ اور تقویت ایمان کے لئے بیت اللہ کی طرف دیکھا اس کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دئیے جائیں گے اور قیامت کے دن اس کا حشر ایمانداروں میں ہوگا۔ (الجامع اللطیف)

(۱۲) امیرالمومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب بیت اللہ کو دیکھتے تو یہ دُعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ فَحَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ

(۱۳) حضرت مکحول سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو دیکھا تو یہ دعا پڑھی۔

اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا وَّتَکْرِیْمًا وَّمَھَابَةً وَّزِدْ مَنْ شَرَّفَهٗ وَکَرَّمَهٗ مِمَّنْ حَجَّهٗ وَاعْتَمَرَهٗ تَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا وَّتَکْرِیْمًا

اے اللہ اس خانۂ کعبہ کی شرف و عظمت اکرام اور رعب میں اضافہ فرما۔ اور حج اور عمرہ کرنے والا اس کی عزت و تکریم کرے اس کی عزت و عظمت و بزرگی میں ترقی عطا فرما۔

بیت اللہ کا طواف کرنا

بیت اللہ کا طواف کرنا ایک عاشقانہ شان ہے۔ اور بندگی کی جان اور روح رواں ہے۔ چنانچہ حکم ربانی ہے۔

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ — اور چاہیئے کہ طواف کرو تم بیت عتیق کا۔

بیت اللہ کو دنیا میں بنایا اسی لئے گیا ہے تاکہ ہمیشہ پرستاران حق کے لیے جلوہ گاہ بنا رہے اور جس طرح فرشتے عرش الہٰی اور بیت معمور کی طواف کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ عاشقان حق بھی اس خصوصی جلوہ گاہ کے طواف کی سعادت حاصل کریں اور اپنے عشق و محبت کا مظاہرہ کریں۔ چنانچہ بنار بیت کے وقت معماران حرم سے اس بات کا عہد لیا گیا تھا اور ان پر یہ حقیقت واضح کر دی گئی تھی کہ کعبہ کی بنار کا مقصد محض لوازمات بندگی کی ادائیگی اور عشق مولیٰ میں دیوانگی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ

اور ہم نے ابراہیم ؑ اور اسمٰعیل ؑ کی طرف یہ حکم بھیجا کہ میرے گھر کو بیرونی اور مقامی لوگوں کے واسطے اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے واسطے خوب پاک و صاف رکھا کرو۔

مفسرین نے تطہیر کے مختلف معنی بیان کئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آفات

د شکوک سے بیت اللہ کو پاک رکھا جائے اور بعض کہتے ہیں کہ کعبہ کو بتوں سے پاک رکھا جائے اور کوئی بت کعبہ کے گرد نصب نہ کیا جائے۔ اور بعض کا بیان ہے کہ طہارت سے مراد امن ہے یعنی بیت اللہ کو امن کی جگہ بناؤ۔ اور سب کا ماحصل یہی ہے۔ کہ اس مرکز بندگی سے تمام ان موانع کو ہٹا دیا جائے۔ جن میں شرک و کفر کی بو آتی ہو اور خالص حق پرستی کے منافی ہو۔ تاکہ پرستاران حق بے خوف و خطر بندگی کا فریضہ ادا کر سکیں۔

چونکہ طواف ایک اہم عبادت ہے اس لئے اس کے فضائل و مناقب بھی بے شمار ہیں جن میں سے چند احادیث نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس شخص نے بیت اللہ کا طواف سات مرتبہ کیا (یعنی سات پھیرے کئے) اور مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھی اور آب زم زم پیا اس کے تمام گناہوں کو خواہ وہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں بخش دیا گیا۔" (الجامع اللطیف)

(۲) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "انسان جب بیتُ اللہ کے طواف کے ارادہ سے (گھر سے) باہر نکلتا ہے خدا کی رحمت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور پھر خدا کی رحمت میں داخل ہو کر وہ جو قدم اٹھاتا ہے اور زمین پر رکھتا ہے۔ خداوند تعالیٰ اس کے ہر قدم پر پانچسو نیکیاں (اس کے اعمالنامے میں) لکھ دیتا ہے۔ اور پانچسو برائیوں (گناہوں) کو معاف کر دیتا ہے۔ اور پانچسو درجے اس کے بلند فرما دیتا ہے۔ پھر جب وہ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز طواف کی پڑھتا ہے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو جاتا ہے گویا اس کی

ماں نے آج اس کو جنا ہے اور اولادِ اسمٰعیل میں سے دس غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ اور کعبہ کے رکن پر ایک فرشتہ اس کا استقبال کرتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تو جو کچھ کر چکا ہے۔ وہ معاف کر دیا گیا۔ اب آیندہ اچھے کام شروع کر۔ اور اس کے خاندان میں سے ستر آدمیوں کے بارہ میں اس کی سفارش قبول ہو گی۔ (الجامع اللطیف)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کعبہ کے گرد اگرد ستر ہزار فرشتے رہتے ہیں جو طواف کرنے والوں کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں (الجامع)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس شخص نے پچاس مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو گیا گویا وہ آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ (الجامع اللطیف)

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آسمانی آبادی میں خدا تعالیٰ کے نزدیک بہتر وہ ہیں جو اس کے عرش کا طواف کرتے ہیں۔ اور زمین پر بسنے والوں میں سب سے بہتر لوگ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ ہیں جو بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ (الجامع اللطیف)

(۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر فرشتے کسی سے مصافحہ کرتے ہیں تو غازی سے جو راہِ خدا میں جہاد کرتا ہے اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والوں سے اور بیت اللہ الحرام کا طواف کرنے والوں سے مصافحہ کرتے ہیں۔ (الجامع اللطیف)

(۷) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف گویا نماز ہے۔

پس اگر اثناء طواف میں بات کرے تو صرف کلمہ خیر کہے (ترمذی) نیز فرمایا "جب طواف کرے تو کم بات کرے اس لئے کہ وہ گویا نماز میں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف میں نماز کی طرح طہارت اور ستر عورت ضروری ہے اور لغو فضول بات سے احتراز ضروری ہے۔ صرف کلمہ خیر جس میں دینی منفعت اور ضرورت ہو بقدر ضرورت کہہ سکتا ہے۔ مثلاً سلام کا جواب دینا کسی کو کوئی دینی بات بتلانا یا کسی بری بات سے منع کرنا اور یہ بھی اس وقت جائز ہے جبکہ قلبی توجہ اور حالت خشوع اور خضوع میں کوئی فرق نہ آئے۔ اور اس کلمہ خیر کو کہتے وقت امر ربانی پر پوری نظر ہو اور صرف تعمیل حکم مقصود ہو اس صورت میں یہ بھی عبادت شمار ہوگا اور طواف کے منافی نہ ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر کلمہ خیر کہنا بھی طواف کی شان کے منافی ہے۔ (احسن الختام)

(۸) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو شخص بیت اللہ کا طواف کرے اور اثنائے طواف میں یہ پڑھتا رہے۔

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر
ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

اس کے نامہ اعمال سے دس گناہ مٹا دیے جاتے ہیں۔ اور دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور اس کے دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں (حسن الختام)

(۹) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حج ادا کیا اور بیت اللہ کا طواف کیا اثنائے طواف میں فرشتے ملے اور کہا آدم تمہارا حج قبول ہو۔ ہم تم سے پہلے دو ہزار سال سے اس بیت اللہ کا حج اور طواف کر رہے ہیں۔"

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا تم طواف میں کیا پڑھتے ہو ؟
فرشتوں نے کہا ہم یہ پڑھتے ہیں۔
سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر
حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا" اس کے ساتھ لاحول ولا قوۃ
الا باللہ اور بڑھالو"
چنانچہ فرشتوں نے اس کو بڑھالیا۔ پھر بیت اللہ کی تعمیر کے بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج ادا کیا اور بیت اللہ کا طواف کیا تو اثنائے طواف میں فرشتے ملے اور سلام کیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے ان سے دریافت فرمایا:
"تم طواف میں کیا پڑھتے ہو ؟"
فرشتوں نے جواب دیا" تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ہم سبحان اللہ الحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھا کرتے تھے جب ان کو بتلایا تو انہوں نے فرمایا ولاحول ولا قوۃ الا باللہ اور زیادہ کرلو۔
حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا اس میں العلیّ العظیم کا اور اضافہ کرلو۔ چنانچہ فرشتوں نے اس کا اضافہ کرلیا (تاریخ ازرقی)
(۱۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سات طواف رات کو اور پانچ طواف دن میں کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضرت آدم علیہ السلام بھی اسی قدر طواف روزانہ کرتے تھے۔ (حسن الختام)
شیخ محب الدین طبرانی فرماتے ہیں۔ طواف کی مقدار میں سات مراتب ہیں۔

اوّل شب و روز میں پچاس طواف کرنا۔

دوسرے۔ اکیس طواف کرنا اس لئے کہ سات طواف ایک عمرہ کے برابر ہوتے ہیں۔ اور تین عمرے ایک حج کے برابر ہوتے ہیں۔

تیسرے چودہ طواف کرنا اس لئے کہ بعض روایات میں آتا ہی کہ دو عمرے ایک حج کے برابر ہیں۔

چوتھے۔ بارہ طواف کرنا پانچ دن میں اور سات رات کو جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہی۔

پانچویں۔ سات طواف کرنا۔

چھٹے۔ تین طواف کرنا۔

ساتویں روزانہ ایک طواف کرنا۔ اور یہ کمترین مقدار ہی۔

(حسن الختام)

احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ کا طواف کرنا ایک اہم عبادت ہی۔ اور ادائے بندگی کا ایک خاص طریقہ ہی جس میں بندگی اور غلامی کا اعتراف بھی ہی۔ اور اپنی دیوانگی اور وارفتگی کا اظہار بھی ہی۔ پس بیت اللہ کا طواف کرتے وقت سر اللہ رب العزّت کی عظمت و جلال کے سامنے سرنگوں ہو اور قلب ذوق و شوق سے معمور ہو۔ کعبہ کا طواف ہو اور ربّ کعبہ مقصود اور مطلوب ہو۔

بیت اللہ میں داخل ہونا

(۱) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو شخص بیت اللہ میں داخل ہوا وہ نیکیوں میں داخل ہو گیا اور جب بیت اللہ سے نکلا تو گناہوں سے پاک و صاف نکلا۔ اس کے سب گناہ معاف کر دیئے گئے (بیہقی)

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ باقی زندگی میں معصوم رہے گا۔ یعنی ہمیشہ کفر سے محفوظ رہے گا۔ اور اسلام کی حالت میں موت واقع ہو گی۔ (حسن الختام)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کعبہ میں داخل ہوا وہ اللہ تعالیٰ رحمت اور خدا کی حمایت اور اللہ تعالیٰ کے امن میں داخل ہو گیا۔ اور جب کعبہ سے باہر نکلا تو اس کی مغفرت کر دی گئی (حسن)

(۳) حضرت عطا فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک کعبہ کے اندر دو رکعت نماز پڑھنا مسجد حرام میں چار رکعت نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ (الجامع)

(۴) حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کعبہ کے اندر نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز دل کے برابر ہے۔ (الجامع)

متعدد احادیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور وہاں نماز پڑھی۔ چنانچہ حضرت ابن عمر سے منقول ہے کہ فتح مکہ کے دن جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو صحن کعبہ میں پہنچ کر آپ نے

کعبہ کی کنجی بردار حضرت عثمان بن طلحہ کو کنجیاں لانے اور کعبہ کا دروازہ کھولنے کا حکم فرمایا وہ کنجیاں لائے اور دروازہ کھول دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت بلال اور حضرت عثمان بن طلحہ تھے۔ جب یہ سب اندر داخل ہوگئے تو حضرت عثمان نے اندر سے دروازہ بند کر دیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد آپ مع ساتھیوں کے باہر نکل آئے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت بلال سے دریافت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر کیا کیا۔ حضرت بلال نے فرمایا حضور اقدس نے کعبہ کے اندر کے چھ ستونوں میں سے دو کو دائیں جانب چھوڑا۔ اور ایک بائیں جانب اور تین ستونوں کو پشت کی طرف اور درمیان میں کھڑے ہوکر دو رکعت نماز پڑھی۔

ایک روایت میں حضرت ابن عمر سے منقول ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ کے اندر تشریف لے جاتے تو دروازہ کے اندر داخل ہوکر سیدھے آگے جاتے تھے یعنی آپ کا چہرۂ مبارک سامنے ہوتا تھا اور پشت دروازہ کی طرف یہانتک کہ جب سامنے کی دیوار میں اور آپ میں صرف تین گز کا فاصلہ رہ جاتا تو آپ کھڑے ہو جاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔

ازرقی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شام سے حضرت امیر معاویہ مکہ میں آئے اور کعبہ کے اندر داخل ہونا چاہا تو حضرت ابن عمر کو طلب فرما کر دریافت کیا "ابو عبدالرحمن وہ جگہ تو بتلاؤ جہاں کعبہ کے اندر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔"

حضرت ابن عمر نے فرمایا: کعبہ کے اندر کے اگلے ستونوں کے درمیان دروازہ

کے مقابل والی دیوار اور اپنے درمیان دو یا تین گز کا فاصلہ چھوڑ کر"

مذکورہ بالا روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور دروازہ کے مقابل والی دیوار سے دو یا تین گز پیچھے ہٹ کر دو ستونوں کے درمیان آپ نے نماز پڑھی۔

حافظ ابوالفضل عراقی لکھتے ہیں کہ زائرین کو چاہیئے کہ وہ کعبہ کے اندر داخل ہو کر نماز پڑھیں تو دیوار کے اور اپنے درمیان تین گز کا فاصلہ چھوڑ کر پڑھیں تاکہ تین گز والی روایت کے بموجب آپ کی نماز کی جگہ پر نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہو اور دو گز والی روایت کے بموجب زائر کا سر سجدہ میں آپ کے قدم مبارک کی جگہ رہے اور یہ بہتر ہے۔

کعبہ کے اندر داخل ہونا ائمہ اربعہ کے نزدیک مستحب ہے اور علماء نے کعبہ کے اندر داخل ہونے کے حسب ذیل آداب مقرر کیے ہیں۔

(۱) غسل یا وضو کر کے کعبہ کے اندر داخل ہو۔

(۲) جوتا اور موزوں کو پاؤں سے نکال دے۔

(۳) کعبہ کے اندر داخل ہو کر چھت کی طرف یا ادھر ادھر نہ دیکھے۔

(۴) کعبہ کے اندر کسی سے بات نہ کرے البتہ اگر کسی امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کی ضرورت پیش آجائے تو اجازت ہے۔

(۵) کعبہ کے اندر خشوع و خصوع عاجزی و انکساری کو ضروری سمجھے اور ممکن ہو تو آنکھوں سے آنسو بہائے۔

(۶) کسی سے کسی چیز کو نہ مانگے اور اپنی حاجت کو کسی پر پیش نہ کرے۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ تاریخ میں مذکور ہے کہ خلیفہ ہشام بن عبد الملک کعبہ میں داخل ہوا۔ تو اس نے حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب کو اپنے قریب پاکر کہا "جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے طلب کرو"

حضرت سالم نے جواب دیا "مجھ کو خدا سے شرم آتی ہی کہ اس کے گھر میں کسی دوسرے سے سوال کروں" (رفیق حج)

حجرِ اسود

حجرِ اسود ایک بابرکت مہتم بالشان پتھر ہے جو باب کعبہ کے متصل بیت اللہ کے گوشے میں لگا ہوا ہی اور اس کے چاروں طرف چاندی کا خول ہی۔ یہ بظاہر ایک پتھر ہے مگر درحقیقت جنّت کی ایک نشانی ہی۔ اور وہاں کے جواہرات کا ایک ریزہ ہی جو عاشقوں کی تسکین اور بھڑکتے دلوں کی تسلّی اور تشفّی کی خاطر دنیا میں نازل کیا گیا۔ اور بطور یادگار بیت اللہ کے گوشہ میں نصب کیا گیا۔

حجرِ اسود زمین پر گویا یمین اللہ (خدا کا ہاتھ) ہے پس جس تشنہ لب عاشق مہجور نے اس کو بوسہ دیا اس نے گویا اللہ ربُّ العالمین کے دست مبارک کو بوسہ دیا جو عاشق صادق کی اصلی مُراد ہے اور محبوب کی جانب سے انتہائی اعزاز و اکرام ہے۔ اور یہ اللہ ربُّ العزّت سے الفت و مودت اور وفاداری و جاں نثاری کا عہد و میثاق ہی۔ جو روز ازل بندوں سی لیا گیا تھا۔ اور یہ ایمان کی کسوٹی ہی جہاں کھرا اور کھوٹا پرکھا جاتا ہی۔ اور اچھے اور بُرے میں تمیز ہو جاتی ہی۔

یہاں اس پُرکیف روح افزا منظر سے فرطِ محبت میں مومن کامل اور عاشق صادق کے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ اور بے اختیار رونے لگتا ہے۔

(۱) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرِ اسود کے سامنے کھڑے ہوئے اور زبان مبارک کو اس پر رکھا، اور دیر تک روتے رہے پھر پیچھے مڑ کر مجھے روتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا

"عمر یہاں بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔"

قاضی عیاض نے کتاب الشفا میں لکھا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص اس رکنِ اسود (حجرِ اسود) کے پاس دعا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرمائے گا۔"

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ رکن (حجرِ اسود) اور مقام ابراہیم جنّت کے دو یاقوت ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کے نور کو نہ بجھا دیتا تو مشرق و مغرب کے مابین ان کی روشنی سے جگمگا اُٹھتے۔"

پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حق تعالیٰ نے بعض پتھروں کو بعض پر اسی طرح فضیلت دی ہے۔ جس طرح بعض مقامات اور ایام اور شہروں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔" اسی حدیث میں بعض کے الفاظ یہ ہیں

"اگر بنی آدم کے گناہ ان دونوں چیزوں سے مس نہ کرتے تو ان کی روشنی سے مابین مشرق و مغرب جگمگا اُٹھتے۔"

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب حجرِ اسود زمین پر نازل ہوا تو وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا بنی آدم کے گناہوں نے اس کو سیاہ کر دیا"

قاضی عزیز الدین کا بیان ہے کہ میں نے اپنے پہلے حج میں ۸۰۱ھ ہجری میں حجرِ اسود کو دیکھا اس کے اوپر ایک سفید دھبہ تھا اس کے بعد یہ سفیدی کم ہوتے ہوتے بالکل جاتی رہی"

ابن خلیل کہتے ہیں کہ میں نے حجرِ اسود میں تین جگہ سفیدی دیکھی تھی، جو بتدریج فنا ہو گئی"

کسی شخص نے کیا خوب کہا ہے کہ انسان کے گناہوں سے پتھر تک سیاہ ہو جاتے ہیں۔ تو قلوب کیا چیز ہیں قلب میں تو گناہوں کی سیاہی جلد اثر کرتی ہے انسان کو چاہیئے کہ اپنے قلب کو صاف رکھنے کی کوشش کرے اور گناہوں سے اس کو تاریک و سیاہ نہ بنائے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "حجرِ اسود زمین پر یمین اللہ (خدا کا ہاتھ) ہے پس جس شخص نے آپ کی بیعت کو نہ پایا اور حجرِ اسود کا مسح کر لیا گویا اس نے اللہ اور اس کے رسول سے بیعت کر لی"

علامہ خطابی کہتے ہیں کہ حجرِ اسود کا یمین اللہ ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ جو شخص اس کا مسح کرے گا خداوند تعالیٰ سے اس کا معاہدہ ہو جائے گا۔ قاعدہ یہ ہے کہ بادشاہ جب کسی ایسے شخص سے معاہدہ کرتا ہے جس سے موالات اور دوستی مقصود ہوتی ہے تو وہ اس سے ہاتھ ملا کر مودت کا ثبوت دیتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ حجرِ اسود کو چھونا گویا حق تعالیٰ سے مصافحہ کرنا ہے۔ اور

اللہ ربّ العزّت سے معاہدہ مودت کرتا ہے۔

علامہ طبری کہتے ہیں کہ جب کوئی بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے تو وہ بادشاہ کی وفاداری کا عہد کرکے حلف وفاداری اٹھاتا ہے۔ حجر اسود گویا احکم الحاکمین سے حلف وفاداری اور اظہار مودت کا رتبہ رکھتا ہے۔ اور حجرِ اسود کو ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم حق تعالیٰ شانہ سے مودت اور وفاداری کا عہد کرتے ہیں۔ اور حلف اٹھاتے ہیں۔ اور یہ وہ شرف وعزّت ہے جس پر ساری دنیا نثار ہے۔

(۵) حضرت عمر بن الخطاب سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے حجرِ اسود کو چوم کر فرمایا کہ اے حجرِ اسود خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے کسی کو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتا مگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ایسا کر رہا ہوں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھ کو نہ چومتے تو میں بھی کبھی نہ چومتا۔" اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ — بیشک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں اچھا نمونہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول سنکر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ امیر المومنین حجرِ اسود نفع اور نقصان پہنچاتا ہے اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قیامت کے دن حجرِ اسود کو بارگاہِ خداوندی میں لایا جائے گا اور وہ ان لوگوں کے حق میں شہادت دے گا جنہوں نے اس کو بوسہ دیا ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سنکر

فرمایا کہ ابوالحسن علی جن لوگوں میں آپ کی برگزیدہ ذات نہ ہو ان کو لطف عیش حاصل نہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ فرمانے کا منشا یہ تھا کہ عرب میں پہلے بُت پرستی کا رواج عام تھا اور قلوب میں پتھروں کی تعظیم کا جذبہ موجود تھا اس بنا پر آپ کو یہ خطرہ ہوا کہ مبادا آپ کے اس فعل سے بعض جاہل اور ناواقف یہ سمجھیں کہ ایام جاہلیت کی طرح اسلام میں بھی بعض پتھروں کی عظمت اور بڑائی ہے اس خطرہ کی بنا پر حضرت عمر رضہ نے فرمایا کہ کوئی پتھر فی نفسہٖ قابل احترام نہیں۔ اور حجرِ اسود کو بھی جو کچھ فضیلت اور برتری حاصل ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ارشاد اور اتباع سنت کی وجہ سے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر ایک جانب تھی اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسری جانب متوجہ کیا اور حجرِ اسود کے ان مناقب اور منافع کو ظاہر کیا۔ جو خود اللہ اور رسول کے بتلائے ہوئے ہیں۔ تاکہ دین میں افراط و تفریط نہ ہو۔ (رفیق حج)

حجرِ اسود کا قیامت میں شہادت دینا یہ فی نفسہٖ ایک بہت بڑا نفع ہے۔ اور اس نفع کی خاطر اس کو بوسہ دینا یہ خود عین بندگی اور سراسر اتباع اور پیروی ہے۔ البتہ اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف کسی کی تعظیم و تکریم بندگی کے خلاف ہے اور کھلا شرک ہے۔

رُکن یمانی

رکن الیمانی بیت اللہ کا وہ گوشہ ہے جو یمن کی سمت واقع ہوا ہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب میں رکن یمانی کی طرف سے گذرتا ہوں تو مجھ کو ایک فرشتہ کی آواز آمین آمین کہتے سنائی دیتی ہے۔ پس جب تم رکن الیمانی کے پاس سے گذرو تو یہ کہو۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً	اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی خوبی
وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا	دے اور آخرت میں بھی خوبی دے اور ہم
عَذَابَ النَّارِ ؕ	کو آگ کے عذاب سے بچا۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رکن یمانی کے قریب جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور رکن اسود (حجرِ اسود) بھی جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے (رفیق حج)، یعنی جو شخص ان مقدس مقامات تک پہنچ گیا اس کی جنت کے دروازہ تک رسائی ہوگئی۔ اب صرف جنت میں داخل ہونا باقی ہے جو رُوح پرواز ہونے کے بعد نصیب ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ملتزم

ملتزم بیت اللہ کے اس حصہ کا نام ہے جو حجرِ اسود اور دروازہ کعبہ کے درمیان باب کعبہ کے نیچے واقع ہی۔ یہ حصہ خصوصیت کے ساتھ عاشقوں کی قربان گاہ حق پرستوں کی منزل مقصود اور خطا کاروں کی پناہ گاہ ہی۔ یہ اللہ ربُّ العالمین کے دربار کی چوکھٹ ہی۔ اس سے چمٹ کر دل بے قرار کو چین ملتی ہی۔ بندگی کا لطف نصیب ہوتا ہے۔ بارگاہِ خداوندی سے لطف و کرم کی ارزانی ہوتی ہی۔ اور خطا کاروں کو پروانہ معافی عطا ہوتا ہی۔ سائلوں کی مرادوں اور آرزوؤں کو پورا کیا جاتا ہی۔

وَمَنْ دَقَّ بابَ کریمٍ انفتح ۔ جو شخص کریم کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہی تو دروازہ کھل جاتا ہی۔

اس حصّے کو ملتزم (چمٹنے کی جگہ) اسی لئے کہتے ہیں کہ یہاں پرستارانِ حق چمٹ کر اپنی مرادیں مانگتے ہیں۔ اور فریادی فریاد اور آہ وزاری کرتے ہیں۔ اور اپنی تقصیرات کی معافی کی درخواست پیش کرتے ہیں۔

یہ مقام بھی ان متبرک مقامات میں سے ہے جہاں دُعا قبول ہوتی ہی۔ اور گناہ گاروں کی بخشش عام ہوتی ہی۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہی کہ "اس ملتزم پر جو دعا مانگی جائے گی وہ قبول ہوگی"

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ اس حدیث کے سننے کے بعد میں نے جو دُعا مانگی وہ قبول ہوئی۔ اور یہی بیان ان تمام لوگوں کا ہی جو اس حدیث کے راوی ہیں۔

ازرقی اپنے تاریخ میں لکھتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے مکہ میں تشریف لاکر اول بیت اللہ کا طواف کیا پھر دو رکعت کعبہ کی طرف منہ کرکے پڑھی اس کے بعد ملتزم پر پہنچ کر یہ دُعا کی۔

اللھم انک تعلم سریرتی وعلانیتی فاقبل معذرتی وتعلم مافی نفسی وماعندی فاغفرلی ذنوبی وتعلم حاجتی فاعطنی سولی

اے اللہ تو میرے ظاہر و باطن سے واقف ہی میرے عذر کو قبول کر۔ میرے دل میں اور میرے پاس جو کچھ ہے تو اس سے بھی آگاہ ہی تو میرے گناہوں کو بخش دے۔ تو میری حاجت کو بھی جانتا ہی۔ پس میرے سوال کو پورا کر +

اللھم اسئلک ایماناً یباشر قلبی ویقیناً صادقاً حتی اعلم انہ لن یصیبنی الا ماکتبت لی والرضا بما قضیت -

اے اللہ میں تجھ سے ایسے ایمان کا طالب ہوں جو میرے قلب میں جاگزیں ہو اور یقین صادق کا خواستگار ہوں تاکہ مجھ کو اس امر کا کامل اطمینان حاصل ہو جائے کہ جو مجھ کو پہنچتا ہی وہ وہی ہی جو تو نے میری تقدیر میں لکھ دیا۔ اور جو فیصلہ تو نے میری نسبت کیا ہی میں اس پر ہر طرح راضی ہوں +

حضرت آدم علیہ السلام دعا سے فارغ ہوئے تھے کہ وحی الٰہی نازل ہوئی۔ اور رب کریم کا یہ پیغام پہنچا "آدم میں نے تیری دعاؤں کو قبول کیا اور تیری اولاد

میں سے جو شخص تیرے ان الفاظ میں مجھ سے دُعا کرے گا میں اس کے رنج وغم کو دور کروں گا۔ اور اس کی گم شدہ شے کا بدل دوں گا۔ اس کے قلب سے فقر کو نکال کر غنی کو اس کے دل میں بھر دوں گا۔ تجارت پیشہ شخص کی تجارت میں برکت دونگا وہ دنیا سے بے پرواہ ہو گا۔ اور دنیا اس کے قدموں پر ہو گی۔ (رفیق حج)

حطیم

حجر یا حطیم نہایت مقدس بابرکت جگہ ہے جس میں .... حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ کی قبریں ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انتقال کے وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر ایک سو سینتیس سال تھی۔

حطیم ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے جس کا عرض وطول کعبہ کی اس دیوار سے جس میں میزاب رحمت لگا ہوا ہے۔ سامنے والی دیوار تک پندرہ ذراع اور دونوں دروازوں کے درمیان سترہ ذراع ہے۔ حطیم گویا کعبہ کا صحن ہے اور اس میں کچھ حصہ ۶ یا ۷ ذراع کعبہ کا شامل ہے۔ حطیم کے اندر جتنا حصہ بیت اللہ کا شامل ہے وہ بیت اللہ ہی کا حکم رکھتا ہے۔ اس میں داخل ہونا بیت اللہ میں داخل ہونا ہے اور اس کے اندر نماز پڑھنا بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کے برابر ہے۔ یہاں بھی عاشقوں اور مشتاقوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے اور رحمت خداوندی کے طلب گار میزاب رحمت کے نیچے نمازوں اور دعاؤں میں مصروف رہتے ہیں۔ اور الطاف وانعامات خداوندی سے سرفراز ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو شخص

میزاب رحمت کے نیچے دعا کرے گا اس کی دُعا قبول ہوگی۔

حضرت عائشہ صدّیقہ سے روایت ہو کہ میں بیت اللہ کے اندر داخل ہوکر نماز پڑھنے کو بہت پسند کرتی تھی۔ (ایک روز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو حطیم کے اندر داخل کرکے فرمایا "تم بیت اللہ کے اندر داخل ہونا چاہتی ہو تو اس میں داخل ہوکر نماز پڑھو۔ یہ حصہ بھی بیت اللہ میں داخل ہو۔

اس حدیث سی ثابت ہوتا ہی کہ حطیم کا سارا حصہ بیت اللہ میں شامل ہی چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت بھی کیا تھا کہ کیا حطیم بیت اللہ میں ہی؟ آپ نے فرمایا "ہاں"۔ لیکن راجح یہ ہے کہ حطیم کا صرف چھ یا سات ذراع کا حصہ بیت اللہ میں شامل ہی جیسا کہ خود حضرت عائشہ سے منقول ہی۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرکے فرمایا "اگر عہد جہالت قریب نہ ہوتا تو میں حطیم میں سی چھ ذراع کا وہ ٹکڑا جس کو سرمایہ کم ہو جانے کی وجہ سے قریش نے چھوڑ دیا تھا۔ بیت اللہ میں شامل کر دیتا"

ایک اور حدیث میں چھ کے بجائے سات ۔۔۔ ذراع کا ذکر ہے۔ بہر نوع احادیث سی ثابت ہی کہ حطیم کا چھ یا سات۔۔ ذراع بیت اللہ کا جز ہے جو قریش کی تعمیر کے وقت حلال مال کی قلت کی وجہ سے بیت اللہ میں شامل نہ ہوسکا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خیال تھا کہ بیت اللہ کے اس حصہ کو بیت اللہ میں داخل کر دیا جائے اور دروازہ کو زمین سے متصل کر دیا جائے اور ایک دوسرا دروازہ رکھا جائے جس سی زائرین کو سہولت ہو۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن زبیر کے دور امارت میں جب بیت اللہ کی تعمیر کی نوبت آئی تو انہوں نے اس ارادہ

کی تکمیل کی لیکن بعد میں حجاج بن یوسف نے بیت اللہ کو اپنی پہلی وضع اور ہیئت پر قائم کر دیا۔ جو آج تک قائم ہے۔ اور یہی حق تعالیٰ کو منظور تھا۔ اور مقتضائے حکمت یہی تھا کہ اس کا گھر ہر وقت بند بھی رہے اور اس کا ایک حصہ مشتاقوں کے لئے ہر وقت کھلا بھی رہے تاکہ نہ کعبہ کے عظمت وجلال میں فرق آئے اور نہ مشتاقوں کے لئے دل تنگی اور محرومی ہو۔

حج بیت اللہ کی حکمت

حج بیت اللہ کی حکمت چند اہم مقاصد ہیں۔

(۱) فرشتوں کے ساتھ مشابہت
(۲) بندگی کا اجتماعی اعتراف
(۳) عشق ومحبت خداوندی کا جلوۂ عام
(۴) سفر آخرت کی یاد دہانی اور تیاری

(۱) فرشتوں کے ساتھ مشابہت

حق سبحانہ وتعالیٰ نے جب بنی نوع انسان کو اپنا نائب اور خلیفہ بنانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو فرشتوں کو اس میں خلجان ہوا کہ جس مخلوق کی طینت اور فطرت میں شر و فساد اور قتل وغارت گری ودیعت رکھا ہوا ہو وہ اس اہم امانت کو کیسے اُٹھا سکتی ہے۔ اور حق نیابت کس طرح ادا کر سکتی ہے؟ چنانچہ بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا۔

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ — کیا آپ زمین میں ایسے لوگوں کو پیدا کریں گے جو اس میں فساد کریں گے اور خونریزی کریں گے؟

چونکہ علم خداوندی میں تھا کہ باوجود اس طینت اور فطرت کے ان کی فطرت میں جوہر انسانی بھی ودیعت رکھا ہوا ہے جو ان کو حق پرستی کی جانب مائل کرے گا۔ اس لئے ارشاد ہوا۔ کہ

اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ — میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے

اور یہی درحقیقت انسان کا اصل کمال اور جوہر شرافت ہے کہ باوجود مجسمہ حیوانیت ہونے کے پھر بھی اپنے جواہر انسانیت کو برقرار اور نمایاں رکھتا ہے۔

پس بنی نوع انسان کے لئے سال میں سے چند مہینے ایسے مقرر کئے گئے جن میں اس کی حیوانیت کی ساری خصائل کو بالکلیہ ترک کرایا گیا اور جواہر انسانیت کو نمایاں کرکے فرشتوں کے ساتھ مشابہت اور مسابقت کا پورا موقعہ دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ط وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ — حج چند مشہور مہینے ہیں پس جو شخص ان میں اپنے پر حج لازم کرے تو اس کے لئے نہ کوئی فحش بات ہے اور نہ کسی قسم کی عدول حکمی اور نہ کسی قسم کا جھگڑا ایام حج میں (بلکہ اس کو چاہیئے کہ ہر وقت نیک کاموں میں لگا رہے) اور جو کچھ بھی تم نیک کام

التَّقْوٰی وَاتَّقُوْنِ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ ○

کروگے اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں۔ اور زادراہ لوتم اور بہترین زادراہ تقویٰ، پرہیزگاری ہے۔ اور ڈرو تم مجھ سے اے عقل والوں۔

آیۃ کریمہ میں حجاج کے لئے بتلادیا گیا کہ ایام حج میں تمہارے لئے سارے حیوانی خصائل اور سارے حیوانی جذبات ممنوع ہیں۔ تمہارا کام صرف نیک کاموں میں مشغول رہنا ہے اور اس میں بھی تقویٰ و پرہیزگاری کو ہر وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے اس لئے کہ انسان کی فوقیت اور برتری اور اصلی جوہر شرافت اور منتہائے دانائی اور ہوش مندی صرف تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔

(۲) بندگی کا اِجتماعی اِعتراف

حق سبحانہ وتعالیٰ نے تمام ارواح انسانی کو پیدا فرماکر میدان عرفات میں ان سے اپنی ربوبیت کا اعتراف اور اقرار کرایا تاکہ وہ دنیا میں آنے کے بعد اپنی پوری زندگی کو بندگی کے ساتھ گذاریں اور ہمیشہ احکام خداوندی کی بجاآوری اور فرمانبرداری میں منہمک اور چست و چالاک رہیں۔ جو اسلام کا اصلی مفہوم اور ایمان کا حقیقی تقاضا ہے۔

اب اس عرفات کے سالانہ عظیم الشان اجتماع سے مقصد اسی اعتراف اور اقرار کی یاددہانی ہے اور حق پرستوں کی جانب سے اس اعتراف کی پاسداری ہے کہ جیسا کہ روز ازل میں ہم نے اللہ رب العزت کی ربوبیت اور حاکمیت اور خالقیت کا اعتراف کیا تھا ہم بحمد للہ فضل و کرم سے اس اعتراف و اقرار پر قائم

ہیں۔ اور اللہ رب العالمین کی بندگی اور فرمانبرداری میں اپنی استطاعت اور لبساط کے موافق مصروف اور مشغول ہیں۔ اور جس قدر کوتاہی اور کمی ہم سے واقع ہوئی ہے اس پر نادم و شرمسار ہیں۔ اور بارگاہِ خداوندی میں اپنے عجز و قصور کے معترف اور معافی و مغفرت کے خواستگار ہیں۔

جیساکہ اجتماعی عہد لیا گیا تھا ویسا ہی ہر سال اجتماعی یاددہانی اور مخلوق کے لئے اس کا اجتماعی وفا بھی ضروری و مناسب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جیسا کہ ربوبیت کا اعتراف اور بندگی کا عہد عالم ارواح میں لیا گیا اسی طرح اس اجتماعی بندگی کی دعوت بھی اول انسانی ارواح کو دی گئی اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے جب فاران کی چوٹی سے حج بیت اللہ کا اعلان فرمایا تو اس پر ہر سعادتمند روح نے لبیک (ہم حاضر ہیں) کہا اور لبیک (ہم حاضر ہیں) پکارتی ہوئی وہ اس فریضہ بندگی کی ادائیگی سے سبکدوش ہوگی اور اپنے عہد کو پورا کریگی اسی لئے اعترافِ بندگی کی ہم معنی اہمیت اس بندگی کے اجتماعی اعتراف کو حاصل ہے۔

(۳) عشق و مُحبّت خُداوندی کا جلوۂ عام

ہر انسان کی فطرت میں جذبہ محبت ودلیعت رکھا ہوا ہے

جو انسان کا اصلی جوہر ہے وہ انسان ہی نہیں جو جذبۂ محبت سے خالی اور عاری ہو اور وہ دل دل ہی نہیں جو داغ دار نہ ہو۔ ؎

جو چشم کہ بے نم ہو وہ ہو کور تو بہتر　　جو دل کہ ہو بے داغ وہ جل جائے تو اچھا

اور اس جذبۂ عشق و محبت کا اصل مرکز اور محور وہ ذاتِ پاک ہے جو ہر جمال و کمال کو حاوی اور محیط ہے الحمد للہ ربّ العالمین (جملہ ستائش اس اللہ کے لئے

ہے جو ربُّ العالمین ہی)

اسی لئے ہر مومن کا قلب عشق خداوندی سے ہر وقت معمور اور آباد رہتا ہی. چنانچہ ارشاد ربانی ہی۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ — اور جو لوگ کہ ایمان لائے زیادہ سخت ہیں۔ اللہ کی محبت میں۔

پس ایمان درحقیقت نام ہے اللہ اور رسول کے ساتھ اس فرط تعلق اور کمال عشق و محبت کا جو جذبہ عظمت و ہیبت لئے ہوئے ہو۔ اور یہ بندگی کا اصلی مقام ہے کہ اپنے مولیٰ اور آقا کے احسانات اور انعامات اور کمالات پر اس قدر فریفتہ اور وارفتہ ہو کہ اس کے ہر حکم پر بے ساختہ جان قربان کرنے کو ہر وقت مستعد اور تیار ہو اور اسی کے خیال اور دھن میں ہر آن مست و سرشار رہو ے

عاشقی چیست بگو بندہ جاناں بودن — دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن

حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنی پاک زندگی میں اس عشق و محبت کی مثال قائم کی اور دنیا کے لئے عاشقانہ بندگی کا اسوۂ حسنہ اور اعلیٰ نمونہ قائم کر دیا۔ اسی لئے ملّتِ ابراہیمی کو اصل ملّت قرار دیا گیا اور بیت ابراہیمی کو اس عشق و محبت کا خصوصی جلوہ گاہ اور مرکزی عبادت گاہ بنا دیا گیا۔

انسان کا تعلق اللہ ربُّ العزّت کے ساتھ دو نوع کا ہی۔ ایک بندگی اور غلامی کا کہ وہ پاک ذات مالک ہی خالق ہی احکم الحاکمین ہی۔ اور یہ بندہ مملوک ہی اور اس کی مخلوق ہی اور اس کے ہر حکم کے سامنے مجبور اور سرنگوں ہے۔ اس تعلق کا مظہر نماز ہے۔ جو سراسر بندگی اور غلامی اور پوری نیاز مندی

کا مظاہرہ ہے۔ اسی لئے نماز کا ہر رکن اور نمازی کی ہر ادا اپنی بندگی اور غلامی اور
اللہ ربُّ العزّت کی عظمت و کبریائی کا پورا شاہکار اور اعلیٰ نمونہ ہے۔ پاک و
صاف خوش وضع اور خوش پوشاک ہو کر سکون و وقار اور ادب و احترام کے
ساتھ بارگاہِ خداوندی میں اظہار نیاز مندی اور اعتراف بندگی کے لئے حاضر
ہو اور تمام شاہانہ آداب کو ملحوظ خاطر رکھے اور اپنی مجرمانہ حرکات پر ترساں
اور لرزاں رہے۔ دنیا و مافیہا سے رُخ موڑ کر اس کی جانب متوجہ ہو اور اس
کے بیت کو اپنا قبلہ بنائے چہرے کا رُخ اِدھر ہو اور دل کا رُخ رب البیت
کی جانب ہو اور انتہائی عاجزی اور نیازمندی سے جملہ تعلقات سے دست
بردار ہو کر اس کی عظمت و کبریائی کا اعتراف کرے۔ پھر دست بستہ خشوع
و خضوع کے ساتھ اس کی حمد و ثنا پاکی اور کبریائی کو بیان کرے۔ اس کی رحمت
و قدرت کو پیش نظر رکھ کر اپنی بندگی غلامی اور بیچارگی کا اعتراف کرے
با ادب اپنی معروضات کو پیش کرے۔ پھر فرطِ عظمت سے جھک جائے اور
اس خوف سے کہ مبادا کوئی بات خلاف ادب سرزد ہو گئی ہو بار بار تسبیح و
تقدیس بیان کرے۔ مولیٰ کریم نے اپنی بارگاہ میں حاضری کا شرف عطا فرمایا
اور معروضات اور مناجات کو سنا اس شکرانہ میں فوراً سربسجود ہو جائے
جس سر میں خودسری بھری ہوئی تھی اسے زمین پر پائمال کرے اور ایک بار
نہیں دو بار کرے اور بار بار اس کی پاکی ربوبیت اور کبریائی کا اعتراف کرے
اور کھڑے ہو کر اس سعادت عظمیٰ کو پھر حاصل کرے اور دوبارہ اسی طرح کر کے
بیٹھ جائے۔ یہ بارگاہِ ربُّ العالمین کی حاضری اور دربار شاہی کی حضوری

صرف طفیل اور صدقہ ہے۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ ایک مشت خاک کو کس مرتبہ کمال اور درجہ علیا تک پہنچایا پس دلی جذبات کے ساتھ شکر و امتنان کا اظہار کرے اور بارگاہِ رسالت تک صلوٰۃ سلام کا تحفہ بھیجے۔ اس لئے کہ بارگاہِ ربُّ العالمین تک رسائی کا صرف یہی ایک واحد ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ۔۔۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اس تعلق میں جوش و دیوانگی کا کام نہیں۔ بلکہ یہ سراسر ہوش و فرزانگی پر مبنی ہے۔ یہاں مدہوشی اور سرمستی کا کام نہیں۔ بلکہ سراسر ہوشیاری اور بیدار مغزی درکار ہے۔ سراپا سکون و وقار ہو۔ مجسمۂ عجز و انکسار ہو۔ شانِ کبریائی اور اپنی گندگی اور بیچارگی کا پورا استحضار ہو۔ اور ہر اس بات کی پابندی ہو جو دربارِ شاہی کے آداب کے مناسب اور شایان شان ہو۔ اسی لئے نماز کے لئے بھاگ کر چلنا مکروہ ہے۔ نماز میں بات کرنا اِدھر اُدھر متوجہ ہونا ممنوع ہے۔ پراگندہ حال بے ہیئت لباس کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کپڑے کو لٹکانا اور بے تمیزانہ انداز پر پہننا مکروہ ہے۔ برہنہ سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ غرض ہر وہ بات نماز میں ممنوع یا مکروہ ہے جو سکون و وقار کے خلاف ہو اور آداب شاہی کے منافی ہو۔ جس کا مبنیٰ مدہوشی اور سرمستی ہو۔ اور جس سے غفلت و لاپروائی کا شائبہ پیدا ہوتا ہے۔

اس تعلق کی تکمیل زکوٰۃ سے ہوتی ہے جو اسلام کا دوسرا رکن ہے۔ اور بندگی کا اہم فریضہ ہے۔ اسی لئے قرآنِ حکیم میں بار بار نماز کے حکم کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم دیا گیا۔ انسان خدا کی مخلوق ہے۔ اسی کا پروردہ غلام اور پیدا کردہ بندہ ہے۔

اسی کی عطا کی ہوئی نعمتوں سے سرفراز ہے۔ اسی کے احسانات اور انعامات سے مالا مال ہے پس جو کچھ بھی اس کے پاس ہے وہ اسی مالک الملک کی ملک ہے۔ یہ محض متصرف اور نگراں ہے۔ اس کا مقتضی اور حقیقی تقاضا یہ تھا کہ اپنا سب کچھ اپنے مالک اور آقا کے سپرد اور حوالہ کردے مگر شان کریمی نے سب کچھ اسی کو دے دیا۔ البتہ اس غلامی اور بندگی کی شان کو باقی رکھنے۔ اور اس کی یاد کو ہر دم تازہ رکھنے کے لئے ایک جزوی معمولی حصہ اپنے لئے مقرر کرلیا۔ تاکہ اس کی ادائیگی پر اپنی بے مائگی کا احساس ہو اور اپنی بندگی اور غلامی کا پورا اعتراف ہو۔ گویا بندہ اعتراف بندگی اور غلامی اور اظہار وفاداری اور جان نثاری کے لئے اپنے آقا کی دی ہوئی امانت کو اس کے حضور میں شکر و امتنان اور عجز و انکسار کے ساتھ پیش کر رہا ہے۔ اسی لئے مال زکوٰۃ انسانوں کے ہاتھوں میں نہیں دیا جاتا بلکہ وہ درحقیقت اللہ رب العالمین کے حضور میں پیش ہوتا ہے۔

دوسرا تعلق عشق و محبت کا ہے کہ جمال و کمال پر فریفتگی انسان کا فطری تقاضا اور حقیقی شیوہ ہے۔ اور عشق و محبت کا ہر آن تقاضا جوش و حیرانی۔ مدہوشی و سرمستی رسوائی و دیوانگی ہوتا ہے۔ ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق   او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

اس تقاضے اور جذبے کو پورا کرنے کے لئے حج مقرر کیا گیا۔ اعتراف غلامی اور ادائے بندگی کے لئے کسی چیز کو چھوڑنے کی حاجت نہ تھی گھر سے نکلے مسجد پہنچے۔ شیوہ غلامی اور فریضہ بندگی ادا کیا بارگاہ رب العالمین میں حاضری دی اور بس۔ لیکن راہ عشق میں سب کچھ چھوڑنا اور ہر شے کو خیرباد کہنا ہوگا۔ کہ یہ راہ عشق کی اولین شرط

ہے۔ ؎

نیا رنگ لائی میری بے کسی	چھٹا دیس جنگل کی دھن ہو گئی
چمن سے مجھے شوق صحرا ہوا	نئے رنگ کا مجھ کو سودا ہوا

؎

حسرت و یاس و تمنا تمہیں وحشت کی قسم	پھر چھوڑ و مجھے جنگل کو نکل جانے دو

بندگی کی تزئین گھر کے گوشہ میں ہوتی ہے تو عشق و محبت کی تکمیل کے لئے دشت و ویرانہ درکار ہے۔ پس راہِ عشق میں گھر بار عزیز و اقارب اہل و عیال دوست و احباب سب کچھ چھوڑ محبوب کی طلب اور جستجو کی خاطر دیوانہ وار گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ اور ان تمام مصائب و مشکلات کے لئے تیار ہو گیا۔ جو راہِ عشق کے باغ و بہار ہیں ؎

سالک راہِ محبت کا خدا حافظ ہے	اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

مصائب اور مشکلات کو دُور کرنے کی فکر نہیں سامان راحت و آرام کی جستجو نہیں بلکہ ان مصائب اور مشکلات میں لذّت و حلاوت لطف و راحت کی جستجو اور دھن سوار ہے ؎

مزا اس ہی میں آتا ہے نمک چھڑکو نمک چھڑکو
قسم لے لو نہیں عادت میرے زخموں کو مرہم کی

الفت میں برابر ہے جفا ہو کہ وفا ہو	ہر چیز میں لذّت ہے اگر دل میں مزا ہو

اس ذوق و شوق کے ساتھ گھر سے نکلا کہ نہ اپنی خبر اور نہ اپنوں کی فکر۔

اور جب دیار محبوب کے قریب پہنچا تو ہر نوع کی زیب و زینت اور آرائش و زیبائش سے آزاد ہو گیا۔ عاشقانہ رنگ اختیار کیا۔ نہ سر پر ٹوپی نہ بدن پر کرتا۔ اور نہ ٹانگوں میں پائجامہ۔ یہی احرام کی حقیقت ہے۔ ؎

لنگکے زیر لنگکے بالا   نے غم دزد نے غم کالا

عاشق دیوانہ لباس اور آرائش و زیبائش کی قید و بند سے آزاد ہوتا ہے اور اپنی مجنونانہ ہیئت میں مگن اور سرشار رہتا ہے۔ ؎

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

نہ رکھ لباس کا الجھاد تن پہ دست جنوں
کیا ہے چاک گریباں تو پھاڑ دامن بھی

چشم تر خاک بسر چاک گریباں دل زار   عشق کا ہم نے تو دنیا میں نتیجہ دیکھا

خوشی سے اپنی رسوائی گوارا ہو نہیں سکتی   گریباں پھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے

عشق و محبت کا تقاضا تو یہ تھا کہ گھر سے اسی حالت زار میں نکلتا اور اصلی دیوانوں کا یہی شیوہ بھی رہا ہے۔ مگر شان کریمی نے بندوں کی اس ادنیٰ مشقت کو بھی گوارا نہ کیا اور گھر سے احرام باندھنا ضروری قرار نہ دیا البتہ جب کوچہ جاناں قریب آجائے تو پھر عاشقانہ انداز اور مجنونانہ ہیئت ضروری ہے۔ نیز ہر حج کو جانے والے میں گھر سے نکلتے ہی وہ ذوق و شوق موجود نہیں ہوتا جس کی یہ مجنونانہ

ہیئت ترجمانی کررہی ہے۔ اس لئے جب دیارِ محبوب کے قریب آنے پر آتش شوق بھڑک اُٹھے تب ہی یہ ہیئت و انداز زیب دیتا ہے ورنہ سراسر مکروفریب ہوگا۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتشِ شوق تیز تر گردد

غرض جب کوچۂ جاناں کے قریب پہنچے تو۔۔۔ پراگندہ حال بے تاب دل حالتِ زار۔ چشم پرنم۔ میلا کچیلا۔ غبار آلود عاشقانہ صورت مجنونانہ ہیئت کے ساتھ پہنچے کہ عشق و محبت کا یہی دستور ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ "حق سبحانہٗ تعالیٰ اس حاجی کو پسند فرماتے ہیں جس کے بال بکھرے ہوئے ہوں اور کپڑے غبار آلود ہوں۔" ظاہر کی خستہ حالی انسان کے اندرونی سوز و گداز کی ترجمان ہوتی ہے۔ اور زخم خوردہ دل کی تڑپ اور بے قراری کا پتہ دیتی ہے۔

شاید اسی کا نام محبت ہو شفیتہ ایک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی

اور یہی انسانیت کا اصلی کمال اور بندگی کا اعلیٰ مقام ہے کہ انسان فرطِ محبت اور جذبۂ شوق میں اپنے تن من سے بھی غافل و مدہوش ہوجائے۔ اسی لئے یہ حالت زار مرغوب اور پسندیدہ ہے۔ چنانچہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ جب میدان عرفات میں حجاج کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ اور ان کی اس مجنونانہ ہیئت اور عاشقانہ انداز کو دیکھتے ہیں تو تفاخر کے طور پر فرشتوں سے فرماتے ہیں۔

انظروا الی عبادی اتونی شعثاً	میرے بندوں کو دیکھو میرے پاس
غبراً مناجین من کل فج عمیق	ہر طرف سے آئے ہیں۔ بال بکھرے ہوئے
اشہدکم انی قد غفرت لھم	غبار آلود فریاد کرتے ہوئے۔ میں تمکو

گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان سب کو معاف کر دیا

جب عشق و محبت کے امتحان میں کامیاب ہو گئے تو جملہ نعمتوں سے فیض یاب ہو گئے پروانہ معافی اور سند خوشنودگی عطا کر دی گئی۔ ایک مجرم و خطاکار بندہ کے لئے معافی عام اور ایک عاشق مہجور کے لئے محبوب کی خوشنودگی وہ نعمتِ عظمیٰ ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں۔

عاشقوں کا شیوہ اور مستانوں کا ردیہ آہ و فغاں نالہ و فریاد بھی ہوتا ہے۔ کہ اس سے دلِ بے قرار کو ایک گونہ تسکین ہو جاتی ہے ؎

نالہ کر لینے دیں لِلّٰہ نہ چھیڑیں احباب　　ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے

سوزِ جگر۔ دردِ دل۔ آہ و فغاں یہ عشق کے لوازمات اور خصوصی تحفے ہیں ؎

کسی کی یاد نے کیا کیا نئے تحفے دئے ہم کو　　جگر میں ٹیس دل میں درد لب پر آہ و نالے ہیں

اِسی لئے حاجی بھی مستانہ وار لَبَّیْکَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ (میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں تجھ جیسا کوئی بھی نہیں۔ میں حاضر ہوں) چیختا پکارتا　　آہ و واویلا نالہ و فغاں کرتا ہوا دیوانوں کی طرح محبوب کی جستجو میں اس کی خصوصی جلوہ گاہ کی جانب جاتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَلْحَجُّ اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ　　(حج چیخ و پکار اور اراقہ دم (قربانی) کا نام ہے۔)

متعدد احادیث سے ثابت ہے لبیک کا پکار کر آواز سے پڑھنا بار بار پڑھنا ہر اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے پڑھنا مستحسن اور مرغوب ہے۔ خون کا بہانا ایک قربانی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جو درحقیقت اپنی قربانی کا نائب ہے۔ اور اپنی جان

کا فدیہ ہے۔ دوسرا خون کا بہانا آنسوؤں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ کہ یہ حقیقی قربانی اور شیوہ مردانگی ہے سہ

خونِ دل پینے کو ہے لختِ جگر کھانیکو

یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

اسی کرب بے چینی آہ وزاری میں چیختا پکارتا آخر محبوب کے شہر پہنچ جاتا ہے۔ اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوجاتا ہے اور جن حسرتوں اور ارمانوں اور خواہشوں اور آرزؤں کے ساتھ پہنچتا ہے۔ جن جذبات اور کیفیات کو دل میں لئے ہوئے پہنچتا ہے جن مشتاق اور بے تاب نگاہوں سے ہر ہر شے کو دیکھتا ہے اس کی تصویر کاغذ پر نہیں آسکتی سہ

جذبِ دل نے آج کوئے یار میں پہنچا دیا

جیتے جی میں گلشن جنت میں داخل ہوگیا

پھر جب محبوب کے گھر پر نظر پڑتی ہے تو دل بے قابو ہوجاتا ہے۔ عقل مبہوت ہوجاتی ہے۔ کسی ننگ و نام آن و شان کی پرواہ نہیں رہتی اور کسی ضابطہ اور آئین کا پابند نہیں رہتا۔ بے اختیار محبوب کے گھر کا چکر کاٹتا ہے۔ اس کے در و دیوار کو چومتا ہے اس کی چوکھٹ سے آنکھوں کو ملتا ہے اور اس کی چوکھٹ پر اپنی پیشانی کو رگڑتا ہے۔ سہ

امرّ علی الدیار دیار لیلیٰ أُقبّل ذا الجدار و ذا الجدارا

(میں جب لیلیٰ کے شہر پر گذرتا ہوں۔ کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو) سہ پامال کر گیا ہے کوئی دل کو راہ میں ✦ آنکھوں کو مل رہی ہیں کسی نقش پا سے ہم

طواف کعبہ کی ابتداء بھی حجرِ اسود کے بوسہ سے ہوتی ہے۔ جس کو محبوب کے دستِ مبارک کے قائم مقام بنایا گیا ہے۔ اور اس کو بوسہ دینا گویا محبوبؐ کی دست بوسی ہے۔ تاکہ اس انتساب سے دل کی بھڑکی ہوئی آگ کو قدرے تسکین ہو۔ اور ترسی ہوئی نگاہیں قدرے لطف اندوز ہوں۔ محبوب کی دست بوسی کے بعد اس کی جلوہ گاہ کا چکر لگانا۔ فرطِ شوق میں بار بار پلٹنا یا نہ چوگرد گھومنا عشق کا فطری تقاضا ہے۔ جس کی لذّت و حلاوت کا ادراک عاشق مہجور ہی کرسکتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود پر اپنے لبِ مبارک رکھے اور بہت دیر تک رکھے رہے۔ اور چشمِ مبارک سے آنسو جاری تھے۔ اس کے بعد حضور اقدس ؐ نے دیکھا کہ حضرت عمر فاروق رضؓ بھی کھڑے رو رہے تھے حضور اقدس نے ارشاد فرمایا "یہی جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں" ؎

مختصر یہ ہے ہماری داستاں — خود بخود ہیں آنکھ سے آنسو رواں

کعبہ شریف کے پردہ کو پکڑنا آنکھوں سے لگانا۔ بوسہ دینا۔ ربُّ البیت کو بار بار پکارنا بھی اسی عاشقانہ ادا کی ایک جھلک ہے۔ کہ معشوق کے دامن سے وابستگی بھی عشق و محبت کا نرالا انداز ہے ؎

اے ناتواں عشق تجھے حسن کی قسم — دامن کو یوں پکڑ کہ چھڑایا نہ جاسکے

بیت اللہ کی دہلیز کو چمٹنا جسم و جان کو اس در پر قربان کرنا بار بار اس مقدس چوکھٹ کو چومنا اس پر اپنی پیشانی اور سینہ کو رکھنا یہ بھی اسی اندرونی بے قراری کا اظہار ہے۔

ملتزم جو باب کعبہ اور حجرِ اسود کا درمیانی حصہ ہے۔ ایک خصوصی اہم مقام ہے جہاں دُعا سنی جاتی ہے۔ اور التجا قبول ہوتی ہے۔ اسی لئے عاشق ناکام بھی بے قرار ہوکر اس کو چمٹ جاتا ہے۔ اور محبوب کی رضا اور خوشنودی کی التجا پیش کرتا ہے۔ اپنی بے خودی اور بے قراری کا دل کھول کر اظہار کرتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ملتزم سے چمٹ رہے تھے اور اپنے چہرۂ مبارک کو اس سے مَل رہے تھے ؎

آج ارشد کو عجب حال میں دیکھا ہم نے
رو رہا تھا وہ کسی شخص کی دیوار کے پاس

اللہ رب العالمین نے ایک ذرہ خاک بے حیثیت انسان کو شرف باریابی عطا فرمایا اور عاشق مہجور کو خصوصی تجلیات اور انعامات سے نوازا اس شکرانہ میں فریضہ بندگی ادا کرتا ہے اور مقام ابراہیم پر خشوع و خضوع کے ساتھ دو رکعت ادا کرتا ہے۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى
اور بناؤ تم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ۔

یہ دو رکعت بندگی اور عشق و محبت کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں۔ اور دونوں نوع کے تعلقات کا مظہر اتم ہے۔ جن کیفیات اور جذبات کے ساتھ یہ دو رکعت ادا کی جاتی ہیں۔ وہ زندگی کا ماحصل اور عشق کی جان ہے۔

پھر زمزم پر آتا ہے۔ جی بھر کر خوب سیر ہو کر شرابِ شوق نوش کرتا ہے ؎

ترے شیشے میں جو کچھ بھی ہو باقی
الٹ دے میرے پیمانہ میں ساقی

کہ تا اہل ہنر پہ فاش کر دوں
نہیں یہ بیخودی بے اتفاقی

یہ شراب طہور پیمانہ پر پیمانہ پیئے چلا جاتا ہے۔ مستی و دیوانگی زیادہ ہوتی ہے مگر

طبیعت کسی حال سیر نہیں ہوتی پھر مست و دیوانہ عشق و محبت میں سرشار جنگل کی طرف نکل جاتا ہے، کبھی کوہِ صفا پر چڑھتا ہے۔ کبھی کوہِ مروہ پر چڑھتا ہے۔ کہیں دوڑتا ہے۔ لپکتا ہے کہیں آہستہ خراماں چلتا ہے۔ محبوب کی یاد میں سرمست و سرشار ہے کبھی آہستہ آہستہ اس سے مناجات کرتا ہے۔ کبھی بے اختیار از خود رفتہ ہو کر اس کو پکارنے لگتا ہے۔ یہ بھی عشاق کی بے قراری اور حیرانی اور پشیمانی کا ایک دل گداز پُر کیف منظر ہوتا ہے۔ ؎

اب نہیں دل کو کسی صورت قرار اس نگاہِ ناز نے کیا سحر ایسا کر دیا

عاشق شاد کام اسی کرب و بلے چینی میں مبہوت و حیران محبوب کے در پر پڑ جاتا ہے اور اس کے گھر کے بار بار طواف سے دل بے قرار کو تسکین دیتا ہے اور منتظر اور مشتاق رہتا ہے کہ شاید کسی وقت خصوصی التفات اور مخصوص بلاوا آئے بالآخر یہ تمنا بھی پوری ہوتی ہے۔ اور ایک دربار خاص میں عشاق کے مجمع کو جلوہ خاص کی دعوت دی جاتی ہے۔ دیوانوں میں نئی روح پھنک جاتی ہے۔ آتش شوق بھڑک اٹھتی ہے وقت مقررہ سے پہلے ہی جلوہ گاہ کی جانب نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ اور راستہ میں منیٰ میں ٹھہر کر وقت مقرّرہ کا انتظار کرتے ہیں۔ وقت مقررہ پر ذوق و شوق کے ساتھ میدان عرفات پہنچتے ہیں۔ جنگل میں منگل کا نظارہ ہوتا ہے پرستاران حق اور دار فتگان محبت کا پر جوش مجمع ہوتا ہے۔ ہر ایک بے تاب دل پر آشوب چشم جمال یار کا خواہاں اور جویاں نظر آتا ہے۔ یہاں عشق و محبت کی تسکین کا پورا سامان ہوتا ہے۔ محبوب کی جانب سے پورے لطف و کرم ناز و انداز کا اظہار ہوتا ہے۔ ہر نوع کے انعامات اور الطاف

وعنایات کی فراوانی ہوتی ہے۔ اور ہر منہ مانگی مراد پوری کی جاتی ہے۔ شادکام بامراد وہاں سے لوٹتے ہیں۔ مزدلفہ میں پہنچ کر شکر و امتنان کے جذبات پیش کرتے ہیں اور اس لطف و احسان پر شکرانہ بجا لاتے ہیں۔ پھر فرطِ محبت اور وفورِ شوق میں دیوانہ وار منیٰ پہنچ کر شیطانوں کے کنکریاں مارتے ہیں۔ جو محبوب کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ اور وصل حبیب سے مانع ہو رہے تھے۔ اور پھر خوش خوش شاداں و فرحاں محبوب کی قربان گاہ پر قربان ہو جاتے ہیں کہ یہی عشق و محبت کا آخری انجام ہے۔ اور یہی عاشق صادق اور دل بے قرار کی آخری آرزو ہوتی ہے ؎

کسی کی تیغ ہو میرا گلو ہو دل مضطر کی پوری آرزو ہو

اور یہی حسن و کمال اور نور مطلق کی اصلی جذب و کشش ہے کہ اپنے کو اپنے ہی ملائے ع۔ تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اس تعلق عشق و محبت کی تکمیل روزہ کے ذریعہ ہوتی ہے اس لئے کہ بھوک اور پیاس سے نا آشنا اور بے نیاز ہونا یہ عشق و محبت کی پہلی نشانی ہے۔ پہلے بھوک اور پیاس کا خوگر بنا کر قوائے شہوانیہ کو مضمحل کیا جاتا ہے اور نفس کو خلاف طبع امور اور مکارہ کا خوگر بنایا جاتا ہے۔ پھر جب انسان میں پوری صلاحیت اور استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ تو حضرت عشق اپنا جلوہ دکھلاتے ہیں۔ اور ہر ماسوا سے مستغنی اور بے نیاز کر دیتے ہیں۔ جو انسانیت کا اصلی کمال اور انسان کی منتہائی معراج ہے۔

یہ دھندلا سا خاکہ اس عاشقانہ رنگ کا ہے جس کی اصلی تصویر کا غذ پر نہیں

آسکتی اس لئے کہ جذبات اور کیفیات کاغذ پر نمایاں نہیں ہو سکتے۔ ع

کاغذ پر رکھ دیں آہوں کی صدائیں کیونکر

اس عاشقانہ رنگ کو پیدا کرنے کا طریقہ وہ ہے جس کے اشارات شیخ المشائخ قطب دوراں حضرت شبلی قدس سرہٗ کے اس واقعہ میں پائے جاتے ہیں۔ جس کو حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے کتاب فضائل حج میں نقل کیا ہے۔

حضرت شبلی کے ایک مرید حج کر کے آئے تو شیخ نے دریافت فرمایا۔
"تم نے حج کا ارادہ کیا تھا؟"

مرید۔ جی ہاں حج کا پختہ ارادہ کیا تھا۔

شیخ۔ اس کے ساتھ ان تمام ارادوں کو ایک دم چھوڑنے کا عہد کر لیا تھا جو آج تک کئے تھے اور وہ درحقیقت شانِ حج کے منافی تھے۔"

مُرید۔ جی نہیں یہ عہد تو نہیں کیا۔

شیخ۔ تو پھر تم نے حج کا ارادہ ہی نہیں کیا۔

پھر شیخ نے دریافت فرمایا "کیا تم نے احرام کے وقت سلے ہوئے کپڑے نکال دیے تھے؟"

مُرید۔ جی ہاں بالکل نکال دیے تھے۔

شیخ۔ اس وقت اللہ کے سوا ہر چیز کو اپنے سے جُدا کر دیا تھا؟"

مُرید۔ ایسا تو نہیں ہوا"

شیخ۔ تو پھر کپڑے کیا خاک نکالے۔

پھر شیخ نے دریافت فرمایا "وضو اور غسل سے طہارت حاصل کی تھی۔

مُرید۔ جی ہاں بالکل پاک وصاف ہو گیا تھا۔
شیخ۔ اس وقت ہر قسم کی باطنی گندگی اور لغزشوں سے پاکی اور صفائی حاصل ہو گئی تھی؟
مُرید۔ یہ بات تو نہیں ہوئی تھی۔
شیخ۔ پھر پاکی ہی کیا حاصل ہوئی۔
پھر شیخ نے دریافت فرمایا "لبیک پڑھا تھا؟"
مُرید۔ جی ہاں لبیک پڑھا تھا۔
شیخ۔ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے لبیک کا جواب ملا تھا؟
مُرید۔ مجھے تو کوئی جواب نہ ملا۔
شیخ۔ پھر لبیک کیا کہا۔
پھر شیخ نے دریافت فرمایا "کیا حرم محترم میں داخل ہوئے تھے؟
مُرید۔ داخل ہوا تھا۔
شیخ۔ اس وقت ہر حرام چیز کے ترک کا عزم کر لیا تھا؟
مُرید۔ یہ تو میں نے نہیں کیا۔
شیخ۔ تم حرم میں بھی داخل نہیں ہوئے۔
پھر شیخ نے دریافت فرمایا۔ کیا مکہ مکرمہ کی زیارت کی تھی؟
مُرید۔ جی ہاں مکہ مکرمہ کی زیارت کی تھی۔
شیخ۔ کیا اس وقت دوسرے عالم کی زیارت نصیب ہوئی؟
مُرید۔ اس عالم کی تو کوئی چیز نظر نہیں آئی۔

شیخ۔ مکہ مکرمہ کی بھی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔
پھر شیخ نے دریافت فرمایا " کیا مسجد حرام میں داخل ہوئے تھے؟
مُرید۔ جی ہاں داخل ہوا تھا
شیخ۔ اس وقت حق تعالیٰ شانہ کا قرب محسوس ہوا تھا؟
مُرید۔ مجھے تو کچھ محسوس نہیں ہوا۔
شیخ۔ تب تو مسجد حرام میں بھی داخل نہیں ہوا۔
پھر شیخ نے دریافت فرمایا " کیا کعبہ شریف کی زیارت کی تھی؟
مُرید۔ ہاں زیارت کی تھی۔
شیخ۔ وہ چیز نظر آئی جس کی وجہ سے کعبہ محترمہ کا سفر اختیار کیا جاتا ہے؟
مُرید۔ مجھے تو نظر نہیں آئی۔
شیخ۔ تو پھر کعبہ کو نہیں دیکھا۔
پھر شیخ نے دریافت فرمایا " کیا طواف میں رمل کیا تھا یعنی دوڑ کر چلے تھے؟
مُرید۔ جی ہاں کیا تھا۔
شیخ۔ کیا اس بھاگنے میں دنیا سے ایسے بھاگ گئے تھے جس سے تم نے محسوس کیا ہو کہ تم دنیا سے بالکل یکسو ہو چکے ہو؟
مُرید۔ ایسا تو محسوس نہیں ہوا
شیخ۔ تم نے رمل بھی نہیں کیا۔
پھر شیخ نے دریافت فرمایا " کیا حجر اسود پر ہاتھ رکھ کر اس کو بوسہ دیا تھا؟
مُرید۔ جی ہاں ایسا کیا تھا۔

شیخ نے خوف زدہ ہوکر ایک سرد آہ کھینچی اور فرمایا۔ تیرا ناس ہو خبر بھی ہے جو شخص حجرِ اسود پر ہاتھ رکھتا ہے وہ گویا اللہ جل شانہ سے مصافحہ کرتا ہے اور جس شخص سے حق سبحانہ وتعالیٰ مصافحہ کریں وہ ہر طرح سے امن میں ہو جاتا ہے تو کیا تجھ پر امن کے آثار ظاہر ہوئے؟

مُرید۔ مجھ پر تو امن کے آثار کچھ بھی ظاہر نہیں ہوئے۔

شیخ۔ تو نے حجرِ اسود پر ہاتھ ہی نہیں رکھا۔

پھر شیخ نے دریافت فرمایا۔ مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی تھی؟

مُرید۔ جی ہاں پڑھی تھی۔

شیخ۔ اس وقت تو اللہ جل شانہ کے حضور میں ایک بڑے مرتبہ پر پہنچا تھا کیا تو نے اس مرتبہ کا حق ادا کیا؟ اور جس غرض سے وہاں کھڑا ہوا تھا اس کو پورا کر دیا؟

مُرید۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔

شیخ۔ تو پھر تو نے مقام ابراہیم پر نماز ہی نہیں پڑھی؟

پھر شیخ نے دریافت فرمایا۔ کیا سعی کرنے کے لئے صفا پر چڑھا تھا؟

مُرید۔ جی ہاں چڑھا تھا

شیخ۔ وہاں کیا کیا تھا۔

مرید۔ سات مرتبہ تکبیر کہی اور حج کے مقبول ہونے کی دُعا کی تھی۔

شیخ۔ کیا تمہاری تکبیر کے ساتھ فرشتوں نے بھی تکبیر کہی تھی اور اپنی تکبیر کی حقیقت کا تمہیں احساس ہوا تھا؟

مرید۔ نہیں۔
شیخ۔ تم نے تکبیر ہی نہیں کہی
پھر شیخ نے دریافت فرمایا "صفا سے نیچے اترے تھے۔؟
مُرید۔ جی ہاں اترا تھا
شیخ: اس وقت ہر قسم کی علت دُور ہو کر تم میں صفائی آگئی تھی؟
مُرید۔ نہیں۔
شیخ۔ نہ تم صفا پر چڑھے اور نہ اترے۔
پھر شیخ نے دریافت فرمایا "صفا مروہ کے درمیان دوڑے تھے؟
مُرید۔ جی ہاں دوڑا تھا۔
شیخ۔ اس وقت اللہ کے علاوہ ہر چیز سے بھاگ کر اس کی طرف پہنچ گئے تھے؟
مُرید۔ نہیں۔
شیخ۔ تم دوڑے ہی نہیں۔
پھر شیخ نے دریافت فرمایا "مروہ پر چڑھے تھے؟
مُرید۔ جی ہاں چڑھا تھا۔
شیخ۔ تم پر وہاں سکینہ نازل ہوا اور اس سے وافر حصہ حاصل کیا؟
مُرید۔ نہیں۔
شیخ۔ تو تم مروہ پر چڑھے ہی نہیں۔
پھر شیخ نے دریافت فرمایا: "منیٰ گئے تھے"؟

مُرید - جی ہاں گیا تھا۔

شیخ - وہاں اللہ جل شانہٗ سے ایسی امیدیں بندھ گئی تھیں جن میں معاصی کا شائبہ نہ ہو۔

مُرید - نہیں۔

شیخ - تو تم منی ہی نہیں گئے۔

پھر شیخ نے دریافت فرمایا - مسجد خیف میں (جو منی میں ہی) داخل ہوئے تھے؟

مُرید - جی ہاں داخل ہوا تھا۔

شیخ - اس وقت اللہ جل شانہٗ کے خوف کا اس قدر غلبہ ہو گیا تھا جو اس وقت کے علاوہ کبھی نہ ہوا ہو۔

مُرید - نہیں

شیخ - تو تم مسجد خیف میں داخل نہیں ہوئے۔

پھر شیخ نے دریافت فرمایا - عرفات کے میدان میں پہنچے تھے؟

مُرید - جی ہاں حاضر ہوا تھا۔

شیخ - وہاں اس چیز کو پہچان لیا تھا کہ دنیا میں کیوں آئے اور کیا کیا۔ اور اب کہاں جانا ہے۔ اور ان حالات پر متوجہ کرنے والی چیز کو پہچان لیا تھا۔

مُرید - نہیں۔

شیخ - تو پھر عرفات بھی نہیں گئے۔

پھر شیخ نے فرمایا: "مزدلفہ گئے تھے۔"

مُرید - جی ہاں گیا تھا۔

شیخ - وہاں اللہ جل شانہ کا ایسا ذکر کیا تھا جو اس کے ماسوا کو دل سے بھلا دے؟
مرید - ایسا تو نہیں ہوا۔
شیخ - تو پھر مزدلفہ نہیں پہنچے۔
پھر شیخ نے دریافت فرمایا - منیٰ میں جا کر قربانی کی تھی؟
مرید - جی ہاں کی تھی۔
شیخ - اس وقت اپنے نفس کو ذبح کر دیا تھا؟
مرید - ایسا تو نہیں کیا۔
شیخ - تو پھر تم نے قربانی نہیں کی۔
پھر شیخ نے دریافت فرمایا - رمی کی تھی یعنی شیطانوں کے کنکریاں ماری تھیں۔
مرید - جی ہاں کی تھی۔
شیخ - ہر کنکری کے ساتھ سابقہ جہالت کو پھینک کر کچھ علم کی زیادتی محسوس ہوئی؟
مرید - نہیں۔
شیخ - تو رمی بھی نہیں کی۔
پھر شیخ نے دریافت فرمایا طواف زیارت کیا تھا؟
مرید - جی ہاں کیا تھا۔
شیخ - اس وقت کچھ حقائق منکشف ہوئے تھے اور اللہ جل شانہ کی طرف سے تم پر اعزاز و اکرام کی بارش ہوئی تھی اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ حج اور عمرہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے والا ہے۔

اور جس کی زیارت کو کوئی جائے اس پر حق ہو کہ اپنے زائرین کا اعزاز واکرام کرے۔

مُرید۔ مجھ پر تو کچھ بھی منکشف نہیں ہوا۔

شیخ۔ تم نے طواف زیارت بھی نہیں کیا۔

پھر شیخ نے فرمایا: "تم احرام سے حلال ہوئے تھے؟

مُرید۔ جی ہاں ہوا تھا۔

شیخ ہمیشہ کے لئے اس وقت حلال کمائی کا عہد کر لیا تھا؟

مُرید۔ نہیں۔

شیخ۔ تم حلال بھی نہیں ہوئے۔

پھر شیخ نے دریافت فرمایا۔ وداعی اور رخصتی طواف کیا تھا؟

مُرید۔ جی ہاں کیا تھا۔

شیخ۔ اس وقت اپنے تن من سب کو وداع اور رخصت کر دیا تھا۔

مُرید۔ نہیں۔

شیخ۔ تم نے طواف وداع بھی نہیں کیا۔

پھر شیخ نے فرمایا: "دوبارہ حج کو جاؤ۔ اور اس طرح حج کر کے آؤ جس طرح میں نے بیان کیا ہے۔

حضرت شبلی قدس سرہٗ کے ان مبارک ارشادات میں اجمالی اشارات ہیں۔ ان جذبات اور کیفیات کی جانب جو ارکانِ حج کو ادا کرتے وقت حج کرنے والے میں موجود ہونے چاہئیں۔ اس لئے کہ بغیر ان جذبات اور کیفیات کے ارکان حج کو ادا کرنا خالی چلنا پھرنا اور محض شور و شغب ہے جو حقیقت سے

سے بہت بعید ہے۔ حق تعالیٰ اس حقیقی حج کا ذائقہ عطا فرما دیں۔ آمین۔
یہ عاشقانہ ادائیں۔ جن کو حج کرنے والا بجا لاتا ہے۔ اور ان کے ذریعہ اپنی دیوانگی اور ویرانگی کا صحیح منظر پیش کرتا ہے۔ اپنے عشق و محبت کا پورے طور پر مظاہرہ کرتا ہے۔ ان سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ عشق و محبت میں شرع و آئین سے بالکل آزاد ہو گیا۔ بلکہ اس مجنونانہ حالت میں بھی وہ شریعت کا پورے طور پر پابند ہے۔ اور خلاف شرع جو حرکت بھی اس سے سرزد ہوگی، وہ قابل مواخذہ اور سرزنش ہوگی۔ یہاں بھی جوش میں سراسر ہوش کی ضرورت ہے۔ ان عاشقانہ رنگ رلیوں کے لئے بھی پورے قوانین اور ضوابط موجود ہیں۔ اور ہر ایک کام کی حدود مقرر ہیں۔ جن سے یکسر موتجاوز الحاد و بے دینی ہے۔ شعائر حج انہیں اداؤں کو بنایا گیا ہے۔ جو انبیا، مقبولین اور عاشقان صادقین سے فرط محبت میں سرزد ہوئیں اور صرف انہیں حدود تک ان کو محدود رکھا گیا جس حد تک ان کا ثبوت تھا۔ پس حج عشق و محبت کا مظاہرہ بھی ہے۔ اور عاشقین اور محبین کا اتباع اور پیروی بھی ہے۔ اور یہی شریعت محمدیہ کا کمال ہے۔ کہ اس نے انسان کے جذبۂ عشق و محبت کو کچلا اور دبایا نہیں۔ بلکہ اس کو اکسایا اور ابھارا ہے اور اس کے صحیح اصول مقرر کر کے اس کو بندگی کے دائرہ میں داخل کر دیا اور شریعت مطہرہ کا ایک جزو اہم بنا دیا۔

سفر آخرت کی یاد دہانی

دنیا کی زندگی اور یہاں کی بود و باش تھوڑے عرصہ کے لئے ہے اس کے بعد

آخرت کی زندگی شروع ہو گی جو اصل زندگی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہیں رہنا ہے
یہ دنیا اصل قیام گاہ نہیں بلکہ محض ایک گذر گاہ اور درمیانی ایک منزل
ہے۔ ؎ زندگی کا نام ہے ایک وقفہ کا یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

سفر حج درحقیقت اسی سفر آخرت کی یاد دہانی ہے تاکہ آنے والی
کٹھن مشکلات کے لئے انسان پہلے سے مستعد اور تیار ہو جائے۔ اور ایک بار
کے سفر سے دوسرے سفر کا عادی اور خوگر بن جائے پھر اصلی سفر سہل اور
آسان ہو جائے ورنہ جو شخص کبھی گھر اور وطن سے نہ نکلا ہو۔ اس کو ایک
دم گھر بار چھوڑ کر دوسرے دیس کا سفر بہت زیادہ کٹھن اور دشوار معلوم
ہوتا ہے ؎

خوگر ہو جاتا ہے انسان آفتیں سہنے کے بعد
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ مجھ پر آسان ہو گئیں

اسی لئے سفر حج کے ہر ہر موقعہ پر سفر آخرت کا ایک نمونہ موجود ہے۔

حج کے ارادے سے جس وقت گھر اور وطن سے نکلتا ہے تو تمام
عزیز و اقارب دوست احباب کو وطن کی ساری چیزوں اور راحتوں کو
چھوڑ کر پردیس کا رُخ کرتا ہے اسی طرح مرنے والا مرنے کے وقت سب کچھ
چھوڑ کر آخرت کا رخ کرتا ہے۔ دونوں مسافر مسرور و شاداں و فرحاں
نظر آتے ہیں۔ ایک بیت اللہ کی جانب جا رہا ہے۔ تو دوسرا رب البیت
کے حضور میں حاضر ہو رہا ہے۔ نہ اس کو کوئی غم اور رنج و فکر اور نہ اس کو
اب تک جس پروردگار کے انعامات سے سرفراز تھے اب خود اسی رب العالمین

کے دربار میں باریابی ہی۔

حج کو روانگی کے وقت یہی چیز قابلِ غور وفکر اور قابلِ عبرت ہی کہ جیسا آج عارضی مدت کے لئے یہ سب کچھ چھوٹ رہا ہی۔ بہت جلد وہ وقت بھی آنے والا ہی کہ ہمیشہ کے لئے یہ سب چیزیں چھوٹ جائیں گی۔ پس چھوٹنے والی عارضی چیزوں سے دل بستگی اور وابستگی بے سُود اور بیکار ہے اور خلاف عقل ودانش ہی۔ پھر سواری پر سوار ہونا جنازہ پر سوار ہوکر چل دینے کی یاد کو تازہ کرتا ہی۔ مسافر جوں جوں آگے بڑھتا ہی وطن کی علامات اور آثار دور ہٹتے جاتے ہیں۔ اسی طرح جنازہ لے جانے والے بھی اس کو تمام مالوفات اور محبوبات سے دور کرتے رہتے ہیں اور ایک غیر مانوس مقام کی جانب لے جاتے ہیں۔ مسافرِ حج کو رخصت کرنے والے عزیز واقارب اور احباب میں کوئی اس کو گھر سے رخصت کرتا ہی کوئی اسٹیشن تک پہنچاتا ہی کوئی کچھ دور اور ساتھ جاتا ہی۔ بالآخر اس کو خدا کے حوالے کرکے سب چلے آتے ہیں۔ اس کے پاس صرف اس کا وہ سرمایہ ہوتا ہی جو اس سفر کے لئے اس نے جمع کیا تھا۔ اب اس سرمایہ کی بدولت اسے پردیس میں ہر قسم کا راحت وآرام میسّر آتا ہی۔ اگر سرمایہ اور زادِ راہ پاس نہ ہو تو سخت حیرانی اور پریشانی اٹھانی پڑتی ہی۔

اسی طرح عزیز واقارب اور احباب یکے بعد دیگرے مرنے والے کو چھوڑتے جاتے ہیں اور صرف قبر تک جنازہ کا ساتھ دیتے ہیں اور خدا کے حوالے کرکے سب رخصت ہوجاتے ہیں۔ اب نیکیوں کا جس قدر سرمایہ اس کے

پاس ہوتا ہی۔ وہی اس کے کام آتا ہی۔ اور اسی کے ذریعہ ہر نوع کا راحت و آرام پاتا ہی۔ اگر خالی ہاتھ آیا ہی تو سخت حیرانی اور پریشانی میں مبتلا ہوتا ہی اور انتہائی مجبور و ناچار بے یار و مددگار ہوتا ہی۔

مسافر حج کو راستہ میں جو کچھ دقّت و پریشانی لاحق ہوتی ہی۔ وہ سرمایہ کی قلت کی وجہ سے پیش آتی ہے اور بے چارہ کو قدم قدم پر حکام اور عمال اور مفتشین پریشان کرتے ہیں۔ اگر سرمایہ وافر ہو اور اپنا دامن بھی صاف ہو تو نہ کوئی دقّت و پریشانی ہی اور نہ کسی قسم کا خوف اور کھٹکہ۔ اسی طرح مسافر آخرت کو بھی جو کچھ دقّت و پریشانی لاحق ہوتی ہی۔ وہ سرمایۂ اعمال اور دولت ایمان کی کمی کی وجہ سے پیش آتی ہی۔ اور قدم قدم پر بازپرس ہوتی ہی۔ اگر ایمان کی دولت اور اعمال حسنہ کا سرمایہ کافی موجود ہو تو نہ کسی قسم کی بازپرس اور نہ کوئی خوف و کھٹکہ بلکہ ہر ہر قدم پر خیر مقدم اور شاندار استقبال ہوتا ہی۔

احرام کی دو چادریں۔ کفن کی دو چادروں کی یادگار ہیں۔ پس جب تک بھی احرام باندھے رہے اپنے کو ایک بے جان لاشہ تصوّر کرتا رہے۔ اور اس منظر کو پیش نظر رکھے کہ دنیا سے جاتے وقت اس کا دنیوی اثاثہ کل دو چادریں ہوں گی باقی ساری مال و دولت دوسروں کی ہوگی۔

احرام باندھنے کے بعد بار بار لبیک (حاضر ہوں حاضر ہوں) پکارنا یاد دہانی کرتا ہی اس حاضری کی جو روز محشر منادی حق کی آواز پر ہوگی۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

یومئذٍ یتبعون الداعی لاعوج لہ — اس دن سب کے سب پکارنے والے فرشتہ کے کہنے پر ہولیں گے۔

مکہ مکرمہ میں داخل ہونا۔ جو مرکز لطف وکرم اور دارالامن ہے۔ لیکن اپنی بد اعمالیوں کی بدولت غیظ وغضب اور عتاب کا بھی اندیشہ رہتا ہے۔ گویا دارِ آخرت کا داخلہ ہے جہاں بیم ورجا کے ساتھ انسان پہنچتا ہے اور صرف مولیٰ کے رحم وکرم پر نظر ہوتی ہے۔

بیت اللہ کی ذوق وشوق کے ساتھ زیارت آخرت میں دیدار خداوندی کی سعادت کو یاد دلاتی ہے جس کے بعد ساری کلفتیں اور مشقتیں کافور ہوجاتی ہیں۔ اور انسان جلوۂ محبوب اور حسن ازلی کی دید میں مست ودیوانہ ہوجاتا ہے۔ اور پروانوں کی طرح دیوانہ وار اس جلوہ گاہ کا طواف کرنے لگتا ہے جیسا کہ فرشتے عرش الٰہی کا طواف کرتے رہتے ہیں۔ پھر بیت اللہ کے پردے اور دیواروں سے لپٹ کر رونا اور اپنی بداعمالیوں پر پشیمان ہونا یاد دلاتا ہے اس منظر کو جب روزِ حشر بارگاہِ خداوندی میں حاضری ہوگی اور اپنی بداعمالیوں پر پشیمانی اور حیرانی ہوگی۔ اور بارگاہِ خداوندی میں آہ وزاری اور عذر خواہی ہوگی۔ آخرت میں پشیمانی اور حیرانی اور تمام آہ وزاری بے سود اور بیکار ہوگی اور یہاں کی پشیمانی اور حیرانی اور ندامت وشرمندگی سودمند اور کارآمد ہوگی۔ جو یہاں عفو تقصیرات کے لئے رولیا وہ وہاں سدا ہنستا ہی رہے گا۔ اور ہمیشہ خوش و

خرم رہے گا۔

صفا اور مروہ کے درمیان پریشان حال پھرنا اس پریشان حالی کو ظاہر کرتا ہے جو قبروں سے نکلنے کے بعد لاحق ہوگی اور ہر شخص حیران و پریشان ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے

یخرجون من الاجداث کانھم جراد منتشر — قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے گویا کہ وہ ٹڈی دل ہے جو پراگندہ ہے۔

اسی پریشانی اور حیرانی میں انبیاء کرام کے پاس جائیں گے اور سفارش کی درخواست کریں گے۔ تمام انبیاء کرام اس خدمت سے معذوری ظاہر فرمائینگے بالآخر شفیع المذنبین خاتم النبیین والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام اس خدمت کو انجام دیں گے اور بارگاہ رب العزت میں مخلوق کی سفارش فرمادینگے اور اس سفارش کو باریابی عطا ہوگی۔

اسی پریشانی اور حیرانی اور مارے مارے دربدر پھرنے کا منظر صفا اور مروہ کے درمیان کی دوڑ دھوپ پیش کرتی ہے۔

عرفات کا میدان اور وہاں کا اجتماع تو حشر کے میدان اور وہاں کے اجتماع کا پورا نمونہ اور صحیح نقشہ ہے۔ ایک لق و دق میدان میں مختلف طبقات انسانی کا اجتماع پھر آفتاب کی تمازت گرمی کی شدت آب و دانہ کی قلت جگہ کی غیر موانست اور ہر شخص کی جداگانہ حیرانی اور پریشانی۔ کبھی مغفرت کی امید کبھی معاصی کا خوف کبھی رحم و کرم کی درخواست کبھی عفو تقصیرات کی التجا۔ غرض اسی بیم و رجا کی حالت میں سارا وقت

گذرتا ہی۔ اور یہی سب امور میدان حشر میں بھی پیش آنے والے ہیں۔

حق سبحانہ وتعالیٰ نے ازل میں تمام بنی نوع اِنسان کی ارواح کو پیدا فرماکر ان سے دریافت فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں) سب نے بالاتفاق کہا بَلیٰ (ہاں ضرور)

مشکوٰۃ شریف کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ عہد و میثاق عرفات کے میدان میں ہوا تھا۔ (فضائل حج)

پس یہ عرفات کا اجتماع اس عہد و میثاق کی تجدید اور توثیق کے لئے ہوتا ہی۔ اور میدانِ حشر میں بھی اسی عہد و میثاق کی تحقیق و تفتیش ہوگی تو جیساکہ میدان حشر میں پوری زندگی اور تمام اعمال وکردار اور رجحانات اور خیالات کے متعلق بازپرس اور تحقیق ہوگی کہ آیا وہ بندگی اور اطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ گذرے یا سرکشی اور نافرمانی میں اور انسان کو ہرایک بات کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ اسی طرح میدان عرفات میں بھی ضروری ہی کہ اپنی سابقہ زندگی کا پورے طور پر جائزہ لے۔ اور ہر ہر چیز کی تحقیق کرے کہ آیا بندگی کے دائرہ میں تھی یا باہر۔ اگر اب تک کی زندگی بندگی کے مطابق نہیں گذری تو ندامت وشرمندگی کے ساتھ اس کوتاہی پر توبہ واستغفار کرے۔ اور آئندہ کے لئے پھر اس عہد و میثاق کی تجدید وتوثیق کرے اور اس پر ثبات اور اِستقلال کی اِستدعا اور التجا پیش کرے۔

آخرت کا سفر پیش آنا ہی اور ہر شخص کو لامحالا وہاں جانا ہے۔

اس جہاں میں اگرچہ ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ لیکن وہاں کسب اور محنت کا دستور نہیں۔ انسان یہاں سے جو کچھ کما کرلے جائے گا۔ وہی وہاں کا ذخیرہ ہوگا۔ اور اسی سے وہاں منتفع ہوگا۔ الدنیا مزرعۃ الاخرۃ (دنیا آخرت کے لیے جائے کاشت ہے) اور اس کھیت کی کاشت یہی ہے کہ یہاں جو بھی وقت گذرے وہ بندگی اور اطاعت و فرمانبرداری میں گذرے۔ جو بھی زندگی کے لمحات بندگی کے خلاف گذریں گے وہ انجام کار خسارہ اور وبال جان ہوں گے۔ اللھم وفقنا لما تحب و ترضی واجعل آخرتنا خیراً من الاولیٰ آمین

حج کی فرضیت اور اہمیت

حقیقی زندگی بندگی کے ساتھ وابستہ ہے۔ زندگی بے بندگی سراسر گندگی اور شرمندگی ہے۔ ع

زندگی بے بندگی شرمندگی ست

اور بندگی کا صحیح ذوق اللہ اور رسول کے عشق و محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ جس قدر اس عشق و محبت میں خامی ہوگی اسی قدر ادائے بندگی میں بھی کوتاہی اور دشواری ہوگی۔ پس بندگی کا سارا دارو مدار عشق و محبت پر ہے۔ اور عشق الٰہی کی آگ بیت اللہ سے سلگتی ہے۔ یہیں سے عشق و محبت کے شعلے بھڑکتے ہیں اور یہیں عشق و محبت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اسی لیے حج بیت اللہ اسلام کا اہم رکن اور بندگی کا اعلیٰ شعبہ ہے۔ چنانچہ حکم خداوندی ہے۔

(۱) وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ؕ

اور اللہ جل شانہ کے (خوش کرنے کے) واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان (یعنی بیت اللہ) کا حج (فرض) ہے اس شخص کے ذمہ جو وہاں جانے کی سبیل رکھتا ہو اور جو منکر ہو تو (اللہ جل شانہ کا کیا نقصان ہی) اللہ تعالےٰ تمام جہانوں سے غنی ہیں (انکو کیا پروا)

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت حسن اور حضرت عطار سے منقول ہے کہ کفر سے مراد حج کی اہمیت اور فرضیت کا انکار ہے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ حج کی استطاعت ہوتے ہوئے بھی بغیر حج کئے مرجانا فریضۂ حج کے ساتھ کھلا کفر ہے (نزھہ)

علمار کا بیان ہی۔ کہ حج کی فرضیت کی ابتدار اسی آیۃ کریمہ سے ہوئی آیۃ کریمہ میں انتہائی تاکید کے ساتھ حج بیت اللہ کو لازم اور ضروری قرار دیا گیا اور آخر میں یہ بھی تبلا دیا گیا کہ اب بھی اگر کوئی شخص حج کی ضرورت اور فرضیت کا انکار کرے تو اللہ رب العزّت کو کسی کی پروا نہیں وہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ اس کو کیا پروا ہو سکتی ہی۔ اس انکار کو کفر کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ اس لئے کہ یہ نفس کی پوری سرکشی اور گمراہی پر مبنی ہی۔ اور بے تعلقی کا کھلا ثبوت ہی۔ اسی لئے اللہ رب العالمین کو اس سرکش و گمراہ بے تعلق انسان سے پورا اعراض ہوگا۔ اور اس کی جانب

ذرہ بھر توجہ اور التفات نہ ہوگا۔ جو قانون عشق کی سب سے اہم سزا ہے۔

اور اس ذلت و رسوائی اور بے التفاتی کے منظر کو روز محشر برملا نمایاں کیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص تندرست اور صاحب استطاعت ہونے کے باوجود بغیر حج کیے مر جائے قیامت میں اس کی پیشانی پر لفظ کافر لکھا ہوگا۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمر نے آیتہ مذکورہ تلاوت فرمائی۔ (فضائل حج)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایھا الناس قد فرض علیکم الحج فحجوا فقال رجل اکل عام یا رسول اللہ فسکت حتی قالھا ثلاثا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو قلت نعم لوجبت ولما استطعتم ثم قال ذرونی ما ترکتکم فانما ھلک من کان قبلکم بکثرۃ سوالھم واختلافھم علی انبیائھم فاذا امرتکم بشئ فاتوا منه ما

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطاب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے پس تم حج ادا کرو۔" ایک شخص نے عرض کیا۔ کیا ہر سال یا رسول اللہ! حضور اقدس صلعم نے سکوت اختیار فرمایا۔ اس شخص نے تین بار یہی سوال کیا۔ پھر حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج فرض ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے پھر ارشاد فرمایا جو کچھ میں مجمل چھوڑ دوں تم اس کو اسی حال پر چھوڑ دیا کرو تم سے

استطعتم و اذا نهیتکم عن شئ فدعوہ۔ (انزہبتہ عن مسلم)	پہلے لوگ کثرت سوال اور انبیاء سے اختلاف ہی کے باعث ہلاک و برباد ہوئے پس جس بات کا میں تم کو حکم کردوں اسکو بقدر طاقت بجا لاؤ۔ اور جس بات سے منع کروں اس کو چھوڑ دو۔

ارشاد نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کی اہمیت اور ضرورت کا اصلی مقتضیٰ تو یہی تھا کہ ہر مومن پر ہر سال حج فرض ہوتا مگر اس سے امت مرحومہ سخت دشواری اور تنگی میں مبتلا ہو جاتی۔ اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار سوال پر سکوت فرمایا پھر ارشاد فرمایا۔ ہر سال فرض نہ ہونے کی وجہ امت مرحومہ کے ساتھ سہولت اور ان کی عدم استطاعت ہے۔

یہاں بندگی کا اصلی گر بھی بیان فرما دیا گیا۔ اور تبلا دیا گیا کہ حقیقی بندگی یہ ہے کہ ہر حکم کا بے چوں وچرا اتباع اور پیروی کی جائے۔ جس بات کو کرنے کے لئے کہہ دیا اس کو بقدر طاقت بجا لائے اور جس بات کو منع کر دیا اس سے رک جائے۔ اس لئے کہ احکام خداوندی میں چوں وچرا کرنا ان میں کمی بیشی کی جستجو کرنا بندگی کے خلاف ہے۔ اور ہلاکت و بربادی کی راہ ہے۔ اسی بات نے پہلی امتوں کو ہلاک و برباد کیا اور یہی خصلت امۃ مرحومہ کو برباد کرے گی اللّٰھم احفظنا عن درک الشقاء وسوء القضاء آمین

(۲) وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ	اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو (اس اعلان سے) لوگ تمہارے پاس

مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ۔

(یعنی تمہاری اس عمارت کے پاس حج کے لئے) چلے آئیں گے پاؤں چل کر بھی اور ایسی اونٹنیوں پر سوار ہو کر بھی جو دور دراز کے سفر کی وجہ سے دُبلی ہو گئی ہوں) تاکہ یہ آنے والے اپنے منافع حاصل کریں۔

آیۃ کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہے کہ لوگوں میں حج کا اعلان کر دو تاکہ وہ دور دراز اور کٹھن و دشوار گذار راستوں سے یہاں پہنچیں بیت اللہ کا حج ادا کریں اور یہاں کے منافع کو حاصل کریں۔

منافع سے کیا مُراد ہے؟ اس میں علماء مفسرین کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں۔ منافع سے مغفرت عام مُراد ہے۔ اور منافع اخروی مقصود ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں۔ تجارت وغیرہ دینوی منافع مقصود ہیں۔ لیکن حضرت مجاہد اور حضرت عطاء فرماتے ہیں" کہ منافع عام ہیں دینوی منافع کو بھی اور اخروی منافع کو بھی۔"

حج سے دونوں منافع حاصل ہوتے ہیں۔ اخروی منافع اصل اور مقصود ہوتے ہیں۔ اور انہی کی خاطر بندگان خدا کو بلایا جاتا ہے ضمناً اور تبعاً بیشمار دینوی منافع بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ جو اگرچہ فی نفسہٖ اہم مقاصد ہوں مگر اخروی منافع کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ امام اعظم رضؓ حج ادا کرنے سے قبل دیگر

عبادات کو افضل قرار دیتے تھے۔ لیکن حج کرنے کے بعد حج کی خصوصیات اور منافع کا مشاہدہ کیا تو حج کی افضیلت کے قائل ہوگئے۔

شیخ ابو شیعب السقا۔ شہر نیشا بور سے حج کا ارادہ کرتے تھے اور وہیں سے احرام باندھ لیتے تھے پھر ہر میل پر دو رکعت پڑھتے ہوئے سفر طے کرتے تھے۔ لوگوں نے ان سے اس مشقت اٹھانے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ چاہیئے کہ اپنے (حج کے) منافع کو حاصل کریں۔) اور میرے حج کے منافع یہ ہیں۔

گناہوں اور لغزشوں کی وجہ سے انسان کی روح میں گندگی اور پراگندگی پیدا ہوجاتی ہے۔ جس کی وجہ سے آخرت کی زندگی تو تباہ اور برباد ہوتی ہے دنیا میں بھی لطفِ زندگی سے محروم ہوجاتا ہے۔ اور حقیقی چین اور سکون واطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ ہر وقت پراگندہ خاطر اور مضطرب وپریشان رہتا ہے۔ حج ان تمام گناہوں کے اثرات اور نشانات کو کھو دیتا ہے اور انسان کو ایسا پاک وصاف کر دیتا ہے کہ گویا آج ہی پیدا ہوا ہے اور ہر نوع کے برے اثرات سے مامون ومحفوظ ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے۔

وان الحج یھدم ما کان قبلہ اور بے شک حج مٹا دیتا ہے سابقہ بُرے اثرات کو۔ فضائل عن عمرو بن عاص

گناہوں اور گندگیوں کے تمام اثرات اور نشانات جب مٹ گئے

اور اب تک کی لغزشوں اور خطاؤں کو یک قلم معاف کر دیا گیا تو انسان اپنی اصلی فطرت پر لوٹ آیا۔ اور ایک نومولود بچہ کی طرح معصوم اور گناہوں سے پاک و صاف ہو گیا ارشاد نبوی ہے۔

من حج لله فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه (متفق علیہ مشکوٰۃ)

جو شخص اللہ کی رضا کے لئے حج کرے اور ہر قسم کی بیہودگی اور نافرمانی سے بچے وہ ایسی حالت میں حج سے لوٹتا ہے کہ گویا آج ہی پیدا ہوا ہے۔

ارشاد گرامی سے معلوم ہوتا ہے کہ حج ادا کرنے والا ایک نوزائیدہ بچہ کی طرح معصوم ہو جاتا ہے۔ اور اس کی طبیعت پر سے سارے خارجی بدنما اثرات صاف ہو کر فطرت سلیمہ کے موافق ہو جاتی ہے۔

اب جب کہ سابقہ زندگی کی ساری گندگی پاک و صاف ہو گئی تو ایک نئی زندگی کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ جو سابقہ زندگی سے بالکل مختلف اور جدا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب حج کرنے والا ارکان حج کی ادائیگی سے فارغ ہوتا ہے تو ملائکہ اس کا استقبال کرتے ہیں اور اس کو بشارت سناتے ہیں کہ گندگیوں کا سابقہ دور ختم ہو چکا اب از سر نو پاک بازانہ زندگی شروع کر دو۔

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب ایک روز صفا و مروہ کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک قافلہ اونٹوں پر آیا اور اتر کر بیت اللہ کا طواف کیا پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ حضرت عمر نے دریافت فرمایا۔

"تم کون لوگ ہو؟ انھوں نے عرض کیا عراق کے رہنے والے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا۔" یہاں کیسے آنا ہوا؟ انھوں نے عرض کیا۔" حج ادا کرنے کے لئے۔"

حضرت عمرؓ نے پھر دریافت فرمایا۔" کوئی اور دینوی غرض تو شامل نہیں؟ انھوں نے عرض کیا۔" نہیں۔"

حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا۔" اب نئی زندگی کا آغاز کرو اس لئے کہ سابقہ گندگیاں دور ہو چکیں اور ساری خطائیں معاف ہو گئیں۔"

البتہ یہ سارے اثرات اس حج پر مرتب ہوتے ہیں جو درحقیقت حج ہو اور حج کی طرح ادا کیا گیا ہو۔ درحقیقت حج وہی ہے جو صرف اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے کیا گیا ہو اور ربّ کریم کے دربار کی حاضری سے مقصود محض مولیٰ کی بارگاہ کی حضوری اور رضا اور خوشنودگی ہو دیگر اغراض اور منافع کی ذرّہ برابر آمیزش اور آویزش نہ ہو۔ اور حج ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر نوع کی بیہودگی سے بالکلیہ اجتناب اور احتراز ہو اور مجسمہ بندگی اور اطاعت فرمانبرداری ہو۔ چنانچہ ارشاد نبوی میں ان تینوں امور کو صراحت کے ساتھ ذکر کر دیا گیا۔ اول یہ کہ حج صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ کوئی دوسری غرض شامل نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اثنائے حج میں کسی قسم کی لغو اور بیہودہ بات سرزد نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ کسی قسم کی حکم عدولی نہ ہو۔ اور سراسر اطاعت و فرمانبرداری ہو۔

ہر مسلمان حج خدا ہی کے لئے کرتا ہے۔ لیکن غیر شعوری طور پر مختلف

اغراض کی آمیزش اس کو محض خدا کے لئے رہنے نہیں دیتی۔ اور حقیقت حج سے بعید کر دیتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ان تمام اغراض کو ذکر کیا گیا ہے۔ جو حقیقی حج کے منافی ہیں۔ اور حج کے اصلی منافع اور ثمرات سے محروم کر دیتی ہیں۔ ارشاد نبوی ہے" قیامت کے قریب میری امت کے امراء اور رؤساء سیر و تفریح کی غرض سے حج کریں گے اور میری امت کا متوسط طبقہ تجارت اور دنیوی منفعت کی غرض سے حج کرے گا۔ اور علماء اور دیندار ریا اور شہرت کی غرض سے حج کریں گے۔ اور غرباء بھیک مانگنے اور روپیہ جمع کرنے کی غرض سے حج کو جائیں گے۔

یہی وہ اغراض ہیں جو حج کو حقیقت سے دور کرتی ہیں۔ اور جب حج ہر دنیوی غرض سے پاک ہو۔ تو وہ حقیقی حج ہے۔ جو انسان کی کایا کلپ کرتا ہے۔ اور اس کو نئی زندگی اور نئی روشنی عطا کرتا ہے۔ اور جب یہ نئی زندگی حاصل ہو جاتی ہے تو لازمی طور پر آخرت کی خوشگوار زندگی بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ اور جیسا معصوم پاک و صاف جنت الفردوس سے آیا تھا۔ ویسا ہی معصوم اور پاک و صاف جنت الفردوس میں داخل ہو جائے گا۔ جیساکہ ارشاد نبوی ہے۔ الحج المبرور لیس له جزاء الا الجنة حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ)

یعنی جیساکہ یہاں پوری زندگی فطرت کے موافق ہوگئی اور سنور گئی تو ایسے ہی وہاں بھی پوری خوشگواری کی زندگی نصیب ہوگی۔ اور ہمیشہ ہمیشہ نعماء جنّت میں سرشار رہے گا۔ جنت الفردوس کی بُود و باش کے

علاوہ اور کوئی شے حج مبرور کا بدل ہو بھی نہیں سکتی۔ حج مبرور کیا ہے۔؟ اس کے متعلق خود صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لوگوں کو کھانا کھلانا اور کثرت سے سلام کرنا۔"

حضرت جابر سے مروی ہے۔ حج مبرور یہ ہے کہ "لوگوں کو کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا۔"

اور دونوں کا ماحصل یہ کہ امور خیر میں فیاضی اور فراخ دلی ہو اور حسن معاشرت اور حسن اخلاق کا پورا مظاہرہ ہو۔ اور یہ بات اسی وقت نصیب ہو سکتی ہے جب کہ حج کی سابقہ شرائط کی پوری پابندی ہو گی۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے۔ کہ حج مبرور وہ ہے۔ جو ہر نوع کی معصیت اور نافرمانی سے خالی ہو۔ اور یہی حج مقبول ہے۔

یہ پوری زندگی میں انقلاب عظیم کوئی معمولی نعمت و سعادت نہیں۔ کہ اس کی ناقدری کی جائے اور جس کی ضرورت اور اہمیت سے روگردانی کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر قدرت استطاعت کے باوجود حج کی ادائیگی سے قاصر رہا تو یہ کھلی شقاوت اور صاف بغاوت ہے۔ اور اس شقی اور باغی انسان کو اسلام اور ایمان کے حقیقی ذائقہ سے دور کا بھی واسطہ اور مطلب نہیں رہا۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

من ملك زاداً وراحلة تبلغه الى بيت الله ولم يحج فلا — جو شخص توشہ اور سواری رکھتا ہو جو اس کو بیت اللہ تک پہنچا سکے پھر بھی

علیه ان یموت یهودیاً او نصرانیاً ذلك ان الله تبارك وتعالیٰ یقول و لله علی الناس حج البیت من استطاع الیه سبیلا (فضائل عن مشکوٰۃ)

حج ادا نہ کرے تو کوئی فرق اس بات میں نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔ پھر حضور اقدس نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ و لله علی الناس حج البیت من استطاع الیه سبیلا

دوسری روایت میں اس طرح ارشاد فرمایا۔

من لم یمنعه من الحج حاجة ظاهرة او سلطان جابر او مرض حابس فمات ولم یحج فلیمت ان شاء یهودیا وان شاء نصرانیاً (فضائل عن مشکوٰۃ)

جس شخص کے لئے حج سے مانع کوئی واقعی مجبوری یا ظالم بادشاہ کا خوف یا شدید مرض نہ ہو پھر بھی وہ بغیر حج ادا کئے مرجائے تو اس کو اختیار ہے چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی۔

امیرالمومنین حضرت عمر بن الخطاب کا ارشاد ہے۔" جو شخص حج کی طاقت رکھتا ہو اور حج نہ کرے۔ قسم کھا کر کہہ دو کہ وہ نصرانی مرا ہے یا یہودی مرا ہے۔ (فضائل حج)

ایک روایت میں ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمر رضؓ نے ارشاد فرمایا۔ "میرا دل چاہتا ہے کہ تمام شہروں میں اعلان کرا دوں کہ جو شخص باوجود قدرت کے حج نہ کرے اس پر جزیہ مقرر کر دیا جائے یہ مسلمان نہیں یہ مسلمان نہیں۔ (فضائل حج)

پس معلوم ہوا کہ جو مسلمان باوجود قدرت و استطاعت کے اور کوئی قوی مانع نہ ہونے کے پھر بھی حج ادا نہیں کرتا وہ حقیقی ایمان اور اصلی سلام

کے ذائقہ سی ناآشنا ہوچکا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ تشبیہ دی گئی اس لئے کہ ان قوموں کے زبانی دعوے تو یہ ہیں کہ ہم اہلِ کتاب ہیں اور حق پرست ہیں لیکن اِن کے قلوب حق پرستی اور اللہ اور رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری سی بالکل منحرف اور ناآشنا ہیں۔ اور امور دین میں تھاون اور سستی ان کی جبلت بن چکی ہی جو انتہائی شقاوت کی علامت ہی۔

اسی لئے ابتدار اسلام میں جب مسلمان پوری طرح مسلمان تھے، باوجود استطاعت کے حج ادا نہ کرنا کفر و نفاق کی کھلی علامت تھی۔ ان اصلی مسلمانوں سی دین کی معمولی بات بھی چھوٹنی دشوار تھی چہ جائکہ اتنی اہم عبادت ترک ہوجائے۔

جیساکہ امیرالمومنین حضرت عمر بن الخطاب کے ارشاد سے واضح ہوتا ہی۔ علمار کا اگرچہ اتفاق ہی کہ ترک حج سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا لیکن ایک مسلمان کی یہ کیا کچھ کم بدنصیبی ہی کہ مسلمان ہوکر حقیقی لطف بندگی اور اسلام کے اصلی ذائقہ سے محروم ہو۔ اللھم ارزقنا منہ ولا تحرمنا منہ۔

حجاج کا اِعزاز و اِکرام!

حج ایک سعادت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ ہے جس سے انسانی زندگی میں انقلاب عظیم رُونما ہوتا ہے اور مذہب و ملت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اسی لئے حج کرنے والوں کا مختلف انواع سے اعزاز و اکرام کیا جاتا ہے۔ اور ان کو گوناگوں نعمتوں اور طرح طرح کی رحمتوں سے نوازا جاتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

ہ

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

(۱) حجاج کا بارگاہِ خداوندی کے مقربین اور مصاحبین اور خصوصی دربانیوں اور مہمانوں میں شمار ہونا اور اس حیثیت سے انکا استقبال اور خیر مقدم ہونا۔ ان کی معروضات کو باریابی عطا ہونا اور ان کے کارناموں کی انتہائی قدردانی ہونا۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

الحاج والعمار وفد اللہ و اضیافہ وان سالوا اعطوا وان دعوا اجیبوا وان انفقوا اخلف علیہم والذی نفس ابی القاسم بیدہ ما اھل مھلّ	حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے دربار کے وفود اور مہمان ہیں جو وہ سوال کرتے ہیں اس کو پورا کیا جاتا ہے۔ اور جو دعا مانگتے ہیں اس کو قبول کیا جاتا ہے۔ اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کا نعم البدل

ولا کبر مکبر علی شرف من الاشراف الا اھلل بین یدیہ وکبر تبکبیرہ حتیٰ ینقطع التراب

(حسن الختام)

دیا جاتا ہے۔ قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں ابو القاسم کی جان ہے۔ جس ٹیلہ پر بھی حج کرنے والا تکبیر و تہلیل بیان کرتا ہے۔ فرط نشاط سے زمین کے تمام ذرات تکبیر و تہلیل بیان کرنے لگتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے۔ خدائی وفود اور زائرین تین ہیں۔

(۱) حج کرنے والا۔ (۲) عمرہ کرنے والا۔ (۳) جہاد کرنے والا۔

مشکوٰۃ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب حاجی لبیک کہتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے دائیں اور بائیں جو پتھر درخت ڈھیلے وغیرہ ہوتے ہیں۔ وہ بھی لبیک کہتے ہیں اور اسی طرح زمین کے منتہا تک یہ سلسلہ چلتا ہے۔ (فضائل)

ایک روایت میں ہے۔ جب حاجی حج سے فارغ ہوتا ہے تو فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ اور اس کامیابی پر مبارک باد دیتے ہیں۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے ان الملئکۃ لتصافح رکبان الحاج و تعتنق المشاۃ (فرشتے سواری پر حج کرنے والوں سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اور پیادہ حج کرنے والوں سے معانقہ۔)

پس معلوم ہوا کہ حجاج خدائی وفود اور جلال و جمال خداوندی کے زائرین ہوتے ہیں اور اس نسبت کی وجہ سے آسمان کے فرشتے اور ہر شجر و حجر اور رطب و یابس فرط مسرت سے ان کا استقبال اور خیر مقدم کرتا ہے۔

(۲) حجاج پر خصوصی رحمتوں اور نعمتوں کی فراوانی ہونا اور بارگاہ خداوندی کے خصوصی الطاف اور توجہات کا ان کی جانب مبذول ہونا اور عام مغفرت اور معافی کا پروانہ عطا ہونا۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

یهبط الله تعالیٰ یوم عرفة الی سماء الدنیا فیباهی باهل الموقف ملائکة السماء ویقول انظروا الی عبادی جاؤنی شعثا غبراً ملبین من کل فج عمیق وداد سحیق یرجون رحمتی ومغفرتی اشهد وانی قد غفرت لهم ذنوبهم ولو کانت کعدد الرمل وکعدد القطر وکزبد البحر

(حسن الختام)

حق سبحانہ وتعالیٰ عرفہ کے دن آسمان دنیا کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور اہل عرفات کے متعلق فرشتوں سے اظہار فخر و خوشنودگی فرماتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندوں کو دیکھو میرے پاس آئے ہیں۔ غبار آلود خستہ حال لبیک (ہم حاضر ہیں) پکارتے ہوئے ہر دشوار گذار گھاٹی لق ودق میدان سے میری رحمت اور مغفرت کے امیدوار ہیں تم گواہ ہو میں نے ان کے سارے گناہ معاف کر دیے۔ اگرچہ وہ گناہ ریت کے ذرات اور بارش کے قطرات اور دریا کے جھاگوں کے برابر ہوں۔

جب رب کریم کی نظر کرم متوجہ ہو تو پھر عیوب اور گندگیاں کیسے باقی رہ سکتی ہیں۔ ایک نگاہ کرم تمام حاجیوں کو پاک و صاف کر دیتی ہے اور ایک آن میں عذاب جہنم کے مستحقین اس ابدی عذاب سے نجات پا جاتے ہیں

اور دوزخ سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

مامن یوم اکثر من ان یعتق اللہ فیہ عبدا من النار من یوم عرفۃ (فضائل بروایت مشکوۃ)	عرفہ کے دن سے زیادہ کسی دن عذاب جہنم سے رہائی اور آزادی نصیب نہیں ہوتی۔

جب یہ جم غفیر لاکھوں کا مجمع لطف خداوندی سے ہر عیب سے پاک صاف ہو گیا تو پھر دوزخ کی آگ کس طرح اس کو چھو سکتی ہے۔؟ اس عمومی مغفرت اور عام رحمت کی وجہ سے عرفہ کا دن شیطان اور اس کی ذریات کے لئے بڑا کٹھن دن ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

ما رئی الشیطان یوما ھو فیہ اصغر ولا ادل ولا احقر ولا اغیظ منہ فی یوم عرفۃ یحثو التراب علی راسہ ویدعو بالویل والثبور علی نفسہ ویقول یاویلتاہ جمیع ما بنینۃ فی العمر الطویل بقدر الاستطاعۃ ھدمہ ابن آدم بفعل ھذہ الطاعۃ وما ذالک لما یری من تنزل الرحمۃ وتجاوز اللہ تعالی عن الذنوب العظام ÷ + (حسن التمام)	یوم عرفہ کے علاوہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں شیطان سب سے زیادہ بدحال ذلیل وحقیر بدحواس ہو۔ اس دن خاک اٹھا اٹھا کر اپنے سر پر ڈالتا ہے اور اپنی ہلاکت و بربادی کا شور مچاتا ہے کہ جو کچھ عمر بھر میں نے انسان کی تباہی کی بنیاد قائم کی تھی وہ انسان نے اس طاعت سے منہدم کر دی۔ اور یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی رحمت عامہ کا نزول اور بڑے بڑے گناہوں سے معافی کا منظر دیکھتا ہے۔

شیطان کو اس دن جس قدر بھی غیظ و غضب رنج و ملال پریشانی اور حیرانی ہو وہ کم ہے۔ اس لئے کہ عمر بھر کی کوششوں سے اس نے جو کچھ بھی انسان کی تباہی اور بربادی کے سامان مہیا کئے تھے وہ ایک دن کی اطاعت سے نسیاً منسیاً ہو گئے۔ اور وہ انسان جس کو اس نے اپنی کوششوں سے مورد عتاب بنا رکھا تھا۔ آج وہ بارگاہِ خداوندی میں مقبول و مقرب ہو گیا۔

(۳) حاجی جس وقت حج کے ارادہ سے گھر سے باہر قدم نکالتا ہے۔ اسی وقت سے اس پر انعامات اور اکرامات کی بارش شروع ہو جاتی ہے۔ اور اس کے ہر ہر فعل کو نوازا اور سراہا جاتا ہے۔ اور بات بات پر اجر عظیم عطا کیا جاتا ہے۔ اور ہر کام کا مستقل صلہ عطا ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ سے مروی ہے کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں منیٰ کی مسجد میں حاضر تھا کہ دو شخص ایک انصاری دوسرا ثقفی حاضر خدمت ہوئے۔ اور سلام کے بعد عرض کیا کہ حضور ہم کچھ دریافت کرنے آئے ہیں۔ حضور انور نے ارشاد فرمایا: "تمہارا دل چاہے تو تم دریافت کر لو اور تم کہو تو میں بتاؤں کہ تم کیا دریافت کرنا چاہتے ہو!"

انہوں نے عرض کیا: "آپ ہی ارشاد فرما دیں۔"

حضور اقدس ؐ نے ارشاد فرمایا: "تم حج کے متعلق دریافت کرنے آئے ہو کہ حج کے ارادہ سے گھر سے نکلنے کا کیا ثواب ہے۔ اور طواف کے بعد دو رکعت پڑھنے کا کیا فائدہ ہے۔ اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنے کا کیا ثواب ہے۔ عرفات پر ٹھہرنے اور شیطانوں کے کنکریاں مارنے اور

قربانی کرنے اور طواف زیارت کرنے کا کیا ثواب ہے؟"

انہوں نے عرض کیا۔" اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا یہی سوالات ہمارے ذہن میں تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔" حج کا ارادہ کرکے گھر سے نکلنے کے بعد تمہاری (سواری) اونٹنی جو ایک قدم رکھتی ہے وہ تمہارے اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ اور طواف کے بعد دو رکعت کا ثواب ایسا ہے جیسا ایک عربی غلام کو آزاد کیا ہو۔ اور صفا مروہ کے درمیان سعی کا ثواب ستر غلاموں کو آزاد کرنے کے برابر ہے اور عرفات کے میدان میں جب لوگ جمع ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ دنیا کے آسمان پر اتر کر فرشتوں سے فخر کے طور پر فرماتے ہیں کہ میرے بندے دور دور سے پراگندہ بال آئے ہوئے ہیں میری رحمت کے امیدوار ہیں۔ اگر ان کے گناہ ریت کے ذروں اور بارش کے قطروں اور دریا کے جھاگوں کے برابر ہوں تب بھی میں نے معاف کر دے۔ میرے بندوں جاؤ بخشے بخشائے چلے جاؤ تمہارے گناہ معاف ہیں۔ اور جن کی تم سفارش کرو۔ ان کے بھی گناہ معاف ہیں۔"

اس کے بعد حضور اقدس نے ارشاد فرمایا۔" شیطانوں کے کنکریاں مارنے کا حال یہ ہے کہ ہر کنکری کے بدلہ ایک بڑا مہلک گناہ معاف ہوتا ہے۔ اور قربانی کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارے لئے ذخیرہ ہے۔ اور احرام کھولنے کے وقت سر منڈانے میں ہر بال کے عوض ایک نیکی ہے۔ اور ایک گناہ معاف

ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب آدمی طواف زیارت کرتا ہے۔ تو ایسے حال میں طواف کرتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا اور ایک فرشتہ مونڈھوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ آئندہ از سرِ نو اعمال کر تیرے پچھلے سب گناہ معاف ہو چکے ہیں۔ (فضائل)

ارشاد نبوی میں حج کے ارکان کی ادائیگی پر جو کچھ اجر و ثواب ملتا ہے۔ اس کو بیان فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ سفر حج میں جو کچھ اپنی راحت و آرام کی خاطر اپنے پر خرچ کرتا ہے وہ بھی اللہ کی راہ میں شمار ہوتا ہے۔ اور اس کا بے شمار اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ حاجی خود کھاتا پیتا ہے۔ اور اپنے پیسہ کو اپنی جان پر لگاتا ہے۔ لیکن چونکہ اس وقت یہ اللہ رب العالمین کا مہمان ہے اس لئے اس کے سارے ذاتی اخراجات بھی اللہ کی راہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور ان کو شرف قبولیت بخشا جاتا ہے۔ اور حسنات میں لکھا جاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

النفقۃ فی الحج کالنفقۃ فی سبیل اللہ بسعمائۃ ضعف

حج میں خرچ کرنا جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنے کی طرح ایک روپیہ کا بدلہ سات سو ہے۔ (فضائل)

ایک حدیث میں ہے کہ حج میں خرچ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنا ہے۔ جس کا ثواب سات سو درجہ زائد ہوتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حج میں خرچ کرنا ایک درم چار کروڑ درم کی برابر ہے۔ یعنی اگر حج میں ایک روپیہ خرچ کیا تو اس کا اجر و ثواب چار کروڑ روپیہ کی برابر ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ حج میں خرچ کرنے کا اجر و ثواب کم از کم سات سو گنا ہے۔ جو ہر حاجی کو ملتا ہے۔ پھر حاجی کے اخلاص کی بقدر اس اجر و ثواب میں زیادتی ہو گی حتیٰ کہ چار کروڑ گنا تک اس اجر و ثواب کی مقدار پہنچ جاتی ہے۔ اسی لئے سفر حج میں دل کھول کر خرچ کرنا چاہیئے۔ اور ہر ہر پیسہ پر اجر عظیم کا امید وار رہنا چاہیئے حج کی اصلی شان داد و دہش اور فراخ دستی سے نمایاں ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ سے ارشاد فرمایا "تیرے عمرہ کا ثواب تیرے خرچ کی بقدر ہے" یعنی جس قدر حج و عمرہ میں زیادہ خرچ کیا جائے گا اسی قدر اجر۔ ثواب ملے گا۔ اور اسی قدر حج کے منافع حاصل ہوں گے۔ اور اسی نسبت سے حج کی اصلی شان نمایاں ہو گی۔

سفر حج میں خرچ کرنا چونکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے مرادف ہے اس لئے ان اخراجات کی وجہ سے کسی قسم کی تنگی اور دشواری پیدا نہیں ہوتی بلکہ جس قدر خرچ کرتا ہے اسی قدر مال میں خیر و برکت زیادہ ہوتی ہے۔

چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

ما امعرّ حاج قطّ (فضائل) حج کرنے والا محتاج نہیں ہو سکتا

بلکہ بسا اوقات سفر حج میں خرچ کرنا تونگری اور فراخی کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

حجوا تستغنوا (حسن التمام) حج کیا کرو غنی بن جاؤ گے

(۴) جہاد فی سبیل اللہ مسلمان کا اصلی وظیفہ ہے اور جو لوگ اس وظیفہ کی

ادائیگی سے قاصر ہیں۔ ان کے لئے حج کو جہاد کا قائم مقام بنا دیا گیا تاکہ وہ جہاد کی برکات سے بھی بہرہ اندوز ہوں۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

جہاد الکبیر والصغیر والضعیف والمرأۃ الحج والعمرۃ (حسن عن النسائی) بوڑھے اور بچے اور کمزور اور عورت کا جہاد حج اور عمرہ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ کیا ہم بھی آپ کے ساتھ غزوہ اور جہاد میں شریک نہ ہوں۔"

حضور اقدس ؐ نے ارشاد فرمایا "بہترین خوشنما جہاد حج مبرور ہے۔" (حسن) امیرالمومنین حضرت عمر بن الخطاب رضؓ جب لوگ جہاد سے فارغ ہوتے تو ان سے فرماتے حج اور عمرہ کے لئے سفر اختیار کرو یہ بھی ایک قسم کا جہاد ہے۔ (حسن)

پس معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ جیسی اعلیٰ منقبت جس میں جان و مال دونوں کی بازی ہوتی ہے۔ حج بیت اللہ فی الجملہ اس کا بدل ہو جاتا ہے۔

(۵) حجاج کی خود بھی مغفرت کی جاتی ہے۔ اور ان کو اپنی رضاء اور خوشنودگی سے نوازا جاتا ہے۔ ان کے مال و دولت میں خیر و برکت عطا کی جاتی ہے۔ اور دوسروں کے بارے میں بھی ان کی سفارش سنی جاتی ہے اور ان کے طفیل دوسروں کو بھی بخش دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے۔

الحاج یشفع فی اربعمائۃ من اھل بیتہ ویبارک لہ فی اربعین حاجی کی سفارش اس کے گھر والوں میں سے چار سو آدمیوں کے بارے میں قبول

بعیرا فی امہات البعیر الذی حملہٗ ویخرج من ذنوبہ کیوم ولدتہ امّہ
(احسن الختام)

ہوگی۔ اور جس اونٹ پر اس نے سفر کیا ہے اس کی نسل میں سو چالیس اونٹوں میں برکت ہوگی۔ اور خود حاجی گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہوگا کہ گویا آج ہی پیدا ہوا ہی۔

اس پر ایک شخص نے عرض کیا: "ابو موسیٰ میں حج کیا کرتا تھا۔ لیکن اب بوڑھا ضعیف ہوگیا کوئی اور عمل بھی حج کا قائم مقام ہو سکتا ہی"

حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا: "کیا تم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سی ستر شخصوں کو آزاد کر سکتے ہو۔؟ لیکن پھر بھی اس سفر کا بدل نہیں ہو سکتا۔

چار سو آدمیوں کے بارے میں سفارش قبول ہونے کا یہ مطلب ہی کہ اتنے لوگوں کی مغفرت کا تو گویا اللہ جل شانہ کی طرف سی وعدہ ہی اور اس سی زیادہ میں کوئی مانع نہیں۔ چنانچہ بہت سی روایتوں میں یہ وارد ہوا ہی کہ حاجی جن کے لئے دعا مغفرت کرتا ہی وہ قبول ہوتی ہی۔ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہی۔

اللہم اغفر للحاج ولمن استغفر لہ الحاج
(احسن عن البیہقی)

یا اللہ حاجی کی مغفرت فرما اور اس شخص کی بھی مغفرت فرما جس کے لئے حاجی دعاء مغفرت کرے۔

ایک روایت میں ہی کہ جب حاجی مکہ کے ارادہ سی گھر سے نکلتا ہی تو اسکی

دعا قبول ہوتی ہے۔ جب تک وہ گھر لوٹے بلکہ گھر لوٹنے کے چالیس روز بعد تک۔" (حسن)

یہی وجہ ہے کہ حجاج سے ملاقات کرنے اور ان سے دعا کرانے کا حکم دیا گیا چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

اذا لقیت الحاج فسلم علیہ و صافحہ ومرہ ان یستغفر لک قبل ان یدخل بیتہ فانہ مغفور لہ (فضائل عن مشکوٰۃ)

جب کسی حاجی سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو اپنے لئے دعاء مغفرت کی درخواست کرو۔ اس لئے کہ وہ اپنے گناہوں سے پاک و صاف ہو کر آیا ہے۔

حاجی کا یہ سب کچھ اعزاز و اکرام اسی لئے ہے کہ اس نے وادیٔ عشق و محبت میں قدم رکھ کر اپنی زندگی میں ایک انقلاب عظیم برپا کرلیا ہے۔ اور راہِ مولیٰ کی سرگردانی میں اپنے کو خوگر بندگی بنالیا ہے۔

ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء

حج ادا کرنے میں جلدی کرنا

شہنشاہ عالم رب العالمین کا شاہانہ دربار سجا ہوا ہے اور کریمانہ دسترخوان بچھا ہوا ہے اور ہر شخص کے لئے باریابی اور حضوری کی عام اجازت ہے تاکہ ہر ایک شاہی عطیات سے بہرہ اندوز ہو اور الطاف کریمانہ سے لطف اندوز ہو۔ انبیاء کرام کے ذریعہ ہر شخص کو اس دربار میں حاضری کی دعوت دی گئی ہے۔ اب کس قدر بے نصیبی اور محرومی کی بات ہے کہ قدرت و استطاعت ہوتے ہوئے بھی انسان اس دربار کی حاضری میں تاخیر اور تساہل برتے۔ قدرت و استطاعت ہونا اس امر کا کھلا ثبوت ہے کہ اس مالک الملک نے اپنے دربار میں طلبی کے لئے مصارف بھی عطا کر دئے ہیں۔ ان مصارف کو دوسری جگہ خرچ کرنا اور اس سعادت عظمیٰ سے محروم رہنا کھلی حماقت ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں جس شخص کے پاس اسقدر روپیہ ہو جو اس کو مکہ مکرمہ پہنچا سکے تو یہ روپیہ حج میں خرچ کرنا چاہیئے۔ اگر ایسا نہ کیا تو گنہگار ہوگا۔

حج کا ادا کرنا اگرچہ فوراً فرض نہیں۔ تاخیر کی گنجائش ہے۔ لیکن یہ گنجائش بندوں پر سہولت اور آسانی کی وجہ سے ہے نہ اس لئے کہ اس بہانہ سے اس قدر خیر کثیر سعادت عظمیٰ مغفرت عامہ کے حصول میں دیر کرے امور خیر میں ہمیشہ سبقت اور پیش قدمی کرنی چاہیئے۔ اور جلد از جلد گناہوں کے

انبار اور گندگیوں کے اثرات سے سبکدوش ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ — پس سبقت کرو تم امور خیر کی طرف۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ — اور جلدی کرو اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف۔

آج اگر اس سعادت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ کے حصول کے ذرائع اور اسباب موجود ہیں تو ان سے منتفع ہونا ضروری ہے۔ کل کی کس کو خبر کہ کیا ہونے والا ہے اور یہ اسباب و ذرائع باقی بھی رہتے ہیں۔ یا نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

تعجلوا الحج فان احدکم لا یدری ما یعرض له (حسن الختام) — حج ادا کرنے میں جلدی کرو اس لئے کہ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ کل کو کیا پیش آنے والا ہے۔

اگر کل کو خدانخواستہ یہ قدرت و استطاعت سلب ہوگئی اور حج ادا نہ کرسکا تو موت کے وقت سخت حسرت و ندامت اور پریشانی و حیرانی ہوگی اپنی اس کوتاہی اور محرومی پر پچھتائے گا۔ مگر بے سود گا۔

ارشاد ربانی ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا كَلَّا + + + — یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے۔ تو کہتا ہے اے رب مجھے لوٹا دے تاکہ عمل صالح کروں ہرگز نہیں ہو سکتا

حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے یہ اس شخص کی حالت ہے جس نے باوجود قدرت و استطاعت کے حج ادا نہ کیا ہو۔ موت کے وقت جب اس کو ترک حج پر لعنت و ملامت ہوگی تو انتہائی حسرت وندامت کے ساتھ دوبارہ زندگی کی خواہش کرے گا تاکہ فریضہ حج کو ادا کر سکے۔ اور اسی حسرت ویاس کے عالم میں نامراد اور ناکام دنیا سے رخصت ہوگا۔ (حسن الختام)

اور مرنے کے بعد اس پر کیا گزرے گا۔ اس کا ادراک اس وقت ہوگا۔ جب بالکل مجبور و لاچار ہوگا۔ حضرت سعید بن جبیر سے کسی نے دریافت کیا اگر کوئی مالدار بغیر حج کئے مرجائے تو کیا ہوگا۔؟ آپ نے تین بار فرمایا

هو فی النار　　　　وہ جہنم میں جائے گا

حضرت عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں۔ اس کے ساتھ نافرمانوں اور سرکشوں کا معاملہ ہوگا۔ پس مسلمان کو چاہیئے کہ دولت فرصت صحت کو غنیمت جانے اور حج کی ادائیگی میں سبقت اور عجلت کرے ۔

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار　　　　کس را وقوف نیست انجام کار چیست

بار بار حج کرنا

اگرچہ امت مرحومہ پر سہولت و آسانی کی خاطر عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ حج کرنا ضروری اور لازمی قرار دیا گیا۔ بشرطیکہ اس میں حج کی استطاعت اور قدرت بھی ہو۔ لیکن حج کی خصوصیات برکات اثرات اور منافع کا تقاضا یہ ہے کہ بار بار حج کیا جائے جس قدر زیادہ حج ادا کئے جائیں گے۔ اسی قدر طہارت و نظافت حاصل ہوگی اور اسی کی بقدر بارگاہِ خداوندی سے تقرب نصیب ہوگا۔ اور ملاء اعلیٰ کے ساتھ وابستگی اور اللہ اور رسول کے عشق و محبت سے سرفراز ہوگا۔

مال و دولت قدرت و استطاعت ہوتے ہوئے بھی اتنی بڑی سعادت کو بار بار حاصل نہ کرنا سخت محرومی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث قدسی ہے:

یقول اللہ عزوجل ان عبداً صححت له جسمه ووسعت عليه في المعيشة تمضي عليه خمسة اعوام لا يغد الیّ محروم۔ فضائل عن الترغیب	اللہ جل شانہ کا فرمان ہے کہ وہ بندہ جس کو میں نے صحت جسمانی اور وسعت معاش عطا کر رکھی ہو پھر بھی اس پر پانچ سال ایسے گذر جائیں کہ وہ میرے دربار میں حاضر نہ ہو وہ ضرور محروم ہے۔

عاشق مولیٰ کے عشق و محبت کا اصلی تقاضا یہی ہے کہ اس کو محبوب کی چوکھٹ کے علاوہ کسی جگہ چین نہ آئے اور والہانہ بار بار اس کی بارگاہ تک پہنچے اور

اگر اس ذوق وشوق میں کمی ہے اور استطاعت ہوتے ہوئے دربار محبوب کی حاضری کی امنگ نہیں ہے اور اپنے اختیار سے اس دوری کو گوارا کئے ہوئے ہے تو یہ حقیقی عشق ومحبت کی شان سے بہت بعید ہے۔ اور کھلی محرومی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پرستاران حق بار بار بارگاہِ مولیٰ میں بسر وچشم حاضر ہوتے ہیں۔ اور کبھی ان کو سیری نہیں ہوتی بلکہ شوق حرم اور زیادہ ہوتا ہے۔

نفلی حج پر اہلِ حاجت کو ترجیح

نفلی حج اگرچہ بڑی نعمت اور سعادت ہے لیکن مومن کا درجہ اس سے بہت بڑھا ہوا ہے پس اگر نفلی حج کے عوض کسی مضطر کی حاجت روائی ہو جائے تو یہ بھی بڑی نعمت ہے۔ اور اہم سعادت ہے۔ کسی مضطر کی حاجت روائی فریضہ خداوندی ہے۔ فرض کو چھوڑ کر نفلی عبادت اختیار کرنا یقیناً کوتاہی ہے پس اگر شوق حج میں رقم جمع کی تھی پھر اس سے ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کر دیا تو بغیر حج کئے حج کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوگا۔ اور حج کے اصلی منافع سے محروم نہ رہے گا۔ بشرطیکہ وہ حج نفلی ہو فرض حج ہر حال میں مقدم ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے ایک بزرگ کو حج کا بہت شوق تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ بغداد میں حجاج کا قافلہ آیا میں نے بھی حج کا ارادہ کر لیا اور پانچسو دینار (اشرفی) لیکر ضروریات سفر کی تیاری کے لئے نکلا۔ راستہ میں ایک عورت ملی اور کہا میں سید زادی ہوں اور میرے کنواری لڑکیاں ہیں آج چار روز سے ہم نے کچھ نہیں کھایا۔ اس عورت کی بات کا میرے دل پر اثر ہوا اور میں نے

وہ پانچسو اشرفیاں نکال کر اس کے حوالے کر دیں۔ اور کہہ دیا کہ ان کو اپنی ضروریات میں خرچ کر وہ عورت دعا دیتی ہوئی لوٹ گئی اور میرے دل سے اس سال حج کا خیال جاتا رہا۔ اور قافلہ حج کے لئے روانہ ہوگیا۔ جب قافلہ حج سے واپس ہوا تو میں بھی حجاج اور احباب کی ملاقات کے لئے نکلا جب میں کسی دوست سے ملتا اور اس کو حج کی مبارک باد دیتا وہ بھی مجھ کو حج کی مبارک باد دیتا۔ مجھے اس سے سخت حیرانی ہوئی اسی سوچ و فکر میں سو گیا۔ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور ارشاد فرمایا اے شخص تو لوگوں کی حج کی مبارکباد سے تعجب کرتا ہے تو نے ایک فریادی کی فریاد سنی اور اس کو غنی بنا دیا میں نے تیرے متعلق دعا کی اور حق تعالیٰ نے تیری صورت کا ایک فرشتہ بنا دیا جو تیری طرف سے ہر سال حج کیا کرے گا۔ اب تیرا دل چاہے حج کر اور چاہے نہ کر (حسن الختام) یہ واقعہ فضائل حج ص ۲۶۴ پر زیادہ تفصیل سے مذکور ہے۔

خود حضرت عبداللہ بن مبارک ایک مرتبہ حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور کوفہ پہنچے وہاں ایک کوڑی پر دیکھا کہ ایک عورت جانور کا گوشت کاٹ رہی ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا یہ مُردار ہے یا ذبح کیا ہوا؟ عورت نے جواب دیا مُردار ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مُردار جانور کا گوشت حرام کیا ہے۔

عورت نے کہا میں مضطر ہوں اور سوال کی ذلت برداشت نہیں کر سکتی۔

آپ نے اس کے گھر کا پتہ دریافت کیا۔ پھر وہ خچر جس پر تمام سامانِ سفر

تھا اس کے حوالہ کر دیا اور اپنے حج کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ جب حجاج واپس ہوئے تو لوگ ان کو بھی حج کی مبارک باد دینے آئے۔ یہ ہر ایک سے کہتے کہ میں نے اس سال حج نہیں کیا۔ اور وہ کہتا واہ میں نے تم کو فلاں جگہ پر دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے اس سال حج نہیں کیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو۔ اس کا کیا مبنیٰ ہے۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی ہاتف کہہ رہا ہے" عبداللہ بن مبارک حق تعالیٰ نے تمہارے صدقہ کو قبول فرمایا۔ اور تمہاری ہم شکل ایک فرشتہ بھیجا جس نے تمہاری جانب سے حج ادا کیا۔ (حسن الختام)

منقول ہے کہ ایک بزرگ نے حج کا ارادہ کیا اور ان کے پاس آٹھ سو اشرفیاں تھیں ایک روز انہوں نے کسی ضرورت سے اپنے بچہ کو پڑوسی کے گھر بھیجا وہ بچہ روتا ہوا واپس آیا۔ انھوں نے سبب دریافت فرمایا تو بچہ نے کہا ان کے یہاں کچھ پک رہا تھا۔ میں نے کھانا چاہا تو انھوں نے کھلانے سے اِنکار کر دیا۔

ان بزرگ نے پڑوسی سے اس کا سبب دریافت کیا تو پڑوسی نے کہا۔ مجھے مجبوراً اظہار حال کرنا پڑا۔ ہم پانچ روز سے بھوکے تھے۔ اس لئے مردار گوشت پکایا تھا چونکہ تمہارے بچے کے لئے یہ حلال نہ تھا۔ اس لئے ہم نے دینے سے انکار کر دیا۔

ان بزرگ کو اس سے تعجب ہوا اور اپنے کو ملامت کی جب پڑوسی کا یہ حال ہے تو نجات کی کیا صورت اور یہ حج کی تیاری کیسی؟ چنانچہ وہ آٹھ سو اشرفیاں پڑوسی کے حوالے کر دیں۔

عرفہ کی شام کو حضرت ذوالنون معری نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ہاتف کہہ رہا ہے ذوالنون دیکھا عرفات میں کس قدر مجمع ہے۔ ان میں سے صرف ایک شخص کا حج قبول ہوا ہے۔ جو عرفات تک نہیں پہنچ سکا اور اس کی وجہ سے حق تعالیٰ نے تمام کا حج قبول فرمایا۔" حضرت ذوالنون نے دریافت فرمایا وہ کون شخص ہے؟

ہاتف نے کہا فلاں شخص ہے دمشق میں رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت ذوالنون ان کی تلاش میں نکلے۔ اور دمشق پہنچ کر ان سے ملاقات کی اور سارا واقعہ ان سے سنا دحسن ا

ان چند واقعات سے بخوبی اندازہ ہوگیا کہ اہل حاجت کی حاجت روائی نفلی حج سے بہت زیادہ اہم اور وزنی ہے۔ اگر اس کی وجہ سے نفلی حج ترک ہو جائے تو اس میں کوئی مذائقہ نہیں۔ لیکن اگر حج بھی ادا کرے اور اہل حاجت کی حاجت روائی بھی ہو تو پھر نورٌ علیٰ نور ہے۔ اور سعادت در سعادت ہے۔ لیکن حج فرض ان سب سے اہم ہے۔ وہ کسی حال میں چھوڑنا جائز نہیں۔

عبادات کے درجات اور مراتب ہوتے ہیں اور ہر عبادت اپنے درجہ کے مطابق اہمیت اور فوقیت رکھتی ہے۔ ان میں سب سے اہم اور مقدم فرائض خداوندی ہیں۔ جن کی ادائیگی ہر حال میں ضروری ہے۔ اس لئے کہ عمر بھر کی نفلی عبادت ایک فریضہ خداوندی کی ادائیگی کے برابر اور ہمسر نہیں ہو سکتی۔ اور نہ کسی اطاعت کو وہ درجہ قبولیت حاصل ہے۔ جو فرائض کو ہے۔

پیدل حج ادا کرنا

حج بارگاہِ رب العالمین کی حاضری ہے۔ اس بارگاہِ عالی میں اگر سر کے بل بھی پہنچا جائے تب بھی حق ادب ادا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے شناسانِ بارگاہ کا ہمیشہ یہی دستور رہا ہے۔ کہ اس بارگاہ میں پیادہ پا برہنہ پا، سرنگوں حاضر ہوئے اور یہی مقام کے ادب کا حقیقی تقاضا ہے۔ اور یہی شانِ عبدیت کا اصلی مقتضیٰ ہے

لو جئتکم قاصداً اسعی علےٰ بصری ٭ لم اقض حقاً وایّ الحق اَدّیت

ایک بزرگ نے حج کا تمام راستہ پیدل طے کیا۔ لوگوں نے جب مشقت کا ذکر کیا تو فرمایا جو غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہو کیا اس کے لئے مناسب ہے کہ سواری پر سوار ہو کر آقا کی حضور میں جائے۔ اگر میں اس کی قدرت پاتا کہ سر کے بل چل کر حاضر ہوں تو اسی طرح حاضر ہوتا۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ انبیاء کرام کا دستور پیدل حج کرنے کا تھا۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے پیدل چلکر ستر حج کئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ چالیس حج پیدل کئے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے پیادہ پا حج ادا کیا۔

انبیاء کرام کے اقتداء میں صلحاء امت نے بھی پیدل حج کرنے کو اختیار فرمایا۔ حضرت امام حسن نے پندرہ حج پیدل کئے۔ اور حضرت امام حسین نے پچیس حج پیدل کئے۔

علی بن شعیب نے کچھ اوپر ساٹھ حج پیدل کئے۔ مغیرہ بن حکیم نے پچاس سے زیادہ حج پیدل برہنہ پا ادا کئے اور اثنار سفر میں ہمیشہ شب بیداری کرتے تھے اور دن کو روزہ رکھتے تھے۔ ابو عبداللہ المقری نے سنا نوے حج پیدل کئے اور ایکسو بیس سال کی عمر پائی۔ ابو عباس نے اسّی حج پیدل کئے۔

حسین بن عثمان کہتے ہیں کہ میرے بھائی سفیان نے جب سنہ ۱۹۹ھ میں آخری حج کیا تو میں ساتھ تھا۔

عرفات میں انھوں نے نماز پڑھی اور پھر اپنے بستر پر لیٹ گئے اور فرمایا میں اس مقام پر ستر بار حاضر ہوا ہوں (یعنی ستر حج کئے ہیں) اور ہر سال یہ دعا کی الٰہی اس حاضری کو آخری نہ کیجو"

لیکن اب بار بار سوال سے شرم محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ وطن لوٹ گئے اور اسی سال انتقال ہوگیا۔

چونکہ دوبارہ حج کے سوال کے ضمن میں زیادتی عمر کی خواہش ظاہر ہوتی تھی۔ اس لئے ان کو اس سوال سے شرم محسوس ہوئی۔

سنان الدینوری کے بھائی نے سولہ حج پیادہ پا اور برہنہ پا ادا کئے۔ ابو حمزہ شہر قزوین سے پیدل حج کے لئے آئے اور پیدل ہی واپس ہوئے اور فرمایا میں صرف یہ سوال کرنے آیا ہوں کہ الٰہی مجھے ضرورت سے زائد روزی مت دیجو"

سعید بن سعید بن وہب پیدل حج کے لئے جا رہے تھے جب مشقت ناقابل برداشت ہوگئی تو فرمایا میں اس لئے یہ مشقت برداشت کر رہا ہوں کہ

کہ میں بہت گناہ گار ہوں شاید حق تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمائے۔ علی بن موفق نے ستر حج ادا کئے۔ اور جعفر خواص نے تقریباً ساٹھ حج کئے

جوار بن بکیر المدنی کہتے ہیں۔ کہ میں بیت المقدس سے روانہ ہوا اور تبوک کے راستہ مکہ مکرمہ پہنچا دیکھا کہ ابی عبداللہ بن الجلا مطاف میں بیٹھے ہوئے تھے میں نے سلام کیا اور دست بوسی کی فرمایا بیٹا کہاں سے احرام باندھا۔ میں نے عرض کیا بیت المقدس سے۔ پھر فرمایا کس راستہ سے آئے ہو۔ میں نے عرض کیا۔ "تبوک کے راستہ سے۔"

پھر فرمایا زادراہ لے کر چلے یا محض خدا کے بھروسہ پر۔ میں نے عرض کیا۔ "محض خدا کے بھروسہ پر۔"

فرمایا: "میں ایسے شخص کو جانتا ہوں جس نے باون حج محض توکل پر کئے اور معافی کا خواستگار رہا۔ میں نے عرض کیا اس گھر کی قسم وہ کون ہے؟ فرمایا میں ہوں۔ خدا معاف فرمائے (حسن الختام)

میری دادی کے والد حضرت مولانا مظفر حسین صاحب نے ہندوستان سے سات حج پیدل کئے۔ اور وہیں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔

مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ حضرت مولانا محب الدین صاحب سے شرفِ نیاز حاصل ہوا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کے خلفاء میں تھے۔ فرماتے تھے میں سال سے برابر پیدل حج کر رہا ہوں۔ باوجود انتہائی نحیف ہونے کے مدینہ منورہ بھی پیدل ہی حاضر ہوتے تھے۔ آخری مرتبہ جب چلنے سے معذور ہو گئے تو سواری پر حاضر ہوئے اور بیان فرمایا کہ میرا اس سال

حاضری کا ارادہ نہ تھا۔ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی حضور اقدس ؐ نے ارشاد فرمایا "محب الدین ہمارے پاس نہ آؤ گے"
میں نے عرض کیا گھٹنوں میں دم نہیں رہا۔ کرایہ بھیجد یجیے۔ اور بلوا لیجیے علی الصباح ایک شخص آیا اور کہا میں نے آپ کے لئے سواری کا انتظام کر لیا۔ آپ میرے ساتھ مدینہ منورہ چلئے۔ چنانچہ آپ اس کے ساتھ اس سواری پر مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور چند ماہ قیام کے بعد مکہ مکرمہ واپس ہوئے اور اسی سال انتقال فرمایا۔
یہ ہزاروں واقعات میں سے صرف چند واقعات عبرت و نصیحت کے لئے درج کر دیئے گئے۔

پیدل حج کا اجر و ثواب

پیدل حج ادا کرنا نہ یہ کہ محض مقتضائے حسن ادب ہے۔ بلکہ بارگاہِ رب العالمین میں بہت زیادہ مقبول ہے۔ اور بے حد و حساب اجر و ثواب کا ذریعہ ہے۔ ہوائی جہاز یا موٹر کار پر سفر کرنے والا حاجی کسی طرح اس حاجی کے برابر نہیں ہو سکتا جو سامان سفر کندھوں پر رکھے ہوئے دیوانہ وار محبوب کی طرف جا رہا ہے۔ اس کا ہر ہر قدم تقرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔ اور ملاء اعلیٰ کی سمت پرواز ہے۔ اور اسی حیثیت سے اس کا اعزاز و استقبال ہوتا ہے۔
چنانچہ ارشاد نبوی ؐ ہے۔

ان الملئکۃ لتصافح رکبان الحج　　فرشتے سوار حجاج سے مصافحہ کرتے

وتعتنق المشاۃ۔ (حسن التمام)

کرتے ہیں۔ اور پیدل حج کرنے والوں سے معانقہ کرتے ہیں۔

چونکہ پیدل حج کرنے میں پاس ادب بھی ہے اور مشقت بھی زیادہ ہے اس لئے اسی کی بقدر اس کا اجر و ثواب بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من حج الی مکۃ ماشیاً حتی رجع کتب لہ بکل خطوۃ سبعمائۃ حسنۃ من حسنات الحرم قیل وما حسنات الحرم قال کل حسنۃ بمائۃ الف حسنۃ۔ (فضائل)

جو شخص حج کے لئے پیدل جائے اور آئے اس کے لئے ہر قدم پر سات سو نیکی ہے۔ حرم کی نیکیوں میں سے۔ لوگوں نے ابن عباس سے پوچھا حرم کی نیکیوں سے کیا مراد ہے۔ فرمایا حرم کی ہر نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس کی خدمت میں ان کے مرض الموت میں حاضر ہوا۔ تو وہ اپنے بیٹوں سے فرمارہے تھے "بیٹو! پیادہ حج کرنا مجھے کسی شے کا اتنا افسوس نہیں جس قدر اس بات کا افسوس ہے کہ میں پیدل حج نہیں کرسکا۔"

بیٹوں نے دریافت کیا "پیدل حج کہاں سے کیا جائے۔"

حضرت ابن عباس نے فرمایا "مکہ مکرمہ سے جانا اور آنا۔ اس لئے کہ سوار حاجی کے لئے ہر قدم پر ستر نیکی ہے۔ اور پیادہ حاجی کے لئے ہر قدم پر سات سو نیکی ہے۔ مکہ کی نیکیوں میں سے۔ لوگوں نے دریافت کیا مکہ کی نیکیوں سے کیا مراد

تو فرمایا "مکہ کی ہر نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے۔ (حسن الختام) بکثرت احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں۔ کہ حرم میں ایک روزہ کا ثواب ایک لاکھ کی برابر ہے۔ اور ایک درم خیرات کرنے کا ثواب ایک لاکھ درم کے برابر ہے۔

پس معلوم ہوا کہ پیدل حج کرنے میں ہر ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں حاجی کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں اور یہ حسنات کا اتنا عظیم الشان ذخیرہ اتنی بڑی دولت اور سعادت ہے کہ اس کے حصول کی خاطر ہر طرح کی مشقت اور محنت برداشت کی جاسکتی ہے۔ اگر تمام راستہ پیدل طے نہ کر سکے تو جس قدر بھی تحمل ہو پیدل چلنے کو اپنی سعادت سمجھے اور نعمت عظمیٰ جانے۔ اگر طاقت اور تحمل ہو اور کوئی مانع موجود نہ ہو تو مکہ مکرمہ سے جب حج کے لئے نکلے تو پیدل نکلے۔ اور منیٰ عرفات مزدلفہ کی مسافت کو پیادہ طے کرے۔ اس تھوڑی سی مسافت کو پیادہ طے کرنا کچھ دشوار بھی نہیں۔ اور آزادی بھی رہتی ہے۔ بتمام سنن و مستحبات کو اچھی طرح ادا کر سکتا ہے۔ اور پیادہ حج کی فضیلت و منقبت کو بھی پا سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جو شخص منیٰ سے عرفات تک پیدل جائے اس کو ایک لاکھ نیکیاں حرم کی نیکیوں میں سے ملیں گی۔ البتہ اگر پیدل چلنے میں تعب اور گرانی ہو اور ذوق و شوق اور نشاط باقی نہ رہے تو پھر سوار ہونا بہتر ہے اس لئے کہ ذوق و شوق اور نشاط حج کی روح رواں ہے ؎

حج میں مشقتوں کا تحمّل کرنا

حج جانی اور مالی عبادت کا مجموعہ ہی جس قدر جان ومال اس راہ میں صرف ہوگا اسی قدر حج کی شان نمایاں ہوگی۔ اور رنگ لائے گی۔ حج میں جس طرح خوب خرچ کرنا مقبول ومحمود ہے۔ اور اجرِ عظیم کا ذریعہ ہے اسی طرح مشقت ومحنت کا برداشت کرنا بھی مقبول ومحمود ہے۔ اور اجرِ عظیم کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ سے ارشاد فرمایا۔

لکن اجرك علیٰ قدر نصبك — لیکن تمہارا ثواب تمہاری مشقت کی بقدر ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں:۔ اس سفر میں آدمی جو کچھ خرچ کرے اس کو نہایت خوش دلی سے کرے اور جو نقصان جانی یا مالی پہنچے اس کو طیب خاطر سے برداشت کرے کہ یہ حج قبول ہونے کی علامت ہی۔ حج کے راستے میں خرچ کرنا جہاد میں خرچ کرنے کے برابر ہے۔ کہ ایک درم کے بدلے میں سات سو درم ملتے ہیں۔ اور حج کے راستے میں تکلیف اٹھانا جہاد میں تکلیف اٹھانے کے برابر ہے۔ اس لئے سفر حج میں جو مشقت یا نقصان برداشت کریگا اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بڑا اجر ہے۔ وہ ضائع نہیں ہی (فضائل)

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جان بوجھ کر اپنے کو مشقت اور تکلیف میں مبتلا کرے اور ان مشکلات کا شکار ہو جو ناقابل برداشت ہوں۔ بلکہ

مطلب یہ ہی کہ زیادہ راحت و آرام کے پیچھے نہ پڑے اور جو مشقت اور مشکل در پیش آئے اس سے بددل نہ ہو بلکہ خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرے۔ ایسے ہی اس نوع کی مشقت کا تحمل کرنا جو خلاف عقل ہو محمود نہیں۔ بلکہ مذموم ہی۔ چنانچہ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک شخص پر ہوا۔ جس کے ہاتھ میں رسّی بندھی ہوئی تھی اور دوسرا شخص اس رسّی سے کھینچ کر اس کو طواف کرا رہا تھا۔ حضور اقدس ؐ نے اس رسّی کو کاٹ دیا اور ارشاد فرمایا۔ ہاتھ پکڑ کر طواف کراؤ۔ (فضائل)

ایک اور حدیث میں ہی کہ حضور اقدس ؐ نے دیکھا کہ دو شخص کسی رسّی وغیرہ سے بندھے ہوئے چل رہے ہیں۔ حضور اقدس ؐ نے دریافت فرمایا۔ یہ کیا ہی؟" انہوں نے عرض کیا "ہم نے یہ منّت مانی ہے کہ اس طرح بندھے ہوئے کعبہ تک جائیں گے۔ حضور اقدس ؐ نے ارشاد فرمایا" اس رسّی کو توڑ دو یہ منّت صحیح نہیں۔ منت نیک کام میں ہوتی ہے اور یہ شیطانی حرکت ہے۔ (فضائل)

اور سب سے اہم مشقت جس کا برداشت کرنا اصل اصول ہے اور حج کی اصل روح ہی۔ وہ رفقاء اور اہل حرم کی اذیتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنا ہے۔ اور ان کی بدمعاملگی اور بدکلامی کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرنا ہے نہ اپنے سے کسی کو ذرہ برابر اذیت اور تکلیف پہنچے اور نہ کسی کی اذیت اور تکلیف پہنچانے سے گرانی اور ملال ہو اور نہ کسی کی بے جا بات پر غیظ و غضب ہو بلکہ اپنے کو ہر ایک کا ادنیٰ خدمت گذار سمجھے۔ اور

ہر ایک کی کڑوی بات پر صبر و تحمل اور عفو و درگزر سے کام لے۔ اور لطف و کرم کا برتاؤ رکھے۔

عشق و محبت اور بندگی کا صحیح تقاضا یہی ہے کہ محبوب کی راہ کے ہر خار کو گلزار سمجھے اور ہر تلخی میں شیرینی اور لذت محسوس کرے ؎

الفت میں برابر ہے جفا ہو کہ وفا ہو　　ہر چیز میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

حج کے فضائل

حج کی فضیلت کی مختلف وجوہ ہیں۔

(۱) حج بارگاہِ رب العالمین میں حاضری اور دربارِ خداوندی کی حضوری ہے۔ مجرم و خطاکار انسان رب کریم کی چوکھٹ پر رحم و کرم کی امید میں جاتا ہے۔ اور الطاف خداوندی سے سرفراز ہوتا ہے۔ اور مشاہدہ جمال و جلال سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔ اور اپنے عشق و محبت کی تجدید و توثیق کرتا ہے۔ اور بندگی اور غلامی کا معاہدہ کرتا ہے۔ اور اپنی زندگی کو بندگی کے سانچہ میں ڈھالتا ہے۔ اور ہر نوع کی گندگی سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ حق یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر فضیلت و منقبت اور عزت و حرمت متصور بھی نہیں ہو سکتی۔ اگر اس کی جستجو میں انسان عمر بھر ان مقامات مقدسہ کا طواف کرتا رہے۔ تب بھی اس نے کچھ کھویا نہیں بلکہ سب کچھ پالیا اور فائز و کامیاب ہو گیا۔

(۲) حج اسلام کا ایک رکن عظیم ہے جس پر مذہب و ملت کی بنیاد قائم ہی اور اسی کے ساتھ دین محمدی کی تکمیل ہوئی اور نعمار الہٰیہ تمام و کمال کو پہنچیں۔ ارشاد خداوندی ہی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

آج تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل و مکمل بنا دیا اور تم پر اپنا انعام پورا کر دیا۔ اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے (ہمیشہ) کو پسند کیا۔

روایت ہی کہ جب اس آیتہ کریمہ کو سُنا تو بعض یہود نے کہا "اگر ہم پر یہ آیتہ نازل ہوتی تو ہم اس روز عید منایا کرتے۔"

اس پر امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے فرمایا واللہ میں جانتا ہوں کہ آیتہ کریمہ کس دن نازل ہوئی اور کس جگہ نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجتہ الوداع کے موقعہ پر میدان عرفات میں اپنی اونٹنی پر سوار تھے اس وقت یہ آیتہ کریمہ نازل ہوئی۔" (حسن الختام)

پس جس دن اور جس مقام پر یہ بشارت عظمیٰ امتہ محمدیہ کو سنائی گئی اور اپنی رضا اور خوشنودگی کا پروانہ عطا کیا گیا۔ وہ دن اور وہ مقام نہایت متبرک اور مقدس شمار ہو گا اور اس دن اس مقام پر اظہار غلامی اور اعتراف بندگی کرنا سعادت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ شمار ہو گا۔

(۳) تکلیفات شرعیہ تین نوع کی ہیں۔ بعض قلب سے تعلق رکھتی ہیں بعض جان سے اور بعض مال سے۔ (کوئی چوتھی نوع موجود نہیں۔ اب نماز اور

روزہ ان میں سے دو نوع کو شامل ہے۔ ہمت قلب اور مشقت جان اور زکواۃ بھی دو نوع کو جامع ہے۔ ہمت قلب اور صرف دولت۔ لیکن حج ان تینوں انواع کو جامع ہے اس لئے کہ اس میں قلب کی قوت اور ہمت بھی کام آتی ہے اور جان پر مشقت اور محنت بھی پڑتی ہے۔ اور مال بھی صرف ہوتا ہے۔ پس جس عبادت میں دل وجان مال ومتاع سب کچھ خرچ کیا جائے اور وہ تکلیفات شرعیہ کی جملہ انواع کو جامع اور مشتمل ہو۔ یقیناً اس میں اسی کی بقدر فضیلت ومنقبت ہوگی اور اسی کی بقدر اجر وثواب ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔

الاجر علی قدر النصب اجر وثواب مشقت کے بقدر ملتا ہے۔

(۴) عشق ومحبت کا تقاضا ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ محبوب کے ماسوا کو چھوڑ کر صرف محبوب کا ہو رہے۔ اسی فطری تقاضے کو پورا کرنے کے لئے فرائض خداوندی مقرر کئے گئے۔ روزہ میں بندہ کھانے پینے کو محبوب اور آقا کے لئے چھوڑتا ہے۔ زکواۃ میں اپنے مال کو محبوب پر قربان کرتا ہے۔ نماز میں تھوڑی دیر کے لئے ہر ماسوا کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور حج میں ایک طویل عرصہ کے لئے اپنے اہل وعیال۔ عزیز واقارب اور گھر اور مال ومتاع سب کچھ چھوڑ دیتا ہے۔ اور محبوب کے لئے بے دریغ جان ومال کو خرچ کرتا ہے۔ اور جہاد میں ان سب چیزوں کو چھوڑنے اور جان ومال کو خرچ کرنے کے علاوہ اپنی جان عزیز کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ اور اپنے کو راہ مولیٰ میں قربان ہونے کے لئے پیش کرتا ہے۔ پس جس عبادت میں جس قدر ماسوا حق کو زیادہ چھوڑا جائے گا۔ اسی قدر عشق ومحبت کی تکمیل ہوگی۔ اور اسی قدر اس عبادت کو فضیلت اور برتری

حاصل ہوگی۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: "کونسا عمل افضل ہے؟"۔

حضور اقدس ؐ نے ارشاد فرمایا: "اللہ اور رسول پر ایمان لانا"۔

عرض کیا گیا: "پھر کونسا عمل ہے"۔ ارشاد فرمایا: "اللہ کی راہ میں جہاد کرنا"

عرض کیا گیا: "پھر کونسا عمل ہے؟" ارشاد فرمایا: "حج مبرور"۔ (حسن عن الصحیحین)

اللہ اور رسول پر ایمان لانا عشق و محبت کی اصلی بنیاد ہے۔ جس پر بندگی کی تعمیر ہوتی ہے۔ اور اسلام کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اسی لئے تمام اعمال سے مقدم اس کا درجہ اور رتبہ ہے۔ اس کے بعد جہاد فی سبیل اللہ کا مرتبہ ہے اس لئے کہ اس میں ماسوا رحق کا ترک بھی پورا ہے۔ اور جان و مال کی بازی بھی پوری ہے۔ جو عشق و محبت کا اصلی تقاضا اور بندگی کا حقیقی مقتضیٰ ہے۔ اس کے بعد حج مبرور کا درجہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں جان عزیز کی بازی کے علاوہ ہر چیز کی قربانی ہے۔ اور تمام مالوفات اور مانوسات سے اظہار بے تعلقی ہے۔

(۵) مخلصین اور محبین اولیاء ابدال۔ اقطاب صالحین۔ مقبولین اور مقربین کا حج کے موقعہ پر اجتماع ہوتا ہے۔ اس مقدس اجتماع میں شامل ہونا ان کی ہمنوائی میں عبادت میں مشغول ہونا۔ ان کی دعاؤں میں شریک ہونا بہت بڑی سعادت اور بہت بڑی فضیلت و منقبت ہے۔ اگر اپنے اعمال اور کردار قبولیت کے لائق نہیں ہوتے تب بھی حق تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے طفیل ان کو قبول فرما لیتے ہیں اور خصوصی عطا و بخشش سے کسی کو محروم نہیں فرماتے۔ چنانچہ حضرت بلال بن رباح سے مروی ہے، کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں ارشاد فرمایا: "بلال لوگوں کو خاموش کردو۔" پھر ارشاد فرمایا: "حق سبحانہ وتعالیٰ اس مجمع کی جانب متوجہ ہوئے اور بدکرداروں کو بھی نکوکاروں کی برابر عطا فرمایا۔" (حسن الختام)

علی بن الموفق بیان کرتے ہیں۔ میں نے ایک سال حج کیا اور عرفہ کی رات مسجد خیف میں گذاری خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے اترے اور ایک نے دوسرے سے کہا: "کیا معلوم ہی اس سال بیت اللہ کا کتنے لوگوں نے حج ادا کیا؟" پھر کہا: "چھ لاکھ افراد نے حج ادا کیا ہے۔" پھر کہا: "کیا معلوم ہے ان میں سے کتنے لوگوں کا حج مقبول ہوا؟ دوسرے فرشتے نے کہا: "نہیں۔" پہلے فرشتہ نے کہا: "صرف چھ آدمیوں کا۔" پھر وہ فرشتے آسمان کی طرف چلے گئے۔ اور نگاہوں سے غائب ہوگئے میں گھبرا کر بیدار ہوگیا اور سخت رنج وفکر میں مبتلا ہوگیا کہ جب صرف چھ نفر کا حج قبول ہوا تو میں ان میں سے کیسے ہو سکتا ہوں۔ جب عرفات سے واپسی ہوئی اور مزدلفہ میں رات گذاری تو میں اسی رنج وفکر میں تھا کہ اس قدر کثیر مجمع اور صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا۔ اسی سوچ وفکر میں آنکھ لگ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ وہی دونوں فرشتے آسمان سے اترے اور انھوں نے وہی گفتگو کی۔ پھر پہلے فرشتے نے کہا: "کیا معلوم ہے آج پروردگار نے کیا حکم صادر فرمایا؟ دوسرے نے کہا: نہیں۔" پہلے فرشتے نے کہا: "ان چھ نفر میں سے ہر ایک کے طفیل میں ایک لاکھ افراد کا حج قبول فرمالیا اس طرح تمام حجاج کا حج مقبول ہوگیا اور

سب عطا و بخشش میں شریک ہوگئے" میری آنکھ کھل گئی اور فرط سرور میں جو کیفیت میری ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ (حسن الختام) ص۵

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

شیخ ابوالحسن اللولوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حج کے ارادہ سے کشتی میں سوار ہوئے۔ کشتی ٹوٹ گئی اور تمام سامان غرق ہوگیا۔ جس میں شیخ ابوالحسن کا مال تقریباً پانچ لاکھ دینار تھے۔ جب حج کا وقت قریب آگیا تو وہ اس مال کو چھوڑ کر چل دیئے۔ لوگوں نے کہا ذرا صبر کرو ممکن ہی مال نکلنے کی کوئی صورت پیدا ہوجائے۔ شیخ نے فرمایا میں اس مال کے مقابلہ میں عرفات کے قیام کو زیادہ اہم سمجھتا ہوں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے میں تاجر آدمی ہوں حج بھی کرتا ہوں اور تجارت بھی۔ ایک سال حج کے لئے نکلا تو راستہ میں پانی ختم ہوگیا۔ سارا قافلہ شدت پیاس سے پریشان ہوگیا۔ میں اپنے ساتھی کو سواری پر چھوڑ کر پانی کی تلاش میں نکلا۔ اور اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ ایک جگہ دیکھتا ہوں کہ ایک فقیر بیٹھا ہی۔ اور اپنی لکڑی کو زمین پر گاڑ رکھا ہی۔ جس سی پانی ابل رہا ہی اور وہ فقیر پانی پی رہا ہی۔ میں بھی پہنچا۔ اور خوب سیر ہوکر پانی پیا پھر قافلہ میں آیا اور مشکیزہ لاکر اس کو بھرا اور لوگ بھی اپنی مشکیزے لے آئے اور تمام قافلہ سیراب ہوگیا۔ پس جس مقام پر ایسے ایسے افراد جمع ہوں اور وہ لوگوں کے لئے دعا مغفرت کریں۔ اس مقام کی حاضری اور اس مجمع کی شرکت پانچ لاکھ اشرفی بلکہ پوری دنیا سی زیادہ قیمتی ہی۔ چنانچہ وہ مال وہیں چھوڑ کر حج کو روانہ ہوگئے (الطبری)

سب سے بڑھ کر سعادت اور فضیلت یہ ہے کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجاج کی عمومی مغفرت اور معافی کی دعا مانگی اور وہ دعا بارگاہ رب العالمین میں مقبول اور مسموع ہوئی۔ چنانچہ حضرت عباس بن مرداس سلمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام کو امتِ مرحومہ کی مغفرت کی دعا مانگی۔ دعا قبول ہوئی۔ اور ارشاد ربانی ہوا۔" میں نے سب کی مغفرت کردی۔ سوائے باہمی حقوق اور مظالم کے کہ ان کا بدلہ لیکر حقدار اور مظلوم کو دیا جائے گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دعا مانگی اور عرض کیا۔" خدایا تو اس پر بھی قادر ہے کہ ظالم کو معاف کر دے۔ اور مظلوم کو اپنے پاس سے بہتر معاوضہ دے کر خوش کردے۔" لیکن اس کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے دن مزدلفہ میں مشعر حرام پر پھر بھی دعا مانگی اور بارگاہِ خداوندی میں بار بار التجا کی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور اقدس نے تبسم فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا:" خدا آپ کو ہمیشہ شاداں رکھے۔ آپ نے کس وجہ سے تبسم فرمایا۔"

ارشاد فرمایا:" خدا کے دشمن ابلیس نے جب دیکھا کہ حق تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمالی اور ظالموں کے مظالم کو بھی معاف فرمادیا تو واویلا اور آہ و فریاد کرنے لگا۔ اور خاک میں لوٹنے لگا۔ اس کی اس حالت پر مجھے ہنسی آگئی۔

(حسن عن ابن ماجہ)

اگرچہ رحمت خداوندی کا ایک جھونکا اور ایک نگاہ لطف و کرم تمام گناہوں اور خطاؤں کو معاف کر سکتی ہے۔ حتیٰ کہ حقوق العباد اور مظالم سے

بھی سبکدوش کر سکتی ہے۔ لیکن اس امید پر گناہوں میں قصداً مبتلا ہونا اور جان بوجھ کر لوگوں کے حقوق دبانا اور دوسروں پر مظالم کرنا سخت جرات اور نادانی ہے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ نے جو شریعت نازل فرمائی اس کی پیروی کرنا اور تمام احکامات خداوندی کی پابندی کرنا دوسروں کے حقوق کی پاسداری کرنا اور ہر نوع کے مظالم اور مفاسد سے بچنا ازحد ضروری ہے۔ پھر بھی بشری حیثیت سے اگر کسی لغزش میں مبتلا ہو جائے۔ اور نادانی سے کوئی خطا اور قصور سرزد ہو جائے تو ندامت، اور شرمندگی کے ساتھ توبہ اور استغفار میں مشغول ہو اور دوسروں کے مظالم اور حقوق کو ادا کرے اور حق سبحانہ وتعالیٰ سے مغفرت اور لطف وکرم کا امیدوار رہے۔

اللھم انک عفو کریم تحب العفو فاعف عنا

یہ حج کے فضائل کی جانب چند اجمالی اشارے ہیں جن سے فی الجملہ حج کی عظمت ورفعت نمایاں ہوتی ہے۔ تمام فضائل کا نہ احصا ہو سکتا ہے اور نہ یہ مقصود ہے۔

حج کی راہ میں مرنا

مسلمان جب حج کے ارادہ سے گھر سے باہر قدم نکالتا ہی اور اپنے وطن مالوف کو چھوڑتا ہی۔ اسی وقت سی وہ حق تعالیٰ کی رحمت اور حفاظت میں آجاتا ہے۔ اور حجاج میں اس کا شمار ہونے لگتا ہی۔ پھر اگر تقدیر الٰہی سی حج ادا نہ کرسکے اور راستہ میں فوت ہوجائے تو یہ اپنا کام پورا کرچکا[1]۔ اس لئے حج کا پورا اجر و ثواب اسکو عطا کیا جائے گا۔ بلکہ مزید انعامات سی بھی نوازا جائے گا۔

چنانچہ ارشاد نبوی ہی۔

اذا خرج الحاج من بیته کان فی حرز الله فان مات قبل ان یقضی نسکه وقع اجرهٗ علی الله سبحانه وان بقی حتی قضی نسکه غفرله ماتقدم من ذنبه۔

جب حاجی اپنے گھر سے نکلتا ہی تو حق تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہی۔ پھر اگر حج ادا کرنے سے پہلے فوت ہوجائے تو اس کا ثواب متحقق ہوگیا۔ اور اگر حج ادا کرلیا تو تمام سابقہ گناہ معاف ہوگئے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "یہ گھر (بیت اللہ) اسلام کا ستون ہی۔ جو شخص اس کے ارادے سے گھر سے نکلتا ہی۔ حاجی ہو یا عمرہ کرنے والا وہ حق تعالیٰ کی ضمانت میں آجاتا ہی۔

---

[1] مگر حج بدل کرانا اپنی شرائط کے ساتھ ضروری ہی ۱۲ منہ

اگر اس کی موت واقع ہو جاتی ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اگر صحیح سالم واپس لوٹتا ہے تو اجر و ثواب اور دولت و غنیمت کے ساتھ لوٹتا ہے۔ (طبری)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ جو حج یا عمرہ کرنے والا راستہ میں فوت ہو جاتا ہے وہ بے حساب جنت میں جاتا ہے۔ اس سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جاتا (طبری)

حج ادا کرنے والا حج ادا کر کے حج کے اجر و ثواب اور خیر و برکت کو پاتا ہے۔ لیکن جو شخص حج بیت اللہ کی آرزو دل میں لے کر نکلا اور پھر اس آرزو اور تمنا کو پورا نہ کر سکا تو اس کی یہ آرزو اس طرح پوری کی جاتی ہے کہ قیامت تک ہر سال اس کو حج کا اجر و ثواب ملتا رہے گا۔ اور اس کے ثمرات اور اثرات اور برکات اس تک پہنچتے رہیں گے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

من خرج حاجاً فمات كتب له اجر الحاج الى يوم القيمة ومن خرج معتمرا فمات كتب له اجر المعتمر الى يوم القيمة ومن خرج غازيا فمات كتب له اجر الغازى الى يوم القيامة (فضائل عن الترغيب)

جو شخص حج کے لئے نکلے اور راستہ میں فوت ہو جائے اس کو قیامت تک حج کا ثواب ملتا رہے گا۔ اور جو شخص عمرہ کے لئے نکلے اور راستہ میں فوت ہو جائے اس کو قیامت تک عمرہ کا ثواب ملتا رہے گا۔ اور جو شخص جہاد کے لئے نکلے اور راستہ میں فوت ہو جائے اس کو قیامت تک جہاد کا ثواب ملتا رہے گا۔

جو شخص احرام کی حالت میں فوت ہوا ہو وہ اسی عاشقانہ انداز میں لبیک کی صدا لگاتا ہوا بارگاہِ رب العالمین میں حاضر ہوگا۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک صحابی عرفہ کے دن اپنے اونٹ سے گرے اور انتقال فرمایا۔ اسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " ان کو نہ خوشبو لگانا اور نہ خوشبو کی دھونی دینا۔ اس لئے کہ یہ اسی طرح حالت احرام میں تلبیہ پڑھتے ہوئے بارگاہِ رب العالمین میں حاضر ہوں گے۔ (طبری) وہاں یہ حاجی بیت اللہ کا نہیں۔ بلکہ رب البیت کا طواف ادا کرے گا۔ اور مشاہدہ جمال وجلال سے سرفراز ہوگا۔

پس حج اور عمرہ ادا کرنا جیسا کہ سعادت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ ہے۔ اس سے بڑھ کر سعادت اور نعمت یہ ہے کہ کوئی شخص حج کی راہ میں فوت ہو جائے اور سیدھا منزل مقصود اور بارگاہِ محبوب تک پہنچ جائے۔

لہ حنفیہ کے نزدیک محرم کو غیر محرم کی طرح غسل دیا جائے گا۔ اور یہ ان صحابی کی خصوصیت تھی جو نص صریح سے ثابت ہے ۱۲

حج کے منافع

حق سبحانہ وتعالیٰ حکیم مطلق ہے اس کا کوئی فعل حکمت ومصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ اور اس کے ہر حکم میں مخلوق کے لئے ہزاروں مصالح اور منافع ہوتے ہیں۔ پھر جس چیز میں جس قدر منافع زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی قدر اس کی اہمیت اور تاکید زیادہ ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ فرائض خداوندی وہ احکام ہیں جن کے بغیر زندگی محض ناکارہ ہے جیسا کہ جسم انسانی بغیر آب ودانہ کے باقی نہیں رہ سکتا۔ اور اس آب ودانہ میں اس کے لئے بے شمار منافع اور فوائد مضمر ہیں۔ اسی طرح روح انسانی بغیر فرائض خداوندی کے زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور فرائض خداوندی میں انسان کی روح اور جسم کے لئے بے شمار منافع اور فوائد مضمر ہیں۔

حج بیت اللہ بھی فرائض خداوندی میں ایک اہم فریضہ ہے۔ اور اسلام کا بنیادی رکن ہے پس اسی حیثیت سے اس کے منافع اور فوائد بھی بہت اہم اور بیشمار ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ۔

اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو (اس اعلان سے) لوگ تمہارے پاس (یعنی تمہاری اس عمارت کے پاس حج کے لئے) چلے آئیں گے پاؤں چل کر بھی اور ایسی اونٹنیوں پر سوار ہو کر بھی جو

دور دراز کا راستوں سی چل کر آئی ہوں۔
(اور سفر کی وجہ سی دُبلی ہو گئی ہوں) تاکہ
یہ آنے والے اپنے منافع حاصل کریں۔

فرائض خداوندی میں دینی منافع بھی ہوتے ہیں اور دنیوی منافع بھی۔ دینی منافع اصل اور مقصود بالذات ہوتے ہیں۔ اور دنیاوی منافع مقصود نہیں ہوتے بلکہ ضمناً اور تبعاً حاصل ہوتے ہیں اور دنیوی منافع کو مقصود بالذات بنانا ان فرائض کی دینی حیثیت کو ضائع اور برباد کرنا ہی۔ فرائض اسی وقت تک فرائض رہتے ہیں جب تک کہ ان کو محض حکم خداوندی کی حیثیت سی بجا لایا جائے اور ان سی مقصود محض رضاء الٰہی اور فرمانبرداری ہو دیگر اغراض کی شمولیت حقیقی بندگی کے بالکل منافی اور ایک نوع کا شرک ہی۔ ارشاد ربانی ہی۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔

جو شخص اپنی پروردگار کی ملاقات کا امیدوار ہو اُس کو چاہیے کہ عمل صالح کرے اور اپنے پروردگار کی فرمانبرداری میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہی لیکن اس کا خیال یہ بھی ہوتا ہی کہ شاید مال غنیمت حاصل ہو جائے اس شخص کا کیا حکم ہے۔ اس پر آیتہ مذکورہ نازل ہوئی۔ جس میں واضح کر دیا گیا کہ اتنی سی غرض کی آمیزش بھی بندگی میں شرک شمار ہوتی ہی۔ اور اس عمل خیر کو ناکارہ بنا دیتی ہی۔ جس کے باعث وہ آخرت میں کام نہیں آتا۔ آخرت میں صرف وہی عمل

کام آئے گا جو محض اللہ کے لئے ہو اور اس سے مقصود صرف رضائے الٰہی اور فرمانبرداری ہو۔ اور بس۔

اسی حیثیت سے حج بیت اللہ میں بھی بے شمار دینوی منافع اور فوائد مضمر ہیں اور چونکہ یہ اجتماعی عبادت ہے۔ اس لئے وہ تمام منافع بھی ایسے ہیں جن سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی بنتی ہے۔ اور سنورتی ہے۔ لیکن ان کا حصول اسی وقت متصور ہو سکتا ہے جب یہ مقصود اور مطمح نظر نہ ہوں۔ اور ہر عبادت پر دینوی منافع اسی وقت مرتب ہوتے ہیں۔ جب ان منافع پر نظر نہ ہو۔ اور وہ عبادت خالص اللہ کے لئے کی گئی ہو۔ پھر حق سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے یہ مزید انعام ہوتا ہے۔ کہ اس عبادت کے اثرات اور ثمرات دینوی زندگی پر نمایاں ہوتے ہیں۔ جو بے حد حساب ہوتے ہیں۔ اور ان کا ادراک اور احساس بشری طاقت سے باہر ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ نے اپنی کتاب "فضائل حج" میں حج کے بعض منافع کو شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اہلِ ذوق اس کا مطالعہ کر لیں۔

عُمرہ کی فضیلت

حج کے لئے وقت اور دن مقرر ہے۔ وہ مقررہ وقت اور مقررہ ایام ہی میں ادا ہو سکتا ہے اور سال بھر میں صرف ایک ہی ادا ہو سکتا ہے۔ بیتاب دلوں کے لئے یہ سخت کٹھن مشکل تھا کہ سال بھر میں صرف ایک بار مشاہدہ جمال وجلال نصیب ہو اور باقی ایام تڑپ اور بیقراری میں گذریں۔ اس لئے فضل ایزدی شامل ہوا اور لطف خداوندی نے دستگیری فرمائی اور اپنی بارگاہ کی حاضری اور دربار کی باریابی کو غیر موقت اور غیر متعین کر دیا اور اذن عام ہو گیا۔ کہ جس وقت جس کا دل چاہے دربار شاہی میں حاضر ہو جائے۔ اور نظر لطف وکرم سے سرفراز ہو۔ ایام حج کے علاوہ دیگر اوقات میں بیت اللہ کی زیارت اور دربار احکم الحاکمین کی حاضری کو عمرہ کہتے ہیں۔ جس کے لئے کوئی وقت اور دن مقرر نہیں۔ جب دل چاہے احرام باندھے اور حاضر دربار ہو جائے۔

پس غیر ایام حج میں حج کا بدل عمرہ ہے۔ اور یہ بھی گویا چھوٹا حج ہے جس کے ذریعہ حج کے منافع اور فوائد اور حج کی خصوصیات اور برکات حاصل کی جاتی ہیں۔ اور بارگاہِ خداوندی میں حاضری نصیب ہوتی ہے۔ اسی لئے حج کے ساتھ ساتھ عمرہ کا بھی حکم کیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔

اور پورا پورا ادا کرو حج اور عمرہ کو خالص اللہ جل شانہ کے واسطے۔

اور جو فضائل اور مناقب حج کے لئے تھے وہی عمرہ کے لئے بھی رکھے گئے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

افضل الاعمال حجۃ مبرورۃ او عمرۃ مبرورۃ۔ (فضائل عن احمد)

افضل ترین عمل حج مقبول ہے یا عمرہ مقبول

اور حج کے ذریعہ جس طرح گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عمرہ کے ذریعہ بھی گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے اور زندگی میں جو انقلاب عظیم حج کی وجہ سے رونما ہوتا ہے وہی انقلاب عمرہ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور انسان کی کایا کلپ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔

العمرۃ الی العمرۃ کفارۃ لما بینھما۔ (فضائل عن مشکوٰۃ)

ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیانی حصہ کے لئے کفارہ ہوتا ہے۔

یعنی ایک عمرہ ادا کرنے کے بعد جس قدر خطائیں اور لغزشیں سرزد ہوئیں دوسرے عمرہ سے وہ سب معاف ہو جائیں گی اور تمام درمیانی گناہوں اور خطاؤں کا کفارہ ہو جائے گا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ "ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کفارہ ہے۔ درمیان کے گناہوں اور خطاؤں کا۔"

اور جس طرح حج کرنے والے خدائی وفود اور اللہ رب العالمین کے مہمان اور زائرین ہیں۔ اسی طرح عمرہ ادا کرنے والے بھی خدائی وفد ہیں۔ اور اللہ رب العالمین کے مہمان اور زائرین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اور اسی حیثیت سے ان کا اعزاز و اکرام ہوتا ہے۔ ان کی معروضات کو سنا جاتا ہے اور قبول کیا جاتا ہے۔ اور ہر نوع کے انعامات سے ان کو نوازا جاتا ہے۔ جیسا کہ

ارشاد نبوی ہے۔

الحاج والعمار وفد اللہ ان دعوہ اجابھم وان استغفروہ غفر لھم

(فضائل عن مشکوٰۃ)

حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ جل شانہ کے وفود ہیں۔ اور اگر لوگ دعا مانگیں تو اللہ جل شانہ ان کی دعا کو قبول کرتا ہے اور اگر وہ مغفرت چاہیں تو ان کے گناہوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ خدائی وفد تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا دوسرے بیت اللہ کا حج کرنے والا۔ تیسرے عمرہ ادا کرنے والا۔ (مشکوٰۃ)

ایک روایت میں ہے کہ حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا اللہ جل شانہ کا وفد ہیں۔ جب دعا کرتے ہیں قبول ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے جو سوال کرتے ہیں وہ پورا کیا جاتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ کا وفد ہیں جو مانگتے ہیں وہ ان کو ملتا ہے۔ اور جو دعا کرتے ہیں وہ قبول کی جاتی ہے اور جو خرچ کرتے ہیں اس کا بدل ان کو ملتا ہے۔ اور ایک ایک درم کے بدلے میں دس دس لاکھ درم دئے جاتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ حج جیسا کہ بڑی سعادت ہے۔ اور حاجی کا ہر طرح اعزاز و اکرام ہوتا ہے۔ اسی طرح عمرہ بھی ایک بڑی سعادت ہے۔ اور

عمرہ ادا کرنے والے کا بھی ہر نوع سے اعزاز و اکرام کیا جاتا ہے۔ اور اگر حج اور عمرہ دونوں کو ایک ساتھ ادا کرے تو پھر یہ دو سعادتوں کا اجتماع ہے۔ اور دو بڑی نعمتوں کا حصول ہے۔ جو درحقیقت نورٌ علیٰ نور ہے۔

ارشاد نبوی ہے۔

تابعوا بین الحج والعمرۃ فانھما ینفیان الفقر والذنوب کما ینفی الکیر خبث الحدید والذھب والفضۃ۔ (فضائل عن مشکوٰۃ)	حج اور عمرہ کو ایک ساتھ ادا کرو اس لئے کہ ایسا کرنا مفلسی اور گناہوں کو ایسا دور کر دیتا ہے جیسا آگ کی بھٹی لوہے اور سونے اور چاندی کے میل کو دور کر دیتی ہے۔

دو عبادتوں کو جمع کر لیا ہے اس لئے اس کے منافع اور اثرات بھی زائد ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر عمرہ کو رمضان المبارک میں ادا کیا جائے تو ماہ مبارک اور روزوں کی برکت اور اثرات شامل ہو کر اس عمرہ کی عظمت و وقعت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اور رمضان کا عمرہ حج کے برابر شمار ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت ام سلیم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا "میرے خاوند ابو طلحہ اور ان کے بیٹے تو حج کو چلے گئے اور مجھے چھوڑ گئے۔"

حضور اقدس ؐ نے ارشاد فرمایا "رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے جانے لگے۔ تو ایک صحابیہ نے اپنے خاوند سے کہا کہ "مجھے بھی حضور کے ساتھ حج کرادو۔"

خاوند نے کہا۔ "کہ میرے پاس سواری نہیں ہے۔"

بیوی نے کہا: "فلاں اونٹ موجود ہے۔"

خاوند نے کہا: "وہ تو میں اللہ کے راستہ میں وقف کر چکا ہوں۔"

چنانچہ یہ صحابیہ حج کو نہ جا سکیں۔ جب حضور اقدس حج سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو خاوند نے سارا قصہ حضور اقدس کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا: "حج بھی تو اللہ تعالیٰ کا ہی کا راستہ ہے۔ اگر اس اونٹ پر حج کرا دیتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔

پھر خاوند نے عرض کیا۔ حضور میری اہلیہ نے سلام عرض کیا ہے اور یہ دریافت کیا ہے کہ آپ کے ساتھ حج نہ کرنے کی اب کیونکر تلافی ہو سکتی ہے؟

حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا: "میری طرف سے ان کو سلام کہہ دینا۔ اور کہہ دینا کہ رمضان المبارک میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔ (ابوداؤد)

اسی قسم کا قصہ حضرت ام سنان اور حضرت ام معقل اور حضرت ام طلیق اور حضرت ام ہیثم کے ساتھ پیش آئے یہ سب حج کو جانا چاہتی تھیں۔ لیکن کسی نہ کسی عذر کی وجہ سے نہ جا سکیں تو حضور اقدس نے ہر ایک سے یہی ارشاد فرمایا "ماہِ مبارک کا عمرہ حج کے برابر ہے۔"

رمضان کا عمرہ حج کے برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس عمرہ کی فضیلت

اور اجر و ثواب حج کے برابر ہے۔ نہ یہ کہ رمضان میں عمرہ کرنے کی وجہ سے فریضہ حج ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ (فضائل)

حج و عُمرہ کے آداب

ہر عبادت کے لئے کچھ آداب و شرائط مقرر ہوتے ہیں۔ جن سے اس عبادت میں آب و تاب اور رونق و بہار آتی ہے۔ اور بارگاہِ خداوندی میں شرف قبولیت نصیب ہوتا ہے۔ حج اور عمرہ بھی چونکہ اہم عبادت ہے اور دربار رب العالمین کی حاضری ہے۔ اس حیثیت سے اس کے لئے بھی آداب و شرائط مقرر ہیں۔ جن سے حج اور عمرہ کی آب و تاب اور رونق و بہار بڑھتی ہے اور بارگاہِ رب العالمین میں یہ حاضری مقبول اور معتبر شمار ہوتی ہے۔

آداب کی رعایت اس عبادت کی اصل روح ہوتی ہے۔ جس سے عبادت میں شگفتگی اور تازگی پیدا ہوتی ہے۔ اور قرب خداوندی اور رضائے الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ پس عبادت کرنا اور اس عبادت کے آداب کی بجا آوری میں سستی اور کوتاہی برتنا اس عبادت کی اصلی روح کو فنا کر دیتا ہے۔ اور اس عبادت کے حقیقی منافع اور ثمرات اور اثرات اور خصوصی برکات سے محرومی ہے اس لئے کہ وہ عبادت عبادت ہی نہیں۔ جس میں آداب کا لحاظ نہ ہو اور غفلت و مدہوشی کے ساتھ ادا کی جائے۔

حج بار بار نصیب نہیں ہوتا۔ اس لئے جب خدا اس کی توفیق دے تو پورے

آداب وشرائط کے ساتھ اس کو ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جس قدر آداب کی پابندی ہوگی اسی قدر حج کے منافع سے بہرہ اندوز ہوگا۔ اور الطاف خداوندی سے سرفراز ہوگا اور قرب خداوندی اور رضاء الٰہی کی دولت نصیب ہوگی۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی ذراسی کوتاہی اور لاپرواہی کی بدولت مشقت بھی اٹھائے اور پھر بھی حج کی حقیقی برکتوں اور خصوصی نعمتوں سے محروم رہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے کتاب فضائل حج میں حج کے آداب شرح وبسط کے ساتھ نقل فرمائے ہیں۔ اور کچھ آداب شیخ محمد بن محب الدین طبری نے اپنی کتاب "التشویق الی بیت اللہ العتیق" میں نقل کئے ہیں۔ جن کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) جب اسباب سفر مہیا ہوجائیں اور مصارف موجود ہوں تو حج کے ارادہ میں سستی اور تاخیر نہ کرے بالخصوص اگر حج فرض ہو تو اس فریضہ سے جلد سبکدوشی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اور معمولی موانع اور خیالی اعذار کی پرواہ نہ کرے شیطان اس اہم عبادت کی ادائیگی میں بڑی رکاوٹ ڈالتا ہے۔ اور طرح طرح کے خیالات اور وسوسے پیدا کرتا ہے۔ اور مختلف ضرورتوں کو سامنے لاتا ہے۔ ان سب کا مردانہ وار مقابلہ کرے اور بنام خدا خدا کی بارگاہ کی باریابی کے لئے نکل کھڑا ہو۔

(۲) جب اس مبارک سرزمین کی زیارت کا شوق اور قصد ہو تو پہلے کسی دیندار مخلص خیرخواہ کو اپنی تمام ضرورتوں اور مجبوریوں کو ذکر کرکے مشورہ لے۔ اور اگر اس وقت سفر کرنا احباب اور مخلصین کی رائے میں بھی مناسب ہو

تو استخارہ مسنونہ شروع کرے اور جب تک دل میں کوئی بات پختہ طور پر نہ جم جائے برابر استخارہ کرتا رہے۔ استخارہ نفس حج کا نہ کرے اس لئے کہ حج سراسر خیر ہے۔ اور

"درکارِ خیر حاجت استخارہ نیست"

بلکہ تعیین وقت اور موجودہ حالات میں سفر کرنے کے لئے استخارہ کرے۔

استخارہ درحقیقت اللہ رب العالمین سے استشارہ اور طلب خیر ہے اس لئے شریعت میں اس کی بہت اہمیت ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو تمام اہم امور میں استخارہ کا حکم فرماتے تھے۔ اور قرآن کی سورۃ کی طرح ان کو دعاء استخارہ یاد کراتے تھے۔" دعاء استخارہ اور استخارہ کا طریقہ اکثر حج کی کتابوں میں مذکور ہے۔ کتاب رفیق حج میں بھی اس کو بیان کیا گیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

(۲) جب حج کا ارادہ پختہ ہو جائے تو تمام گناہوں سے سچی توبہ کرے اور اپنی سابقہ زندگی پر نادم و شرمسار ہو اور دوسروں کے حقوق اور قرض خواہوں کا قرضہ ادا کرے۔ اگر کسی پر ظلم کیا ہو یا بے وجہ کسی کو تکلیف پہنچائی ہو، یا کسی کی غیبت اور برائی کی ہو۔ تو اس سے معافی مانگے اور جس طرح ممکن ہو اس کو خوش کر دے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"ذرا سے حرام مال کی واپسی کرنا بارگاہِ خداوندی میں ستر حج کے برابر ہے۔"

اگر اپنے مظالم کی مکافات نہ کر سکتا ہو یا دوسروں کے حقوق کو ادا نہ کر سکتا ہو۔ تو خداوند کریم سے سچا عہد کرے کہ جب بھی قدرت و استطاعت ہو گی دوسروں کے حقوق کو ادا کر دوں گا اور مظالم کی مکافات کروں گا۔ اور اس کی ایک

یادداشت لکھ کر اپنے پاس رکھے۔ ایسے ہی اگر زکواۃ وغیرہ کا روپیہ اپنے ذمہ ہے۔ یا روزہ اور نماز اپنے ذمہ ہے۔ اور اس وقت ان کی ادائیگی ناممکن ہے۔ تو ان کی ادائیگی کا پختہ ارادہ کرے اور عہد کرے کہ جب بھی استطاعت ہوگی۔ تمام حقوق کو ادا کروں گا خواہ وہ حقوق خالق اور مالک کے ہوں یا اس کی مخلوق کے۔

غرض تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوکر اور گناہوں کی کدورتوں سے پاک وصاف ہوکر بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہو تاکہ الطاف خداوندی سے سرفراز ہو ورنہ رب البیت کے عتاب کا اندیشہ ہے اور اس مقدس جگہ کے فیوض و برکات سے محرومی کا خدشہ ہے۔

جانے سے قبل والدین سے اجازت لے اگر وہ ناخوش ہوں تو انکو رضامند کرے اور جن لوگوں کا خرچہ اور نفقہ اس کے ذمہ ہے ان کے لئے کوئی ایسا بندوبست کر جائے کہ وہ واپسی تک پریشان نہ ہوں۔

(۴) اپنے ارادہ اور نیت کو درست کرے اور دل میں گناہوں کی مغفرت۔ باطن کی صفائی۔ خداوند کریم کی رضا جوئی۔ حکم خداوندی کی بجا آوری کی خواہش اور آرزو کو مستحکم اور مضبوط کرے اور دیگر تمام اغراض اور خیالات کو دل سے نکال دے۔ اس سفر میں اکثر ریا اور نمود کو دخل ہوتا ہے۔ آرزو یہ ہوتی ہے۔ کہ حاجی کہلاؤں اور لوگوں کی نگاہوں میں عزت و وقعت ہو اور سمجھتا یہ ہے کہ دل میں حج اور زیارت بیت اللہ کا شوق ہے۔ ریا اور نمود کے لئے کسی بڑی سے بڑی عبادت کو ادا کرنا اس عبادت کو ضائع کرنا ہے۔ اور اس کے منافع اور اجر و ثواب اور برکات سے

محرومی ہے۔

جہانتک ممکن ہو سکے دینوی مفاد اور منافع کے خیال سے دل کو پاک رکھے۔ تجارت وغیرہ کا بھی ارادہ نہ کرے تاکہ پریشان خاطر نہ ہو۔ اور قلب وجوارح اطمینان اور سکون کے ساتھ شعائر اسلامی اور ارکان حج کی بجا آوری اور تعظیم وتکریم میں مشغول رہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "قریب ہی لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ میری امت کے بادشاہ شہرت کے لئے حج کریں گے۔ اور امرار بڑائی اور رفعت کے لئے حج کریں گے اور متوسط طبقہ کے لوگ تجارت کی غرض سے حج کریں گے۔ اور غربار سوال اور مانگنے کے لئے حج کریں گے اور علمار ریا اور دکھلاوے کے لئے حج کریں گے"

اس ارشاد نبوی میں ان تمام اغراض ومقاصد کو بیان فرما دیا گیا ہے جو حج کے منافی ہیں اور خلوص نیت کو برباد کرکے حج کی فضیلت اور برکات سے محروم کر دیتے ہیں

اگر خرچ کم ہو اور بغیر تجارت یا مزدوری کے چارہ نہیں تو پھر تجارت یا مزدوری کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن ضمناً اور تبعاً کرے اور اس کو مقصود اصلی نہ بنائے۔

اور اس سے بھی بدتر شے یہ ہے کہ خود حج کی تجارت کرے اور حج کو حصُولِ زر کا ذریعہ بنائے اور دوسروں سے روپیہ لے کر ان کی جانب سے حج ادا کرے اور اس طرح روپیہ جمع کرے اس لئے کہ یہ دین کے عوض دنیا کی خریداری ہے۔ اور بدترین جرم ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص سفر حج کی استطاعت نہ رکھتا ہو

یا دیگر حالات اور ضروریات کی وجہ سے خود سفر کرنے سے مجبور ہو۔ اور واقعی حج و زیارت کا شوق دامنگیر ہو تو دوسرے کی طرف سے سفر حج ادا کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ دنیوی منفعت کے خیال سے بالکل خالی ہو اور مقصد محض زیارت بیت اللہ اور اپنے مسلمان بھائی کی اعانت ہو۔ ایسے حج کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

یدخل اللہ تعالیٰ ثلثۃ الجنۃ بحجۃ واحدۃ الموصی بھا والمنفذ لھا والحاج بھا عن اخیہ (الطبری)	حق تعالیٰ تین شخصوں کو ایک حج کی وجہ سے جنت میں داخل فرماتے ہیں۔ حج کی وصیت کرنے والے کو۔ حج کے لئے روپیہ دینے والے کو۔ اپنے بھائی کی طرف سے حج کرنے والے کو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے "کہ جو شخص کسی کی طرف سے حج کرے اس حج کرنے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا اس شخص کو ہوا جس کی طرف سے حج کیا جاتا ہے۔ (فضائل)

پس اگر دوسرے کے روپیہ سے حج ادا کیا جائے تو اس سے مقصد حج کی سعادت اور اجر و ثواب کا حصول ہو۔ جلب زر اور حصول مال مقصود نہ ہو اور اس کو مستقل مشغلہ اور ذریعہ تجارت نہ بنائے۔ اس لئے کہ دین کے طفیل دنیا عطا ہوتی ہے۔ لیکن دنیا کے بدلے دین عطا نہیں کیا جاتا۔

(۵) حج کی کیفیت ارکان اور شرائط اور مناسک کی ادائیگی کا طریقہ اور حج کے آداب اور مستحبات اور فضائل مناقب کو معلوم کر کے خوب

ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ اس لئے کہ عمل بغیر علم کے نہیں ہو سکتا۔ اور ناواقف کا کرنا اکثر نہ کرنے سے بدتر ہو جاتا ہے۔ اسی لئے بقدر ضرورت ہر چیز کا علم حاصل کرنا ضروری اور فرض ہے۔ بہت لوگ سفر کی صعوبتیں اور کثیر اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ لیکن اپنی ناواقفیت کی وجہ سے حج ادھورا اور ناتمام کرتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی لغزشوں کے باعث بڑی بڑی نعمتوں سے محروم رہ جاتے ہیں بلکہ بسا اوقات الٹی لعنت اور اللہ کے غضب کو لے کر لوٹتے ہیں۔ حج جیسا قابل اہتمام ذی شان کام مطوفوں کے بھروسے پر چھوڑ دینا عقل اور سمجھ کے بالکل خلاف ہے۔

بہتر یہ ہے کہ حج کی روانگی سے پہلے حج کے متعلق معتبر اور مستند کتابوں کو بار بار پڑھ لے تاکہ فی الجملہ ان مسائل سے واقفیت اور مناسبت پیدا ہو جائے اور پھر ان کتابوں کی مدد سے واقفوں کی رہنمائی میں تمام حج کو ادا کرے۔ اور ہر کام میں کتابوں اور عالموں کی جانب رجوع کرے حج کے متعلق بہت کتابیں اور رسالے شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے معتمد اور مستند کتابوں کا انتخاب کرے۔ اگر ان چند کتابوں کو بھی مطالعہ میں رکھے تو انشاء اللہ بہت مفید ہوگا۔ اور ہر قسم کی مدد ملے گی۔

(۱) زبدۃ المناسک۔ مؤلفہ قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) زیارت الحرمین مؤلفہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی۔

(۳) فضائل حج۔ مؤلفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

کاندہلوی مدظلہٗ

(۴) معلم الحجاج - مولفہ مفتی سعید احمد صاحب زید مجدہٗ مفتی سہارنپور اس نادان کا رسالہ "رفیق حج"۔ اور "حجۃ الوداع" بھی ہمراہ رکھے شاید ان سے کچھ نفع پہنچ جائے۔ اور بہتر یہ ہے کہ پہلے فضائل حج کا خوب مطالعہ کرے تاکہ اس سے وہ ذوق و شوق اور کیفیت پیدا ہو جائے جو حج کی اصلی روح ہے۔ اور حج کے تمام ارکان و افعال کی عظمت و فضیلت خاطر نشین ہو جائے جس قدر ذوق و شوق اور عظمت و محبت کے ساتھ اس راہ کو طے کیا جائے گا اور شعائر حج کی ادائیگی ہوگی اسی قدر حج کے منافع اور برکات سے سرفراز ہوگا۔

(۵) روانگی سے قبل ایسے رفیق سفر تلاش کرے جو دیندار اور صالح ہوں امور خیر کی جانب سبقت کرنے والے ہوں۔ نیک کاموں کے خوگر ہوں اور برائیوں اور بُرے کاموں سے متنفر اور بے زار ہوں اور اپنی طبیعت سے موافقت اور مناسبت رکھتے ہوں۔ اگر ان اوصاف کے علماء کا ساتھ ہو جائے تو اور بھی بہتر ہے۔ تاکہ مسائل معلوم کرنے میں سہولت ہو۔ اور ان کی معیت میں ہر کام سنت کے موافق ادا ہو۔ رفقاء کی صلاحیت کی برکت سے بعض دفعہ حج کی قدر و قیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اور اس مبارک سفر کے منافع بیش از بیش حاصل ہوتے ہیں۔

مخول بن عبداللہ سے منقول ہے کہ بہیم عجلی میرے پاس آئے کہ میرے لئے کوئی اچھا رفیق حج تلاش کر دیجئے۔ میں ان کو اپنے دوست اور پڑوسی کے پاس لے گیا جو اس سال حج کا ارادہ کر رہے تھے۔ اور دونوں

کا تعارف کرا دیا۔ ہنیم اپنے گھر لوٹ گئے اس کے بعد میرا دوست آیا اور کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہنیم بہت رونے والے ہیں ان کی عادت سے سارے سفر میں تکدر رہے گا۔ بہتر یہ ہے کہ تم میرے لئے کوئی دوسرا رفیق تلاش کر دو۔ میں نے ان کو سمجھایا کہ تمہیں ہنیم سے بہتر رفیق نہ ملے گا۔ چنانچہ جب وہ دونوں روانہ ہونے لگے تو میں نے دیکھا کہ ہنیم زار و قطار رو رہے ہیں جس سے ان کی ڈاڑھی اور کپڑے سب تر ہو گئے۔ میرے دوست نے مجھ سے کہا دیکھو میں نے پہلے ہی تم سے کہا تھا کہ ایسے شخص کا ساتھ نبھانا بہت مشکل ہے۔ میں نے ان کو سمجھایا کہ شاید اہل و عیال کو چھوڑنے کی وجہ سے یہ کیفیت پیدا ہو گئی تم ان کی رفاقت کو غنیمت جانو۔ ہنیم نے کہا یہ بات نہیں بلکہ مجھے اس وقت سفر آخرت یاد آ گیا۔ یہ کہا اور چیخیں مار کر رونے لگے۔ میرے دوست نے مجھ سے کہا تم نے مجھے عجیب مشکل میں مبتلا کر دیا اور میرے ساتھ بڑی دشمنی کی۔ ہنیم کو تو شیخ داؤد طائی کے ساتھ کیا ہوتا۔ تاکہ دونوں مل کر روتے اور فنا ہو جاتے۔ میں نے اس کو پھر سمجھایا اور کہا ان کی رفاقت تمہارے لئے سودمند ہو گی۔ بالآخر وہ دونوں حج کو روانہ ہو گئے جب حج سے واپس ہوئے تو میں دوست سے ملنے گیا وہ مجھے دیکھتے ہی بولے خدا تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے میرے خیال میں ہنیم جیسا آدمی مخلوق میں موجود نہیں۔ وہ مجھ پر خرچ کرتے تھے۔ حالانکہ وہ تنگدست تھے اور میں مالدار اور وہ میری خدمت کرتے تھے حالانکہ وہ بوڑھے تھے اور میں جوان۔ خود روزہ رکھتے تھے اور مجھ بے روزہ دار کے لئے کھانا تیار کرتے تھے۔ میں نے دریافت کیا ہنیم کا زیادہ رونا جو تمہیں اصل ناگوار تھا اس کا کیا ہوا؟ میرے دوست نے کہا ان کے رونے نے مجھ پر بھی اثر کیا اور

میں بھی ان کے ساتھ رویا دوسرے رفقا بھی اس سے متاثر ہوئے اور وہ بھی ہمارے رونے میں شریک تھے۔ اور اس آہ و بکا کے ذریعہ ہیم نے سب کے قلوب کو مسرور کیا۔ پھر میں ہیم سے ملا۔ اور ان سے دریافت کیا اپنے رفیق سفر کو کیسا پایا؟ انہوں نے کہا وہ بہترین رفیق تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کرتا تھا۔ قرآن پاک کی تلاوت خوب کرتا تھا اور آخرت کی یاد سے جلد رو دیتا تھا۔ خدا تمہیں جزا خیر عطا فرمائے۔

یہ اس سفر کی رفاقت کا ایک ادنیٰ نمونہ اور چھوٹی سی مثال ہے۔ جسیوں کے ساتھ انسان اس سفر کو گذارے گا انہی کے رنگ میں رنگا جائے گا اور انہی کی خوبو اختیار کرے گا۔

(۶) جو سواری کرایہ پر کرے اچھی اور جاندار ہو کرایہ کا معاملہ بالکل صاف ہو۔ مالک کی اجازت سے زائد اس پر سامان نہ رکھے۔ جو کچھ سامان رکھنا ہو مالک کو دکھلادے۔ سواری کی راحت اور مالک کی سہولت کا برابر خیال رکھے یہ سفر عبادت ہے اس میں دوسرے کو اذیت نہ ہو اور کسی قسم کی خیانت نہ ہو اگر سفر ریل یا موٹر یا جہاز پر ہو تو قانون اور دستور سے زیادہ سامان نہ لے۔ نہ اپنے حق سے زیادہ جگہ پر قابض ہو۔ رشوت دے کر دوسروں کی حق تلفی بہت نازیبا حرکت ہے۔

(۷) سفر خرچ اور زاد راہ حلال اور غیر مشتبہ مال سے لینا چاہیئے۔ حرام مال سے ہرگز سفر حج نہ کرنا چاہیئے۔ مال کے حلال ہونے کو حج کی قبولیت میں بڑا دخل ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

"جب انسان حرام مال سے حج کرتا ہے اور لبیک کہتا ہے تو حق تعالیٰ کی جانب

جواب ملتا ہی تیری لبیک قبول نہیں۔ اس لئے کہ تیرا توشہ حرام کا ہی۔ اور تیری سواری حرام کی ہی۔ اور تیرے کپڑے حرام کے ہیں پس اپنے گناہوں سمیت لوٹ جا تیرے لئے کوئی اجر و ثواب نہیں۔"

حرام مال سی حج کرنے میں اگرچہ فرض ذمہ سی ساقط ہو جائیگا مگر ایسے حج کی قبولیت کی کوئی امید نہیں اور حج کے اجر و ثواب اور اثرات و برکات سے محرومی یقینی ہی۔ حرام سوال کے ذریعہ جو روپیہ حاصل کیا ہو وہ بھی بمنزلہ حرام مال کے ہی۔

(۸) روپیہ پیسہ اپنی وسعت اور ہمت کے موافق خوب ساتھ لینا چاہیئے۔ تاکہ راستے میں ضعیفوں اور محتاجوں اور ہمراہیوں پر دل کھول کر خرچ کر سکے۔ حج کی راہ میں خرچ کرنا بڑی سعادت اور بڑی فضیلت کی بات ہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہی" حج کی راہ میں خرچ کرنا ویسے صدقہ وخیرات کرنے سے ستر گنا زائد اجر میں بڑھا ہوا ہی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا "حج مبرور" کس کو کہتے ہیں۔"

حضور اقدس نے ارشاد فرمایا "حج مبرور اچھی طرح گفتگو کرنا اور اچھا کھانا کھلانا ہی۔" یعنی خندہ پیشانی سی گفتگو کرنا اور خوش دلی سی دوسروں کو کھانا کھلانا حج مقبول ہونے کی علامت ہی۔ پھر کھانا لذیذ اور مزے دار بھی ہو۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں" توشہ کا لذیذ ہونا انسان کے کریم ہونیکی علامت ہی۔" اس راہ میں خرچ کرنا چونکہ صدقہ وخیرات سے بدرجہا افضل ہی۔ اور

حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودگی کا ذریعہ ہو۔ اس لئے جو کچھ بھی خرچ کرے طیب نفس اور انشراح خاطر کے ساتھ خرچ کرے۔ زیادتی خرچ کی وجہ کو تنگدل اور ملول نہ ہو۔ جس قدر سفر حج میں خرچ زیادہ ہو گا اسی قدر حج قیمتی اور وزنی شمار ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ کو فرمایا تھا۔ "تمہارے حج کا ثواب تمہارے خرچ کے بقدر ہو گا۔

(۹) مناسب ہو کہ اس مبارک سفر میں کھانے پکانے میں کسی کی شرکت نہ کرے اس میں ہر وقت تنگی اور جھگڑے رہتے ہیں۔ البتہ باری باری رفقا کے یہاں کھانا اور ساتھ مل کر کھانا مستحسن ہو۔ اس کو تعلقات قائم ہوتے ہیں اور محبت بڑھتی ہو۔ اگر کسی وجہ کو شرکت پر مجبور ہو تو سب سے زائد خرچ کرے اور سب سے زائد کام کرے اور سب سے کم کھائے اس لئے کہ اس مبارک سفر میں جس قدر زائد خرچ اور خدمت کرے گا اسی قدر فائز و کامیاب ہو گا خرچ اور خدمت دونوں مستقل ثواب کی چیزیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ جب حج کا ارادہ کرتے تو ان کو ملنے والے جمع ہو جاتے اور کہتے کہ ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے۔ حضرت ابن مبارک ان کو فرماتے: "تم اپنا سفر خرچ لے آؤ۔"

سب کا سفر خرچ لے کر صندوق میں رکھتے اور اس کو مقفل کر دیتے۔ پھر اپنے پاس کو ان سب کے لئے سواری کرایہ کرتے اور شہر مرو سے بغداد پہنچتے۔ اور بغداد کو مدینہ منورہ۔ راستہ میں اچھے اچھے کھانے اور مٹھائیاں ان کو کھلاتے تھے اور ہر طرح کی خاطر و مدارات کرتے تھے۔ مدینہ منورہ پہنچکر ہر ایک کو دریافت

فرماتے تمہارے گھر والوں نے یہاں کی کس چیز کی فرمائش کی ہے۔ وہ شخص جو چیز بتلاتا۔ وہ اس کو خرید دیتے۔ پھر مکہ مکرمہ پہنچتے اور حج سے فارغ ہونے کے بعد ہر ایک سے دریافت فرماتے تمہارے گھر والوں نے یہاں کی کس چیز کی فرمائش کی ہے؟ وہ بھی سب خرید کر ان کو دیدیتے اور اسی طرح خاطر و مدارات کے ساتھ کھلاتے پلاتے ان کو مرو واپس لاتے اور ہر ایک کے لئے نئی پوشاک تیار کراتے اور تین روز تک اپنا مہمان رکھتے تیسرے روز ایک عام دعوت کرتے اور پھر اس صندوق کو منگواکر ہر ایک کے سفر خرچ کی تھیلی جس پر اس کا نام لکھا ہوا ہوتا تھا۔ اس کے حوالے کرتے اور ان کو عزّت و حرمت کے ساتھ رخصت فرماتے تھے۔ اگر ایسی شرکت ہو تو پسندیدہ ہے۔

(۱۰) سفر کی ابتدا جمعرات کو کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کو سفر فرماتے تھے۔ ورنہ پھر پیر کو سفر شروع کرے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کے دن مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تھی۔

سفر ابتدا دن میں شروع کرے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی ہے۔ "الٰہی میرے امت کے ابتدا دن کے سفر میں خیر و برکت عطا فرما"

(۱۱) جب گھر سے روانہ ہو تو دو رکعت نفل پڑھے اور اس مبارک سفر کی خیر و برکت کو مانگے اور متعلقین کے لئے دعائے خیر کرے۔ پھر دوستوں۔ رشتہ داروں بال بچوں کو خدا کے حوالہ کرکے رخصت ہو۔ اور یہ دُعا پڑھے۔

اَسْتَوْدِعُكُمُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا یُضِیْعُ وَدَائِعَهٗ ۞

(تمہیں اللہ کے حوالہ کرتا ہوں جو اپنے پاس رکھائی ہوئی چیز کو ضائع نہیں کرتا۔)

(۱۲) مناسب یہ ہے کہ سفر و حضر کی تمام مسنون دعاؤں کو یاد کرے اور ہر

موقع اور مقام کی دعا پڑھنے کا اہتمام رکھے۔ اس سفر سے مقصد حق سبحانہ و تعالیٰ کی جانب متوجہ رہنا ہے۔ ان دعاؤں کے پڑھتے رہنے سے حق سبحانہ و تعالیٰ کی جانب توجہ بھی رہے گی اور سنت نبوی کا اتباع بھی ہوگا۔ جو اہم مقاصد سے ہے۔ ہم نے بعض دعاؤں کو رسالہ "رفیق حج" میں لکھ دیا ہے۔

(۱۳) اس مقدس سفر میں تواضع اور انکساری عاجزی اور فروتنی کو اختیار کرے اور ہر وقت ان آداب کو ملحوظ خاطر رکھے۔ جو بارگاہِ صمدیت کے شایانِ شان ہوں اور اس مبارک سفر کے مناسب حال ہوں۔ کھانا پینا۔ اُٹھنا بیٹھنا۔ قیام و لباس۔ سواری مکان۔ غرض کوئی چیز ایسی نہ ہو جس سے ترفع اور بڑائی کی بو آتی ہو ایک ذلیل و خوار بندہ بن کر غلاموں کی طرح مجرم و خطا کاروں کی ہیئت بنائے ہوئے اپنے مولائے کرم کے دربار میں حاضر ہو۔ اور مسکینوں کی طرح اس عالی دربار میں رہنے کو اپنی سعادت سمجھے۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس حاجی کو پسند فرماتے ہیں جس کے بال بکھرے ہوئے ہوں۔ اور کپڑے گرد آلود ہوں" خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو غایت تواضع سے سر مبارک سواری کے کوہان سے ملا ہوا تھا۔

اس مبارک سفر میں ترفع اور بڑائی اور اظہار شان و شوکت اور نام و نمود اس سفر کی برکات سے محروم کر دیتا ہے۔ اور اس عبادت کے مقصد کو فوت کر دیتا ہے۔ مقصد سفر اعتراف نیاز مندی اور اظہار ندامت و شرمندگی۔ اور خطاؤں کی عذر خواہی اور طلب معافی ہے۔ اور ترفع اور بڑائی اور اظہار شان و شوکت سے یہ عبادت عبادت نہیں رہتی بلکہ عبادت کے ساتھ ایک نوع کا استہزا ہوتا ہے۔ اور محض تفریح طبع

ہوتی ہے۔

بادشاہ ہارون رشید ایک مرتبہ بڑی شان و شوکت اور حشم و خدم کے ساتھ حج کے لئے نکلا۔ راستہ میں حضرت بہلول مل گئے۔ وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کر رہے تھے۔ شاہی خدام نے ان کو روکنا چاہا مگر وہ باز نہ آئے۔ جب ہارون رشید انکے قریب پہنچا تو حضرت بہلول نے آنکھ اٹھا کر ہارون رشید کو دیکھا اور فرمایا مجھے ایک حدیث پہنچی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو آپ ایک اونٹ پر سوار تھے۔ اور آپ کے نیچے پرانی گدڑی بچھی ہوئی تھی۔ جو چار درم کی بھی نہ ہوگی۔ نہ آپ کے ساتھ ڈھول ڈھمکا تھا۔ اور نہ ہٹو بچو۔ اور نہ شور و غل۔

لوگوں نے کہا، امیرالمومنین یہ بہلول مجنوں ہے آپ اس کی بات کا خیال نہ کریں۔ ہارون رشید نے کہا۔ میں جانتا ہوں، اور کہا " بہلول کچھ اور سناؤ"۔ حضرت بہلول نے فرمایا: "مانا کہ تم تمام روئے زمین کے بادشاہ ہو۔ اور یہ سارے تمہارے غلام ہیں مگر انجام کار قبر میں جانا ہے اور یہی غلام تمہارے اُوپر مٹی ڈالیں گے۔ اس کے بعد اور بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔

(۱۴) اپنے ساتھی اور ملازم کے ساتھ نرمی اور خوش خلقی کا برتاؤ کرے اور ہر کام میں ان کی اعانت اور مدد کرے اور ان کا شریک کار رہے۔ اور ہمیشہ ان کی سہولت اور راحت کو پیش نظر رکھے۔ باہمی مناقشات اور منافرت اور بغض و عداوت اور جھوٹ و غیبت اور فحش و لعنت سے احتراز کرے۔ اگر کسی سے جھگڑا ہو جائے یا کوئی ناگوار بات پیش آجائے تو فوراً اس کی تلافی کرے

اور معافی چاہی اور دل کو ہر وقت کدورت اور رعونت سے پاک و صاف رکھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "جو شخص حج ادا کرے اور بیہودگی اور فسق و فجور سے محفوظ رہے وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو جاتا ہے گویا آج ہی پیدا ہوا ہے اور بالکل معصوم ہے۔

محتاجوں اور سوال کرنے والوں کے ساتھ نرمی اور رحم دلی کا برتاؤ کرے اور ان کو جھڑکے اور دھمکائے نہیں۔ اور لعنت و ملامت کے بجائے ان کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی اور عبادت میں ان کی معاونت کرے ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر ۔۔۔ تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

(۱۵) جو کچھ نقصانات اور تکالیف اس مبارک سفر میں پیش آویں اور جن مصائب اور مشکلات کا سامنا ہو ان سے پریشان اور بد دل نہ ہو بلکہ ہر نا گواری پر اجر و ثواب کی امید رکھے اور اس کو حج کے مقبول ہونے کی علامت سمجھے مشکلات و مصائب راہِ خداوندی کے بیش بہا تحائف ہیں جو صرف مقبولین اور مقربین کو عطا ہوتے ہیں۔ اور ان کی قدر وہی جانتے ہیں جو ان سے لذت آشنا ہیں ؎

خونِ دل پینے کو اور لختِ جگر کھانے کو ۔۔۔ یہ غذا ملتی ہے جاناں تیرے دیوانے کو

(۱۶) اگر جاندار سواری پر سفر ہو تو سواری کی راحت و آرام کا خیال رکھے سواری کی طاقت سے زیادہ اس سے کام نہ لے اور نہ زائد بوجھ اس پر لادے۔ جب کسی دشوار گذار راہ سے گذرے تو سواری پر سے اتر جائے اور صبح و شام خود بھی تھوڑی دور پیدل چلے تاکہ پیدل چلنے کا ثواب بھی ملے اور سواری کو راحت بھی ملے۔ جس جانور پر حج ادا کیا جاتا ہے۔ اس کو بھی بارگاہِ خداوندی

قبولیت اور شرف حاصل ہے۔ حضرت عمر بن یسار کی فرماتے ہیں۔ جس اونٹ پر ایک دفعہ حج ادا کیا جائے اس کی چالیس نسل تک خیر و برکت رہتی ہے۔

(۱۷) اگر اپنے میں مشقتوں کا تحمل اور برداشت ہو اور کوئی عذر اور مانع نہ ہو تو اونٹ کی سواری اختیار کرے اس میں سنت کا اتباع ہے اور سلف صالحین کی پیروی ہے۔ اور مشقتوں کی وجہ سے اجر و ثواب کی زیادتی ہے۔ مشقتوں کی وجہ سے دل نرما جاتا ہے۔ گناہوں کے اثرات ایک گونہ کم ہو جاتے ہیں۔ اور اس دربار میں حاضری کی کچھ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ سفر طے ہو جاتا ہے۔ وہاں کے مناظر سے نگاہیں سیر ہوتی ہیں۔ اور شوق و رغبت زیادہ ہوتا ہے اور توجہ تام ہوتی ہے۔ جو اس سفر کی اصلی روح ہے۔

جس راہ کو آنکھوں کے بل طے کرنا بھی سوئے ادب اور بے غیرتی ہے۔ اس کو موٹر میں طے کرنا اور لاپروائی اور بے اعتنائی کے ساتھ دندناتے ہوئے اس بارگاہ تک پہنچنا بڑی سخت نادانی ہے۔

(۱۸) فرض نمازوں کو مستحب اوقات میں جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام رکھے۔ نماز کے معاملہ میں ہرگز تساہل اور سستی نہ کرے۔ نماز حج سے بدرجہا افضل اور موکد ہے۔ ایک فرض کی ادائیگی میں دوسرے اہم ترین فرض کو ضائع کرنا سراسر نادانی ہے۔ پس جس قدر آسانیاں اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لئے مرحمت فرمائی ہیں ان سے زیادتی نہ کرے۔ نفل نمازوں کو سواری پر پڑھ سکتا ہے۔ اس میں قبلہ کی طرف منہ کا ہونا بھی ضروری نہیں۔ جدھر سواری جا رہی ہو اس طرف رُخ کر کے بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن فرض نماز اور وتر سواری پر جائز نہیں۔ ان کے لئے نیچے اترنا۔ قبلہ کی طرف منہ کرنا۔ کھڑے ہو کر پڑھنا ضروری ہے۔ البتہ اگر کوئی واقعی عذر

بیماری وغیرہ ہو جس کی وجہ سے سواری سے نہ اتر سکتا ہو تو کچھ حرج نہیں۔ اس وقت سواری پر بیٹھ کر قبلہ رُخ ہو کر فرض نماز ادا کر سکتا ہے۔

تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ اکثر لوگ ایک فرض حج کی وجہ سے فرض نمازوں کو ضائع کر دیتے ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ نماز قضا کر دیتے ہیں۔ جس مقدس سفر میں نوافل اور مستحبات کا اہتمام اور التزام رکھنا چاہیئے تھا۔ اس میں فرض نمازوں میں سستی اور لاپروائی کرنا سراسر خسران اور محرومی کی دلیل ہے۔ سلف صالحین کا ہمیشہ سے معمول رہا ہے کہ اس مبارک سفر میں ریاضت کی زیادتی کرتے تھے۔ اور بکثرت نفل نماز پڑھتے تھے۔ اور نفل روزے رکھتے تھے تاکہ اس ریاضت و مشقت کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ تقرب خداوندی حاصل ہو اور انعامات و احسانات کی افزونی ہو۔ (۱۹) جہاں تک ممکن ہو تنہا سفر اختیار نہ کرے بلکہ کم از کم تین ساتھی ہوں جماعت پر حق تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اور شیطانی اثرات سے محفوظ رہتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ تنہا سفر کرنے والا شیطان ہے۔ اور دو بھی شیطان ہیں۔ اور تین جماعت ہیں۔"

جب تین ہم سفر ہوں تو اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں۔ اور اس کی فرمانبرداری کریں اس سے باہمی نزاعات پیدا نہ ہونگے۔ احادیث میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔ (۲۰) روانگی سے قبل کچھ صدقہ و خیرات کرے اور راستہ میں بھی حسب توفیق صدقہ و خیرات کرتا رہے۔ صدقہ و خیرات سے بلائیں اور آفتیں ٹلتی ہیں اور مشکلات آسان ہوتی ہیں۔ صدقہ و خیرات رحمت خداوندی کا اعلیٰ ذریعہ ہے۔ اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی ناگواری کو دُور کرتا ہے اور ہمیشہ حفظ دامان میں رکھتا ہے۔

(٢١) اس مبارک سفر میں گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کرے۔ اس راہ کا بہترین توشہ تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى — اور توشہ ساتھ لو پس بہترین توشہ پرہیزگاری ہے۔

خدا کے مہمان ہوتے ہوئے بھی توشہ کی اسی لئے ضرورت ہے تاکہ دلجمعی باقی رہے۔ اور تقویٰ و پرہیزگاری میں فرق نہ آنے پائے۔

اس مبارک سفر کی اصل غرض و غایت یہی ہے کہ چندروز یکسوئی اور پاکبازی سے بسر ہوں اور انسان فرشتوں کی طرح معصوم زندگی کا ذائقہ چکھے اور اصلی بندگی کا ذوق نصیب ہو۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ۔ — پس جو شخص (شہر حج) میں اپنے پر حج مقرر لے تو پھر حج میں نہ کوئی فحش جائز ہے۔ اور نہ کسی قسم کی نافرمانی اور نہ کسی قسم کا جھگڑا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک حج کے موقعہ پر ایک نوجوان حضور کے ساتھ سواری پر سوار تھے۔ ان کی نظر عورتوں پر پڑ گئی اور ان کو دیکھنے لگے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"بھتیجے یہ ایسا دن ہے جو شخص اس دن اپنی کان آنکھ زبان کی حفاظت رکھے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔"

(٢٢) اس مبارک سفر کو انتہائی ذوق وشوق اور عاشقانہ انداز کے ساتھ

طے کرے۔ اس سفر میں حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ پورا تعلق اور کمال وابستگی ہو اور ہر وقت عشق ومحبت کے جذبات موجزن ہوں۔ یہ سفر از اول تا آخر عشق ومحبت کے مظاہر ہیں اور عشاق کی دیوانگی کے مناظر۔ اگر خود محب صادق نہ ہو تب بھی عاشقانہ رنگ اور مجنونانہ انداز اختیار کرے اور سمجھے کہ میری خوش قسمتی ہے کہ عشاق کے ساتھ مجھ ناشاد کو بھی طلب اور مدعو کر لیا گیا ہی۔

حج اللہ رب العالمین کا دربار عالی ہی جس میں اپنے بندوں کو مدعو کیا گیا ہی۔ بلا طلب وہاں کسی کا داخلہ اور حاضری نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی خوش قسمت کے پاس دعوت نامہ آ گیا اور بارگاہِ الٰہی سی بلاوا آ گیا۔ تو یہ خوش قسمتی اور خوش نصیبی ہی۔ اسی شان سی اس کا استقبال اور خیر مقدم ضروری ہی۔ ؎

میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہی قدم یہ خود نہیں اٹھتے اٹھائے جاتے ہیں

پس اس سعادت عظمیٰ کے حصول اور اس لطف ونوازش کی عطا پر ہر وقت شاداں وفرحاں ترساں اور لرزاں اور شاکر وقدردان رہے۔ اور مزید نعمتوں اور رحمتوں کا امید وار رہی۔

(۲۴) اپنی ہر عبادت میں اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے قبولیت کا یقین اور وثوق رکھے۔ جس کریم نے اپنے در پہ بلایا ہی اور اپنا مہمان بنایا ہی وہ اپنے لطف وکرم اور انعام واحسان سی ہرگز محروم نہیں رکھ سکتا۔ اس عالی چوکھٹ پہ حاضر ہونے والا کبھی ناکام نہیں ہو سکتا۔ وہ شخص بڑا نادان اور نافہم ہے جو کریم کے دربار میں پہنچ کر بھی ناامید اور مایوس ہو۔

حدیث میں آیا ہی "وہ شخص بڑا خطا کار ہی جو عرفات کے میدان میں بھی

یہ سمجھے کہ میری مغفرت نہیں ہوئی۔

(۲۴) بار بار یہ مبارک سفر اور یہ مبارک اوقات نصیب نہیں ہوتے اس لیے وقت کو غنیمت جانے اور فرصت کو نعمت سمجھے اور کسی وقت یادِ الٰہی سے غافل نہ ہو۔ ہر وقت زبان پر ذکر اللہ توبہ اور استغفار صلوٰۃ و سلام جاری رکھے اور تلاوت قرآن پاک میں مشغول رہے اور دین سیکھنے اور سکھانے کو اپنا وظیفۂ زندگی بنائے رکھے۔ ؎

یک لحظہ ازاں شاہ غافل نباشی ۔۔۔ شاید کہ نگاہِ کند و آگاہ نباشی

ان مبارک اور مسعود اوقات میں فضول باتوں اور فضول کاموں میں پھنس کر رہنا بڑی ناقدری اور بڑی بے نصیبی ہے۔

فرشتوں کا حج

حج اپنی غایت شیفتگی کا اظہار ہے اور اپنی بندگی اور غلامی کا پورا اعتراف ہے۔ پس فرشتے جو ہر وقت جمالِ الٰہی سے مست و سرشار رہتے ہیں۔ اور ہمیشہ بندگی اور غلامی میں چست و چالاک رہتے ہیں۔ اس نعمتِ عظمیٰ کو کیوں کر چھوڑ سکتے تھے۔ فرشتوں کا اصل حج عرشِ الٰہی کا ہوتا ہے۔ اور وہ "بیت معمور" کے طواف میں مشغول اور منہمک رہتے ہیں۔ بیت اللہ بھی چونکہ بیت معمور کا قائم مقام ہے اور وہی عظمت و شان کو لئے ہوئے ہے۔ اس لئے انسانوں کی ہمنوائی اور ان کی عبادت میں شرکت کے لئے فرشتے بھی حج کرتے ہیں۔ اور

بیت اللہ کے طواف میں مشغول رہتے ہیں۔ جس سے مقصود بیت اللہ کی غایت عظمت وحرمت کا اظہار ہے اور بنی نوع انسان کا انتہائی اعزاز واکرام ہے کہ وہ فرشتوں کے ساتھ اور فرشتے ان کے ساتھ مشغول عبادت ہیں۔ اور ہر ایک اپنی بندگی اور غلامی کا اظہار اور اعتراف کر رہا ہے۔ فرشتے حج ادا کرنے والوں اور طواف کرنے والوں کے لئے دعائے مغفرت اور طلب رحمت کرتے ہیں۔ اور ان کی دعاؤں اور آرزوؤں کو بارگاہِ رب العزت میں پیش کرتے ہیں۔

فرشتوں کے طواف کی ابتدا کا مفصل واقعہ حضرت محمد بن حسین رضہ کی روایت میں آیت اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ کے ضمن میں صفا پر مذکور ہو چکا ہے۔ اول فرشتوں نے عرش الٰہی کا طواف کیا پھر ان کی سہولت کی خاطر بیت معمور بنایا گیا۔ جس کے طواف میں فرشتے ہر وقت مشغول رہتے ہیں۔ اس کے بعد دنیا میں بسنے والوں کے لئے بیت معمور کی سیدھ میں بیت اللہ تعمیر کرایا گیا اور فرشتوں کو اس کے طواف کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "جب حضرت آدم علیہ السلام نے حج ادا کیا اور بیت اللہ کا طواف کیا تو اثنائے طواف میں فرشتوں سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے کہا: "آدم تمہارا حج مقبول ہو ہم تم سے پہلے دو ہزار سال سے اس بیت اللہ کا حج اور طواف کر رہے ہیں۔" (مفصل حدیث فضائل طواف کے ضمن میں صفحہ ۱۴۴ پر گذر چکی ہے۔)

یہ سب تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے کا ماجرا تھا۔ بیت اللہ کو فرشتوں کے لئے نہیں بلکہ دنیا میں بسنے والوں کے لئے بنایا گیا تھا۔ فرشتے اس کے

عظمت وجلال کے باعث اس کے طواف اور زیارت میں مشغول رہتے تھے۔ جب انسان دنیا میں آباد ہوگیا تو بیت اللہ سے وابستہ ہوگیا۔ اور بیت اللہ کے طواف اور زیارت میں مشغول ہوگیا۔ مگر انسان کی وابستگی سے فرشتوں کی وابستگی اور شیفتگی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ وہ جس طرح پہلے سے بیت اللہ کے طواف میں مشغول تھے برابر اسی طرح طواف و زیارت میں مشغول رہتے ہیں۔ اور ہمیشہ مشغول رہیں گے اور فرشتوں کا بیت اللہ کے ساتھ کا تعلق اور شغف کبھی کم نہ ہوگا۔ جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ہر سال چھ لاکھ نفوس حج ادا کریں گے۔ اگر انسانوں میں کمی رہ جاتی ہے تو پھر فرشتے اس مقدار کو پورا کرتے ہیں۔" (طبری)

موسم حج میں اندازہ کرے ان چھ لاکھ حج کرنے والوں میں سے حج کرنیوالے انسانوں کی تعداد نکال کر باقی حج کرنے والے فرشتے ہوں گے۔ جن کی ہر جگہ معیت اور رفاقت نصیب ہوگی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت جبرئیل علیہ السلام خدمت نبوی میں سُرخ عمامہ باندھے ہوئے آئے جس پر گرد و غبار پڑا ہوا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "جبرئیل یہ گرد و غبار کیسا ہے؟"

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: "بیت اللہ کی زیارت اور طواف کر کے آرہا ہوں۔ حجر اسود پر فرشتوں کا بہت ہجوم تھا۔ یہ گرد و غبار ان کے پروں کے

اثرات ہیں" (طبری)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف وزیارت کیلئے بیت اللہ پر فرشتوں کا انتہائی ہجوم رہتا ہے حتیٰ کہ کثرت اژدہام کی وجہ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے عمامہ کو مجمع کے اثرات سے نہ بچا سکے۔ یہ گرد و غبار کوئی خاص قسم کی چیز ہو گی جو فرشتوں کے پروں سے جھڑتی ہو گی جسے تفہیم کے لئے گرد و غبار سے تعبیر کیا گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جس وقت حق سبحانہ و تعالیٰ کسی فرشتہ کو دنیا میں کسی خدمت کے لئے بھیجتے ہیں۔ تو اس کو پہلے بیت اللہ کی زیارت اور طواف کا حکم ہوتا ہے چنانچہ وہ فرشتہ عرش کے نیچے سے احرام باندھ کر لبیک کہتا ہوا بیت اللہ پہنچتا ہے حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے پھر بیت اللہ کا طواف کرتا ہے اور دو رکعت نماز طواف ادا کرتا ہے۔ اس کے بعد اپنے مشغلہ میں مصروف ہوتا ہے۔ اور مفوضہ خدمت کو انجام دیتا ہے۔ (طبری)

کور چشم بے بصیرت انسانوں کو یہ نورانی مخلوق دکھلائی نہیں دیتی۔ جو آنکھیں بینا ہیں اور جن کے قلوب نور معرفت سے منور و روشن ہیں وہ اپنی بصیرت کی آنکھوں سے ان نورانی صورتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور ان کے انوار و فیضان سے مستفیض ہوتے ہیں۔ چناں چہ بعض بزرگوں نے اپنے ان مشاہدات کو بیان بھی فرمایا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا حج

بنی نوع انسان میں بندگی کا اصل سرچشمہ انبیاء کرام علیہم السلام کی برگزیدہ جماعت ہے۔ اس مقدس جماعت کی بارگاہِ خداوندی میں رسائی ہوتی ہے۔ اور وہ قرب و وصال نصیب ہوتا ہے جہاں دوسروں کی رسائی محال ہے۔ اس برگزیدہ جماعت کے ذریعہ بندگی کے اطوار مخلوق خدا تک پہنچائے جاتے ہیں۔ انبیاء کرام بندگی کے اطوار کو خود بارگاہِ رب العزت سے سیکھتے ہیں۔ اور ہدایت ربانی کے موافق دوسروں کو سکھاتے ہیں۔ پس خود کمال بندگی کا مکمل ترین نمونہ ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کے لئے ادائے بندگی میں اسوۂ حسنہ ہوتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام چونکہ بندگی سے پورے باخبر تھے۔ اس لئے اس مرکز بندگی یعنی بیت اللہ کے ساتھ پورے طور پر وابستہ تھے۔ انھوں نے بیت اللہ کی عظمت و حرمت کو شایانِ شان پہنچانا اور بیت اللہ کی عظمت و حرمت کا اپنی شان کے مناسب حق ادا فرمایا۔ جو نبی اور رسول جس عالی مرتبہ پر فائز تھا اسی حیثیت سے بیت اللہ کے ساتھ رابطہ و تعلق قائم تھا۔ جس کا صحیح اندازہ ہمارے فہم و ادراک سے باہر ہے۔ جس شان سے انھوں نے بیت اللہ کا حج و طواف ادا کیا۔ وہ اپنی آپ ہی مثال ہے۔ جس کا قدرے اندازہ ان واقعات سے ہوتا ہے۔ جو تاریخ و سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

سب سے پہلے نبی اور تمام بنی نوع انسان کے جدِ اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام

نے حق سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے بیت اللہ کو از سر نو تعمیر فرمایا اور پھر اس کی زیارت اور طواف میں مصروف ہوئے اور فریضہ حج ادا فرمایا جیسا کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

حضرت عثمان بن ساج فرماتے ہیں مجھے حضرت سعید نے بتلایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے سرزمین ہندوستان سے ستر حج پا پیادہ ادا فرمائے۔ (حسن الختام)

نیز حضرت ابواسحٰق سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا کے ویرانہ میں سخت وحشت ہوئی۔ اس لئے کہ جنت میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کا تذکرہ اور مشاہدہ ہوتا رہتا تھا۔ پس حق تعالیٰ نے ان کو بیت اللہ جانے کا حکم فرمایا منزل بہ منزل چل کر مکہ مکرمہ پہنچے اور وہاں قیام فرمایا اور بیت اللہ کو اپنی عبادت گاہ بنایا اور طواف و زیارت میں مشغول ہوئے۔ اور آخر عمر میں مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اور وہیں انتقال فرمایا۔ اور جبل ابوقبیس میں مدفون ہوئے۔ طوفان نوح کے وقت حضرت نوح علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کے تابوت کو حفاظت کی خاطر اپنی کشتی میں رکھ لیا۔ اور طوفان فرو ہونے کے بعد ان کے اصلی مقام پر جبل ابوقبیس پر دفن کر دیا (حسن الختام)

حضرت آدم علیہ السلام کے مکہ مکرمہ پہنچنے کا مفصل حال وہب بن منبہ کی روایت میں حقیقت حج کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے۔

محمد بن ابن اسحاق بیان کرتے ہیں۔ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس آئے اور کہا، بیت اللہ کا طواف کیجئے۔ اور اس کے گرد سات چکر لگائیے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم

اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کا طواف کیا اور سات شوط (چکر) پورے کئے۔ ہر شوط میں بیت اللہ کے چاروں گوشوں کا استلام کرتے تھے۔ جب دونوں نے طواف پورا کر لیا تو مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حج کے تمام مناسک ان کو دکھلائے اور بتلائے حتیٰ کہ صفا اور مروہ اور منیٰ اور مزدلفہ اور عرفہ تمام مقامات دکھلائے۔ جب منیٰ پہنچے اور عقبہ سے گذرے تو عقبہ کے پاس ابلیس لعین شکل وصورت میں ظاہر ہوا۔ حضرت جبرئیل نے کہا اس کے کنکری مارو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سات کنکریاں یکے بعد دیگرے اس کے ماری اور وہ غائب ہو گیا۔ پھر جمرہ وسطیٰ پر ابلیس حاضر ہوا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا اس کے کنکری مارو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے سات کنکری ماری۔ اور وہ غائب ہو گیا۔ پھر جمرہ سفلیٰ پر ابلیس ظاہر ہوا۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا اس کے کنکری مارو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے سات کنکری ماری۔ اور وہ غائب ہو گیا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ پورا حج ادا کیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو جس جگہ ٹھہرنا ہوتا تھا وہاں ٹھہراتے تھے۔ اور حج کے تمام مناسک اور شعائر بتلاتے تھے۔ جب عرفہ پہنچے تو حضرت جبرئیل نے دریافت کیا۔ اعرفت مناسکک؟ (کیا اپنے مناسک حج پہچان لئے؟) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا "ہاں"! اسی لئے اس جگہ کو عرفات کہتے ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ربانی ہوا کہ مخلوق میں حج کا اعلان کر دو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا "پروردگار میری آواز کس طرح پہنچ

سکتی ہے؟۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہوا۔" تم اعلان کرو آواز کا پہنچانا ہمارا کام ہے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام "مقام ابراہیم" پر کھڑے ہوئے اور وہ خوب بلند ہوگیا اور کانوں میں انگلیاں دیکر با آواز بلند شمال وجنوب اور مشرق و مغرب کیجانب صدا لگائی۔

ایھاالناس کتب علیکم الحج الی البیت العتیق فاجیبوا ربکم۔	لوگوں تم پر بیت اللہ کا حج فرض کیا گیا ہے۔ پس تم اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوجاؤ۔

اللہ رب العالمین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز کو ہر جگہ پہنچا دیا اور ہر سمت سے آواز آئی لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ (حاضر ہیں الہٰی ہم حاضر ہیں) ("تاریخ ازرقی)

ابن عمیر اللیثی بیان فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے حضرت اسمٰعیل اور قبیلہ جرہم کے مسلمانوں کو ساتھ لے کر جو اس وقت حرم میں رہتے تھے حج ادا کیا۔ منیٰ پہنچے اور ظہر، عصر، مغرب، عشاء وہاں پڑھی اور رات منیٰ میں گذاری۔ پھر صبح کی نماز پڑھ کر وہاں سے روانہ ہوئے اور موضع نمرہ میں قیام کیا۔ جب زوال ہوگیا تو ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑہی۔ پھر جبل رحمت پر گئے۔ اور غروب آفتاب تک وہاں وقوف کیا۔ غروب آفتاب کے بعد عرفات سے روانہ ہوکر مزدلفہ پہنچے۔ اور مغرب وعشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھی۔ اور رات وہاں گذاری۔ صبح کی نماز پڑھ کر مشعر حرام پر گئے۔ اور وہاں وقوف

کیا۔ جب خوب چاندنا ہو گیا تو طلوع آفتاب سے پہلے وہاں سے روانہ ہوئے۔ منیٰ پہنچ کر جمرات کے کنکریاں ماری اسی طرح حج کو پورا کر کے ملک شام تشریف لے گئے اور وہاں وفات پائی۔ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والتسلیم (تاریخ ازرقی)

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہر سال بیت اللہ کا حج کرتے تھے اور آپ کے بعد تمام انبیاء اور ان کی امتوں نے بیت اللہ کا حج کیا۔ (ازرقی)

حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے پیادہ حج ادا کیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سُرخ اونٹ پر حج کیا جب مقام روحاء سے گذرے تو ان پر دو چادریں تھی۔ ایک کو باندھ رکھا تھا اور ایک کو اوڑھ رکھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت اللہ پہنچ کر طواف کیا۔ پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تلبیہ پڑھ رہے تھے۔ کہ آواز آئی لبیک عبدی انا معک (میرے بندے حاضر ہوں میں تیرے ساتھ ہوں)۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ فوراً سربسجود ہو گئے۔ (حسن الختام)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ پچھہتر انبیاء کرام نے حج ادا کیا بیت اللہ کا طواف کیا اور مسجد منیٰ میں نماز پڑھی (حسن الختام)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "مقام روحاء سے ستر انبیاء کرام علیہم السلام گذرے جو حج کے لئے جا رہے تھے۔ اور صوف کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ ان کے اونٹوں کی لگام کھجور کی تھی اور ستر انبیاء کرام علیہم السلام نے مسجد خیف یعنی منیٰ میں نماز پڑھی ہے۔ (حسن الختام)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد روحا میں نماز پڑھی پھر ارشاد فرمایا۔ مجھ سے پہلے اس مسجد میں ستر انبیاء کرام نے نماز پڑھی۔ یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام حج یا عمرہ کے لئے گذرے ان کے ساتھ ستر ہزار بنو اسرائیل تھے۔ ایک اونٹنی پر سوار تھے اور دو سفید چھوٹی عبا زیب تن تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس جگہ یعنی مقام روحا سے ستر انبیاء کرام گذرے جن کا لباس عبا تھا اور ان کے تلبیہ کے الفاظ مختلف تھے۔ ان میں سے حضرت یونس بن متیٰ علیہ السلام ہیں جو یہ تلبیہ پڑھتے تھے۔ لَبَّيْكَ فَرَّاجَ الْكُرَبِ لَبَّيْكَ۔ (میں حاضر ہوں اے مشکل کشا حاضر ہوں) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ تلبیہ پڑھ رہے تھے۔ لَبَّيْكَ أَنَا عَبْدُكَ لَدَيْكَ (حاضر ہوں میں تیرا بندہ تیرے سامنے ہوں) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ پڑھ رہے تھے۔ لَبَّيْكَ أَنَا عَبْدُكَ وَابْنُ أَمَتِكَ (حاضر ہوں میں تیرا بندہ ہوں اور تیرا لونڈی زادہ ہوں) (کتاب الشوق)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل کے ایک ہزار انبیاء نے بیت اللہ کا حج ادا کیا اور جب موضع ذی طویٰ پر پہنچے تو ادب اور تعظیم کی وجہ سے اپنے جوتوں کو اتار دیا اور برہنہ پا حرم میں داخل ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام پیادہ پا اور برہنہ پا حرم محترم میں داخل ہوتے تھے اور تمام مناسک حج پیادہ اور برہنہ پاء ادا کرتے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین اور اصحاب حج کے لئے آئے تو وہ بھی ادب اور تعظیم کی وجہ سے سواریوں پر سے اتر گئے۔ اور پیادہ حج

ادا کیا۔ (کتاب التشویق)

انبیاء کرام علیہم السلام کے حج کے یہ چند واقعات درج کئے گئے جس سے اس برگزیدہ جماعت کے حج کی کیفیت کا قدرے اندازہ ہوجاتا ہے۔ انبیاء کرام حقیقت آشنا تھے وہ بخوبی جانتے تھے کہ یہ محض چند اماکن مقدسہ کی زیارت ہی نہیں ہے۔ بلکہ اللہ رب العالمین کے دربار کی حاضری اور حضوری ہے۔ اور اسی کے مناسب ادب واحترام بجا لاتے تھے۔ تمام انبیاء کرام بندگی کا مجسمہ اور اعلیٰ نمونہ تھے۔ وہ درودیوار اور دشت وویرانہ کو نہ دیکھتے تھے۔ منافع اور فوائد پران کی نظر نہ تھی وہ حکم کی بجاآوری اور فرمانبرداری کو اپنا نصب العین اور مقصد زندگی بنائے ہوئے تھے۔ جو حقیقی بندگی ہے۔ اور اسی سے لطف زندگی ہے اور انسان کی ترقی ہے*

سید الانبیاء والمرسلین کا حج

زمانہ جاہلیت میں بھی حج بیت اللہ کا رواج اور دستور تھا اور مشرکین مکہ ہر سال اپنے دستور کے موافق حج کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت ورسالت سے قبل کس قدر حج کئے۔ اور کس طرح کئے۔ اس کا کوئی اندازہ نہیں۔ نبوت ورسالت عطا ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے موافق تین حج کئے دو ہجرت سے پہلے اور ایک ہجرت کے بعد۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہجرت سے پہلے متعدد حج کئے اس لئے کہ آپ نبوت و رسالت کے بعد موسم حج میں لوگوں سے ملتے تھے اور ان پر اسلام پیش فرماتے تھے۔ اور ان کو اسلام کی نصرت واعانت پر آمادہ فرماتے تھے اسی ضمن میں اہل مدینہ سے ملاقات ہوئی اور ...... انصار نے دو مرتبہ دو موسم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کی اور پوری نصرت وحمایت کا عہد کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد چار عمرے ادا کئے۔

پہلا عمرہ سنہ ۶ھ میں "عمرہ حدیبیہ" ہے جس کو پورا کرنے سے کفار مکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا تھا اور آپ مصالحت کر کے عمرہ سے حلال ہو گئے تھے۔

دوسرا عمرہ "عمرہ قضا" ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد آئندہ سال سنہ ۷ھ میں عمرہ حدیبیہ کو قضا کیا گیا۔

تیسرا عمرہ "عمرہ جعرّانہ" ہے جو طائف سے واپسی کے بعد غزوہ حنین کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت سنہ ۸ھ میں کیا گیا۔

چوتھا عمرہ "حجۃ الوداع" کے ساتھ ادا کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آخری حج میں جو سنہ ۱۰ھ میں کیا صحابہ کرام کو دین کے اصول وقواعد کی پوری تعلیم وتلقین فرمائی اور بعض ایسے جملے ارشاد فرمائے جن سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ آپ ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے والے ہیں اس لئے اس حج کو "حجۃ الوداع" کہتے ہیں۔ چونکہ ہجرت کے بعد صرف یہی ایک حج ہوا اور اسی میں حج کے پورے مناسک اور شعائر تعلیم وتلقین کئے گئے۔ اس لئے

یہ حج بہت مہتم بالشان تھا۔ حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں اس حج کے واقعات اور حالات شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہیں۔ جن کو ہم مفصل اپنے رسالہ "حجۃ الوداع" میں بیان کرچکے ہیں۔ یہاں صرف مختصر تذکرہ کیا جاتا ہی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج مبارک کا اجمالی نقشہ اور کیفیت ذہن نشین ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بناکر مکہ مکرمہ روانہ فرمایا اور انھوں نے لوگوں کو حج کرایا۔ پھر ذی قعدہ ۱۰ھ میں خود سرکار رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حج کا ارادہ فرمایا اور اطراف وجوانب میں اس کی اطلاع کرائی کہ اس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے جائیں گے۔ اس خبر پر صحابہ کی کثیر تعداد مدینہ منورہ میں رفاقت اور معیت کی غرض سے جمع ہوگئی اور ایک بڑی مقدار راستہ میں ہمرکاب ہوئی اور کچھ صحابہ کرام سیدھے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ ان سب رفقاء حج کی مجموعی تعداد صحیح روایت کے موافق ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی سے قبل مدینہ منورہ میں ایک خطبہ پڑھا جس میں صحابہ کرام کو حج بیت اللہ کی اہمیت اور عظمت اور حج کرنے کا طریق تبلایا اور ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ کو ظہر کی نماز پڑھ کر مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر جو مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے اور اہل مدینہ کی میقات ہی عصر کی نماز قصر پڑھی اور رات کو یہاں قیام فرمایا۔ علی الصباح ارشاد فرمایا کہ جبرئیل امین نے مجھے اطلاع دی ہے کہ یہ "مبارک وادی ہے اس میں نماز پڑھو اور عمرہ کو حج میں شامل کرکے دونوں کو ایک ساتھ ادا کرو۔" چنانچہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کے وقت احرام کے لئے غسل فرمایا اور سرمبارک کو خطمی سے دھویا اور تیل لگایا اور خوشبو لگائی۔ اور احرام کا لباس زیب تن فرمایا۔ پھر مسجد ذوالحلیفہ میں ظہر کی نماز کے بعد حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا اور یہ تلبیہ پڑھا۔

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

میں حاضر ہوں الٰہی میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک اور ساجھی نہیں میں حاضر ہوں سب تعریف اور انعام تیرا ہی ہے اور سارا ملک بلا شرکت غیر تیرا ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہوئے اور تلبیہ پڑھتے ہوئے مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام باآواز تلبیہ پڑھتے تھے اور آپ نے ارشاد فرمایا "مجھے جبرئیل امین نے بتلایا ہے کہ خود بھی باآواز بلند تلبیہ پڑھوں اور صحابہ کو بھی باآواز تلبیہ پڑھنے کا حکم کردوں اس لئے کہ تلبیہ پڑھنا شعائر حج سے ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا سفر حج نہایت سادہ اور عاجزانہ تھا کسی قسم کی ظاہری شان و شوکت اور نام و نمود نہ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سواری پر سفر حج کیا اس کا کجاوہ پرانا اور بوسیدہ تھا اور اس پر ایک گدڑی پڑی ہوئی تھی جس کی قیمت چار درہم بھی نہ ہوگی۔ اور آپ فرما رہے تھے۔

حَجَّةٌ لَا رِيَاءَ فِيهَا وَلَا سُمْعَةَ — ایسا حج جس میں نہ ریا ہو اور نہ شہرت ہو

حضرت بشر بن قدامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری ان آنکھوں نے میرے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرفات کے میدان میں دیکھا۔ آپ لوگوں کے درمیان سرخ چھوٹی سی اونٹنی پر سوار تھے جس پر ایک گدڑی بچھی ہوئی تھی اور آپ بار بار ارشاد فرماتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا حَجَّةً غَيْرَ رِيَاءٍ وَلَا سُمْعَةٍ — الٰہی اس کو ایسا حج بنا جس میں نہ ریا ہو اور نہ شہرت ہو۔

اور لوگ تبلاتے تھے کہ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بیہقی) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری میں کوئی خصوصی امتیاز نہ تھا جس سے لوگ از خود یہ سمجھتے کہ یہ رسول اللہ کی سواری ہے۔ بلکہ آپ صحابہ کرام اور رفقاء عالی مقام کے اس قدر ہمنوا اور مساویانہ حیثیت کے ساتھ تھے کہ اجنبی کو تبلانے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ کہ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ یمنی حجاج کے ایک قافلہ کو دیکھا جن کی سواریاں خستہ حال تھیں۔ اور کجاوے پرانے اور بوسیدہ تھے تو فرمایا جو شخص حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے سادگی کے منظر کو دیکھنا چاہیے۔ وہ یمنی حجاج کے اس قافلہ کے منظر کو دیکھ لے۔

یہ بندگانِ خدا اور پرستارانِ حق کا مقدس قافلہ بارگاہِ رب العزت میں اس عالی مقام کی رہنمائی اور سرکردگی میں جا رہا تھا جس کی خصوصی شان

"عبدہ ورسولہ" ہے اور یہی شان بندگی ان کے ہر ہر قدم اور ہر ہر ادا سے عیاں اور نمایاں تھی صلی اللہ علیہ وعلیٰ اصحابہ وسلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب موضع ذی طوی پر پہنچے جو مکہ مکرمہ کے بالکل قریب واقع ہے تو حرم محترم کے احترام میں وہاں ٹھیر گئے۔ اور رات کو قیام فرمایا۔ صبح کو نماز فجر ادا فرمائی اور دخول مکہ کے لئے غسل فرمایا۔ اور سواری پر سوار ہوکر بندگی اور نیاز مندی کے ساتھ حرم کعبہ کی جانب روانہ ہوئے اور کدار اور معلات کی جانب سے حرم محترم پر پہنچے اس روز ۴ ذی الحجہ یکشنبہ کا دن تھا اور چاشت کا وقت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کو باب بنی شیبہ پر بٹھایا اور سواری سے اتر کر حرم محترم میں داخل ہوئے جب بیت اللہ پر نظر اطہر پڑی تو یہ دعا پڑھی۔

اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا وَّتَعْظِيْمًا وَّتَكْرِيْمًا وَّمَهَابَةً وَّزِدْ مَنْ شَرَّفَهٗ وَكَرَّمَهٗ مِمَّنْ حَجَّهٗ وَاعْتَمَرَهٗ تَشْرِيْفًا وَّتَكْرِيْمًا وَّتَعْظِيْمًا وَّبِرًّا۔

الٰہی تو اس گھر کی شرافت اور عظمت اور کرامت اور ہیبت میں ترقی فرما۔ اور جو حج اور عمرہ کرنے والوں میں سے اس گھر کی تعظیم وتکریم کرے اس کی شرافت وکرامت اور عظمت ونیکی میں ترقی عطا فرما۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں داخل ہوکر نماز تحیۃ المسجد میں مشغول نہیں ہوئے بلکہ سیدھے بیت اللہ پر پہنچے اور حجر اسود کا بسم اللہ

اللہ اکبر کہہ کر استلام کیا اس کو بوسہ دیا اور اپنی پیشانی کو اس پر رکھا پھر بیت اللہ
کا طواف کیا سات شوط پورے فرمائے ہر شوط میں رکن یمانی اور حجرِ اسود کا
استلام فرماتے تھے۔ رکن یمانی پر صرف ہاتھ رکھتے تھے اور یہی اس کا استلام ہے
اور حجرِ اسود کو بوسہ دیتے تھے اور کبھی اپنے چہرے اور ہونٹوں کو اس پر رکھتے
تھے اور کبھی کبھی اپنی پیشانی مبارک حجرِ اسود پر رکھتے اور پھر بوسہ دیتے تھے اور
استلام کے وقت فرماتے۔ بسم اللہ اللہ اکبر (اللہ کے نام پر بوسہ دیتا ہوں
جو ہر چیز سے بزرگ اور بالاتر ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اثنار طواف میں ذکر اللہ اور تسبیح وتحمید
اور تقدیس میں مشغول رہے اور بارگاہِ رب العزت سے دنیا اور آخرت کی
خیر اور بھلائی طلب فرماتے تھے کعبۃ اللہ کا طواف تھا اور رب کعبہ مطلوب
اور مقصود تھا۔ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم پر تشریف لے گئے اور
آیت وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى (اور بناؤ تم مقام ابراہیم سے نماز
کی جگہ) تلاوت فرمائی اور تعمیل حکم کے لئے دو رکعت نماز پڑھی پہلی رکعت میں
سورہ فاتحہ اور قل یا ایہا الکافرون پڑھی اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ
اور قل ہو اللہ احد پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور
کوہ صفا کی جانب روانہ ہوئے جب صفار کے قریب پہنچے تو یہ آیت
تلاوت فرمائی۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ — بیشک صفا اور مروۃ اللہ کے شعائر
فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ — سے ہیں پس جو بیت اللہ کا حج کرے

عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا۔ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ۔

یا عمرہ کرے اس کے لئے مذائقہ نہیں کہ ان کے درمیان چکر لگائے اور جو زیادہ کرے خیر کو تو اللہ تعالیٰ قدردان خبردار ہے۔

پھر فرمایا جس سے اللہ تعالیٰ نے ابتدا کی اسی سے میں بھی ابتدا کرتا ہوں اور صفا سے ابتدا کی اور اس پر اس قدر چڑھے کہ بیت اللہ نظر آنے لگا پھر قبلہ رُخ کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھائے اور تین بار اللہ اکبر کہا۔ پھر یہ دعا پڑھی۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ

نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا یکتا ہے۔ کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں اسی کا ملک ہے اور اسی کے لئے حمد و ثنا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور تنہا لشکر کو شکست دی۔

اور پھر ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعا مانگی اسی طرح تین مرتبہ کیا۔ پھر صفا سے اتر کر مروہ کی جانب روانہ ہوئے اور ذکر اور حمد و ثنا میں مشغول رہے اور یہ دُعا بھی پڑھتے تھے۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ۔

پروردگار مغفرت فرما اور رحم فرما بیشک تو بڑی عزت بڑے کرم والا ہے۔

جب وادی میں پہنچے تو رمل فرمائی یعنی دوڑ کر چلے پھر وادی سے نکل کر آہستہ میانہ روی سے چلے اور مروہ پر پہنچے۔ مروہ پر اس قدر چڑھے کہ بیت اللہ نظر آنے لگا اور جو اذکار اور ادعیہ صفا پر پڑھی تھی وہی مروہ پر بھی پڑھی۔ اسی طرح سات پھیرے کیئے۔ اور ساتواں پھیرا مروہ پر ختم ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی سے فارغ ہو کر ارشاد فرمایا جس شخص کے ساتھ ہدی یعنی قربانی کا جانور نہ ہو وہ احرام سے حلال ہو جائے اور اس کو عمرہ بنائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت علی اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام جن کے ہمراہ ہدی تھی احرام پر قائم رہے باقی تمام صحابہ کرام سر منڈوا کر یا بال کترواکر احرام سے حلال ہو گئے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ موضع البطح میں قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ اور اتوار کا بقیہ دن اور پیر۔ منگل۔ بدھ۔ مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔

۸ ذی الحجہ جمعرات کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر ادا فرمائی اور ایک خطبہ پڑھا جس میں صحابہ کرام کو مناسک حج تعلیم و تلقین فرمائے اور سواری پر سوار ہو کر منیٰ کی جانب روانہ ہوئے منیٰ پہنچ کر ظہر کی نماز پڑھی اور رات کو قیام فرمایا۔ اگلے دن ۹ ذی الحجہ یوم جمعہ کو فجر کی نماز منیٰ میں پڑھی اور جب آفتاب طلوع ہو گیا تو عرفات کی جانب روانہ ہوئے اور

موضع نمرہ پر ایک بالوں کے بنے ہوئے قبہ میں جاکر قیام فرمایا۔ زوال کے بعد اونٹنی پر سوار ہو کر بطن وادی میں تشریف لے گئے اور اونٹنی کو کھڑا کر کے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جس میں اسلام کے اصول اور قواعد کو تلقین فرمایا اور کفر و شرک اور تمام رسومات جاہلیت کو ملیامیٹ اور ہمیشہ کے لئے ختم فرمایا اور تمام اہم ذمہ داریوں کی جانب مخلوقِ خدا کو متوجہ فرمایا۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان اور اقامت کہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی نماز ادا فرمائی بعد نماز اونٹنی پر سوار ہو کر میدان عرفات تشریف لے گئے جو موقف حج ہے۔ اور جبل رحمت کے دامن میں جہاں بڑے بڑے سیاہ پتھر پڑے ہیں قبلہ رخ کھڑے ہو کر ذکر اللہ اور دعا اور تسبیح و تحمید میں مشغول ہو گئے اور غروب آفتاب تک اسی طرح اونٹنی پر سوار کھڑے رہے اور بارگاہِ رب العزّت میں تضرع و زاری دعا و التجا فرماتے رہے بیشتر یہ دعا پڑھتے تھے

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔	نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا یکتا ہے کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں اسی کا ملک ہے۔ اور اسی کے لئے حمد و ثنا ہے اور وہ ہر شئے پر قادر ہے۔

اسی وقت آپ کو تکمیل دین اور اتمام نعمت اور اسلام و مسلمین سے رضا اور خوشنودگی اور پسندیدگی کا مژدہ سنایا گیا اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ	آج کامل کر دیا تمہارے دین کو اور تمام کر دیا تم پر اپنی نعمت کو اور پسند کر لیا

وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ تمہارے لئے دین اسلام کو۔

جب آفتاب غروب ہو گیا تو انتہائی سکون و وقار کے ساتھ عرفات سے مزدلفہ کی جانب روانہ ہوئے اور مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشا دونوں نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ ادا فرمائیں اور رات کو قیام فرمایا۔ علی الصباح طلوع فجر کے فوراً بعد فجر کی نماز پڑھی اور اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر حرام پر تشریف لے گئے وہاں وقوف فرمایا اور دیر تک ذکر اللہ اور دعا اور تسبیح و تحمید و تقدیس میں مشغول رہے اور بارگاہِ رب العزت میں تضرع اور زاری فرماتے رہے۔ جیساکہ حکم خداوندی ہے۔

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ پس جب تم عرفات سے روانہ ہو تو
فَاذْکُرُوا اللّٰہَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ۔ اللہ کا ذکر کرو مشعر حرام کے پاس

جب خوب اسفار ہو گیا تو طلوع آفتاب سے پہلے مزدلفہ سے روانہ ہوئے جب وادی محسر[۱] پر پہنچے تو اس وادی کو تیز رفتاری کے ساتھ طے فرمایا۔ اور یہاں سے رمی جمرہ کے لئے کنکریاں لیں۔ منیٰ پہنچ کر زوال سے پہلے جمرۃ عقبہ کی رمی فرمائی اور نشیب کی جانب کھڑے ہو کر اس پر سات کنکریاں یکے بعد دیگرے پھینکیں اور ہر کنکری پر اللہ اکبر فرماتے تھے۔ اب تلبیہ پڑھنا موقوف کر دیا۔ اور

---

[۱] جب ابرہہ بادشاہ نے خانہ کعبہ پر چڑھائی کی تو اس مقام پر حق تعالیٰ کا غضب اور عذاب اس پر نازل ہوا۔ اور اس کو تباہ و برباد کیا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام کو تیز رفتاری سے طے فرمایا تاکہ مقام غضب میں زیادہ ٹھیرنا نہ ہو

صحابہ کو مخاطب کرکے ایک خطبہ پڑھا جس میں بہت سے دینی اہم امور کو بیان فرمایا اس کے بعد مذبح تشریف لے گئے۔ اور اپنے دست مبارک سے قربانی کے تریسٹھ جانور ذبح فرمائے۔ عمر شریف بھی اس وقت تریسٹھ سال کی تھی۔ باقی جانوروں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ذبح فرمایا۔ قربانی کے جانوروں کی مجموعی تعداد سَو تھی۔ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راہِ مولا میں قربان کیا۔ پھر اظہار تشکر اور ضیافت اللہ کی قدر دانی کی غرض سے ہر جانور میں سے تھوڑا تھوڑا گوشت منگوایا اور اس کو ایک دیگچی میں پکوا کر تناول فرمایا باقی گوشت رفقاء میں تقسیم کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی سے فارغ ہو کر سر مبارک حلق کرایا اور موئے مبارک کو جان نثار صحابہ کرام میں تقسیم کرا دیا اور اونٹ پر سوار ہو کر طواف زیارت کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ اور اسی اونٹ پر بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ کے دست مبارک میں ایک چھوٹی لکڑی تھی اس سے حجر اسود کا استلام فرماتے تھے۔ طواف سے فراغت کے بعد حضرت عباس نے حضور اقدس کو نبیذ تمر (کھجور کا شربت) پلایا۔ پھر زمزم پر تشریف لے گئے اور زمزم نوش فرمایا اور اس میں سے اپنے اوپر بھی ڈالا۔ اور ارشاد فرمایا۔ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میرے اتباع کی وجہ سے لوگ تمہیں پریشان کریں گے اور تم پر غالب آجائیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے ڈول کھینچ کر زمزم پیتا۔

پھر بعض روایات کے موافق صفا اور مروہ کے درمیان سواری پر سعی فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طواف وسعی سواری پر ادا فرمائی جس کی دو وجہ بیان کی جاتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ تکلیف وشکایت تھی جس کی وجہ سے آپ نے سوار ہو کر طواف کیا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجمع کی انتہائی کثرت تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہو گئے تاکہ لوگ آپ کو دیکھتے رہیں اور جس شخص کو جو بات دریافت کرنی ہو وہ سہولت کے ساتھ آپ تک پہنچ سکے اگر سوار ہونے کی دونوں وجہ ہوں تو کوئی استبعاد نہیں۔ بہر حال پیش نظر امت کی سہولت تھی اور ہمیشہ کے لئے ایک سہولت اور آسانی کا راستہ کھل گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف وسعی سے فارغ ہو کر منیٰ واپس تشریف لے گئے۔ اور ایام تشریق منیٰ میں گذارے اور راتوں کو وہیں بسر فرمایا ان ایام میں ہر روز زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی پیادہ پا فرماتے تھے ہر جمرہ پر سات کنکری پھینکتے اور ہر کنکری پر اللہ اکبر کہتے۔ جمرہ اولیٰ اور جمرہ ثانیہ کی رمی کے بعد ذرا ہٹ کر صاف جگہ قبلہ رخ کھڑے ہوتے اور بہت دیر تک ذکر اللہ اور دعا اور تسبیح وتحمید میں مشغول رہتے۔ جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد نہ وہاں ٹھیرتے اور نہ دعا فرماتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ منیٰ کے قیام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بیت اللہ کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورہ اذا جاء ایام تشریق میں

منیٰ میں نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا (کہ جب کارِ نبوت و رسالت ختم ہوگیا۔) تو دنیا سے رخصت کا وقت آگیا آپ قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر جمرہ عقبہ پر تشریف لے گئے جب لوگ جمع ہوگئے تو خطبہ ارشاد فرمایا جس میں بعض اہم امور کی جانب صحابہ کرام کو متوجہ فرمایا۔

۱۳ ذی الحجہ یوم سہ شنبہ کو جو ایام تشریق کا آخری دن تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام منیٰ سے روانہ ہوئے اور محصب[1] میں قیام فرمایا اور وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشا کی نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز حرم محترم میں پڑھی اور نماز میں سورہ والطور تلاوت فرمائی بعد نماز بیت اللہ کا طواف وداع کیا اور ملتزم (یعنی حجرِ اسود اور باب کعبہ کے درمیان) کھڑے ہو کر بارگاہِ رب العزت میں دعا مانگی اور اپنے جسد مبارک اور چہرۂ انور اور سینہ مقدس کو بیت اللہ کی دیوار سے چمٹایا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر بیت اللہ سے مل گئے۔ اور ملتزم پر خوب چمٹ کر بیت اللہ سے رخصت ہوئے اور بصد حسرت و یاس

---

[1] چونکہ اس مقام پر کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زبردست سازش کی تھی اور بنو ہاشم کے مقاطعہ کا عہد نامہ لکھا تھا۔ اس لیے اظہارِ شکر کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں قیام فرمایا جہاں اسلام کی بیخ کنی کے منصوبے ہورہے تھے وہاں آفتابِ اسلام اس شان و شوکت سے جلوہ افروز ہوا۔ ۱۲ منہ

اور تمنا و اشتیاق مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الف الف صلوٰۃ و تحیۃ۔

یہ سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مبارک حج کے واقعات اور حالات ہیں جو سراسر جذبات بندگی اور کمالات عبدیت سے معمور اور بھرپور ہیں۔ اور ادائے بندگی کا اعلیٰ ترین اسوہ حسنہ ہیں۔ خدا ہم سب کو اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خلفائے راشدین کا حج

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو پہلے سال خود حج کو تشریف نہیں لے گئے بلکہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو ۱۱ھ میں امیر حج مقرر کر کے روانہ فرمایا اور انہوں نے لوگوں کو حج بیت اللہ کرایا۔

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق نے رضی اللہ عنہ رجب ۱۲ھ میں عمرہ فرمایا پھر اسی سال خود لوگوں کو حج کرایا اور مدینہ منورہ میں اپنا نائب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ اس کے بعد امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ نے پہلے سال ۱۳ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور انھوں نے لوگوں کو حج کرایا۔ پھر اپنے دور خلافت میں متواتر دس سال تک حضرت

عمر فاروق نے خود لوگوں کو حج کرایا۔ اور اپنے اخیر حج میں ازواج مطہرات اور امہات المومنین کو خصوصیت کے ساتھ حج کرایا۔

امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تین مرتبہ مکہ مکرمہ جاکر عمرہ کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیرالمومنین حضرت عمر بن الخطاب کے ساتھ گیارہ حج کیے۔ (غالباً جب صدیق اکبر نے فاروق اعظم کو امیر حج بنا کر بھیجا تو حضرت عبداللہ ابن عباس بھی اس وقت ہمراہ ہونگے اور دس حج خود حضرت فاروق اعظم کی خلافت میں کیے گئے۔ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی معیت میں گیارہ حج ہو گئے)

حضرت عبداللہ بن عامر فرماتے ہیں کہ میں امیرالمومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کو گیا۔ آپ کے لئے نہ خیمہ لگتا تھا نہ چھولداری بلکہ ایک چادر یا چمڑہ کسی درخت کے نیچے بچھا دیا جاتا اور آپ درخت کے سایہ میں قیام کرتے (فضائل حج)

اس کے بعد امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ نے پہلے سال ۲۴ھ میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کرکے بھیجا اور انھوں نے لوگوں کو حج کرایا پھر ۲۵ھ میں امیرالمومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خود لوگوں کو حج کرایا۔ اس کے بعد ۳۴ھ تک متواتر خود ہی لوگوں کو حج کراتے رہے۔ جب محصور ہو گئے اور خود حج کو نہ جا سکے تو ۳۵ھ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

نے لوگوں کو حج کرایا۔

حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں مناسک حج سے سب سے زیادہ واقف اور باخبر حضرت عثمان غنی تھے۔ اور ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

اس کے بعد امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے آپ نے اپنے زمانہ خلافت سے قبل بکثرت حج ادا کئے جن کی صحیح تعداد معلوم نہیں البتہ اپنے زمانہ خلافت میں ان حوادث اور واقعات کی وجہ سے جو پیش آئے آپ خود حج کو تشریف نہیں لے جا سکے۔ اس لئے سنہ ۳۸ھ تک ہر سال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا۔ اور سنہ ۳۹ھ میں لوگوں نے از خود شیبہ بن عثمان کو اپنا امیر حج بنایا اور انہوں نے لوگوں کو حج کرایا۔ حضرت علی حیدر کی خلافت چار سال اور نو ماہ رہی سنہ ۳۵ھ کے حج کے بعد حضرت عثمان غنی یوم جمعہ ۱۸ ذی الحجۃ کو شہید ہوئے۔ اور سنہ ۳۶ھ میں جنگ صفین شروع ہوگئی اور رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ رخصت ہو گئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ امارت میں دوسروں کو امیر حج بنا کر روانہ فرماتے رہے۔ البتہ سنہ ۴۴ھ اور سنہ ۵۰ھ اور سنہ ۵۱ھ میں خود لوگوں کو حج کرایا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سنہ ۶۳ھ میں اپنی بیعت سے قبل لوگوں کو حج کرایا۔ پھر بیعت کے بعد متواتر آٹھ سال تک خود ہی لوگوں کو حج کراتے رہے۔ رضی اللہ عنہم وارضاہم۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ امارت میں از سرِ نو بیت اللہ کی تعمیر کرائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے موافق حطیم کو بیت اللہ میں داخل کیا اور بیت اللہ کے دو دروازہ رکھے اور دہلیز کو نیچا کیا تا کہ داخلہ میں سہولت ہو۔ بعد میں امیر حجاج بن یوسف نے پھر بیت اللہ کو اپنی سابقہ ہیئت پر کرا دیا جو آج تک قائم ہے۔

محبّین اور عاشقین کا حج

محبّین صادق۔ عاشقانِ مولیٰ۔ پرستارانِ حق کی فہرست دراز تر ہے اسی لئے ان کی داستان عشق و محبت بھی طویل تر ہے۔ ذوق و شوق کے لئے چند واقعات درج کئے جاتے ہیں تاکہ اندازہ ہو جائے کہ عشق و محبت کے متوالوں اور اللہ رب العزت کے جاں نثاروں نے اس شیوہ محبت اور جذبۂ بندگی کو کس وارفتگی اور دیوانگی کے ساتھ ادا کیا اور محبوب حقیقی کی بارگاہِ عالی میں کس شان اور کس ادا سے باریاب اور کامیاب ہوئے۔

(۱) حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ جب مکہ مکرمہ پہنچے اور حرم محترم میں داخل ہوئے تو اللہ رب العزت کی شان قدرت اور کمال حکمت اور جلالِ وحدت اور جمالِ رحمت کو مشاہدہ کرکے بے خود اور وارفتہ اور ہواس باختہ ہو گئے اور یہ شعر پڑھا۔ اُبطحاءُ مکۃ ھذا الذی ؛ اراہُ عیاناً و ھذا انا ؛

کیا بطحا مکہ یہی ہے جس کو میں مشاہدہ کر رہا ہوں اور یہ میں ہی ہوں۔

جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل — نسیم صبح تیری مہربانی

حضرت شبلی نے یہ شعر بار بار پڑھا اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو خوب روئے اور یہ شعر پڑھا ؎

ھذا دارھم وانت محبٌّ — ما لعًا الدموع فی الاماقی

یہ ان کا گھر ہے اور تو محب ہے۔ — کہ یہ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہیں

حضرت ابوالفضل حریری رح جب حرم محترم میں داخل ہوئے اور بیت اللہ پر نظر پڑی تو مبہوت و مدہوش ہو کر کہنے لگے یہ دربار محبوب ہے۔ اور محبوب کہاں ہے؟ یہ قلوب کی راحت و سکون کا مقام ہے وارفتگان کہاں ہیں؟ یہ آہ وزاری کا وقت ہے فراق میں رونے والے کہاں ہیں؟ پھر ایک بے تحاشا چیخ ماری اور روتے ہوئے بیت اللہ سے چمٹ گئے۔ اور بار بار پکار رہے تھے۔ لبیک لبیک۔

ایک عورت حج کے لئے گئی مکہ مکرمہ پہنچ کر ہر ایک سے پوچھتی پروردگار کا گھر کہاں ہے؟ کسی نے بیت اللہ پر لے جا کر کہا یہ ہے۔ وہ بے اختیار اور بے قرار ہو کر کعبہ کی دیوار سے چمٹ گئی جب وہاں سے اس کو اٹھایا تو مردہ تھی واصل بحق ہو چکی تھی۔ اور محبوب حقیقی سے جا ملی۔

حضرت سعید بن جبیر رح فرماتے ہیں ایک عورت ملتزم پر آئی اور دیر تک دعا مانگتی رہی اور روتی رہی اور اسی بے قراری میں اس کی روح پرواز کر گئی

حضرت مالک بن دینار رح فرماتے ہیں میں نے ایک جوان کو منیٰ میں دیکھا

جو یہ کہہ رہا تھا الٰہی لوگوں نے ذبح کیا اور قربانی کی۔ اور تیرا تقرب حاصل کیا۔ میرے پاس میری جان سے بہتر کوئی چیز نہیں جس کو تیرے لئے پیش کر سکوں۔ تو اپنے فضل سے اس کو قبول فرما۔"

یہ کہا اور ایک آہ سرد بھری میں نے قریب جاکر دیکھا تو اس کی رُوح پرواز کر چکی تھی۔

شیخ عبدالصمد رح فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت بشر حافی رح عمرہ کے لیئے جا رہے تھے۔ ہمارے ساتھ ایک نوجوان بھی تھا جو ہر وقت توبہ استغفار کرتا تھا اور روتا تھا بہت کم بات کرتا تھا اور ہر وقت سوچ میں رہتا تھا میں نے اس سے کہا یہ بشر حافی ہیں ان سے فیوض و برکات حاصل کرو۔ نوجوان نے دریافت کیا جو شخص اپنے محبوب کے خلاف کرے اس کی کیا سزا ہی؟

بشر حافی نے فرمایا:" اس کی سزا یہ ہی کہ تیز تلوار سے اس کو قتل کیا جائے اور محبت کی آگ میں جلایا جائے۔ اور محبت کی راہ میں ذلیل و خوار کیا جائے پھر چاہے اس سے ملا جائے اور چاہے اس کو چھوڑ دیا جائے۔"

نوجوان یہ سن کر کانپا اور زمین پر گر پڑا دیر تک تڑپتا رہا اور جان بحق ہو گیا۔

حضرت فضیل بن عیاض رح فرماتے ہیں میں نے عرفات پر ایک نوجوان کو دیکھا بالکل خاموش اور نہایت منکسر المزاج تھا لوگ دعائیں مانگ رہے تھے میں نے اس نوجوان سے کہا جاؤ تم بھی دعا مانگو۔

نوجوان نے کہا:" شیخ وحشت طاری ہی اور دعا کی جرأت نہیں ہوتی۔"

میں نے کہا دعا کا یہی وقت ہے۔ پھر ختم ہو جائے گا۔"

نوجوان نے کہا "اگر دعا مانگنا ضروری ہے تو بہت اچھا" یہ کہہ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور چیخ مار کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔

یہ ہے محب صادق کا ہدیہ عشق و محبت اور یہ ہے عاشق جانباز کا انداز ملاقات۔ پھر اس جانبازی اور جاں نثاری کا کیا صلہ ملتا ہے؟ شیخ ابوبکر کنانی رح فرماتے ہیں۔ میں نے ایک مردہ فقیر کو دیکھا وہ ہنس رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کیا تو مر کر بھی ہنستا ہے۔

اس مردہ نے جواب دیا۔" اللہ تعالیٰ کے محبین صادقین کا یہی حال ہوتا ہے۔

حضرت ابوسعید خراز رح فرماتے ہیں میں مکہ مکرمہ میں تھا ایک روز باب بنی شیبہ پر پہنچا تو دیکھا۔ ایک خوبصورت نوجوان مردہ پڑا ہے میں نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا تو وہ ہنسنے لگا۔ میں نے کہا کیا مرنے کے بعد زندہ ہو گیا۔ اس میت نے جواب دیا۔" ابوسعید تمہیں معلوم نہیں اللہ سے محبت کرنے والے زندہ ہوتے ہیں اگرچہ وہ بظاہر مردہ دکھلائی دیتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ موت نہیں ہوتی بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال ہوتا ہے۔ پرہیزگار شخص کی کبھی موت واقع نہیں ہوتی۔ بہت لوگ ایسے ہیں جن کو تم مردہ سمجھتے ہو اور وہ درحقیقت زندہ ہیں۔"

جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را   ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

(۲) حضرت ذوالنون مصری رح فرماتے ہیں کہ میں ایک دن بیت اللہ کا

طواف کررہا تھا اور زائرین بیت اللہ کے دیدار میں مست تھے اچانک ایک شخص بیت اللہ کے قریب آیا۔ اور یہ دعا مانگی۔

"پروردگار تیرا مسکین بندہ جو تیرے دربار سے دھتکارا ہوا ہی اور تیرے دربار سے بھاگا ہوا ہی یا اللہ میں تجھ سے وہ چیز مانگتا ہوں جو سب سے زیادہ تیرے قریب ہو اور وہ عبادت مانگتا ہوں جو سب سے زیادہ تجھے محبوب ہو۔ یا اللہ میں تجھ سے تیرے برگزیدہ بندوں کے طفیل اور تیرے انبیاء کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں مجھے اپنی شرابِ محبت کا ایک جام پلادے اور میرے دل پر سے غفلت و نادانی کے پردے ہٹادے تاکہ میں شوق کے بازوؤں سے اڑکر تجھ تک پہنچ جاؤں اور عرفان کے باغوں میں تجھ سے سرگوشیاں کروں۔"

اس کے بعد یہ شخص اس قدر رویا کہ آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے پھر ہنسا اور چل دیا میں بھی پیچھے پیچھے ہولیا اور اپنے دل میں سوچ رہا تھا یہ شخص یا تو بڑا کامل ہی یا کوئی پاگل ہی۔ وہ مسجد حرام سے نکل کر ویرانہ کی جانب چل دیا۔ میں پیچھے پیچھے جارہا تھا وہ مجھ سے کہنے لگا "تمہیں کیا ہوا میرے پیچھے کیوں آرہے ہو جاؤ اپنا کام کرو۔"

میں نے کہا خدا تم پر رحم کرے۔ تمہارا کیا نام ہی؟۔ کہا۔ عبداللہ۔ (اللہ کا بندہ)

میں نے دریافت کیا۔ والد کا کیا نام ہی؟ کہا۔ عبداللہ (اللہ کا بندہ)

میں نے کہا ہر ایک اللہ کا بندہ ہی اور اللہ کے بندے کی اولاد ہے تمہارا اصلی نام کیا ہی؟

اس شخص نے کہا "میرے باپ نے میرا نام "سعدون" رکھا تھا۔

میں نے کہا "وہی سعدون مجنون جو مشہور ہیں؟

فرمایا "ہاں وہی"

میں نے کہا "وہ کون برگزیدہ لوگ ہیں جن کے وسیلے سے آپ نے دعا کی ہی؟

فرمایا "وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف ایسا چلتے ہیں جیسا وہ شخص چلتا ہی جس نے عشق کو اپنا نصب العین اور مقصود بنا رکھا ہو۔ اور وہ دنیا سے ایسا الگ اور کنارہ کش ہیں جیسا کسی چیز نے ان کو پکڑ رکھا ہو"

پھر دو عربی شعر سنائے جن کا مطلب یہ ہی۔

"عارفین کے دل ہر وقت مولیٰ کی یاد میں مشتاق رہتے ہیں اور فرطِ اشتیاق میں نالہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کے قرب میں ٹھکانا بنا لیتے ہیں۔ اپنے مولیٰ کے عشق میں ایسا خلوص سے لگتے ہیں کہ اس عشق سے ہٹانے والی ان کے لئے کوئی چیز نہیں رہتی۔" (فضائل حج)

(۳) حضرت جنید بغدادی رح فرماتے ہیں میں ایک مرتبہ تنہا حج کے لئے گیا اور مکہ مکرمہ میں کچھ قیام کیا۔ میرا معمول تھا جب رات زیادہ ہو جاتی تو میں طواف کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے ایک نوجوان لڑکی کو دیکھا وہ طواف

کر رہی تھی اور یہ اشعار پڑھ رہی تھی۔

ابی الحبّ ان یخفی وکم قد کتمتہ
میں نے عشق کو بہت چھپایا مگر وہ مخفی نہیں رہتا۔

فاصبح عندی قد اناخ وطنبا
اب تو اس نے کھلم کھلا میرے پاس ڈیرہ ڈال دیا۔

اذا اشتدّ شوقی ھام قلبی بذکرہٖ
جب شوق بڑھتا ہی تو اس کے ذکر سے دل پھڑکتا ہی۔

وان رمت قربًا من حبیبی تقرّبًا
اور اگر میں اپنے محبوب سے قریب ہونا چاہتی ہوں تو وہ قریب ہو جاتا ہی۔

ویبدو فافنی ثم احیا بہ لہٗ
اور وہ ظاہر ہوتا ہی تو میں اس میں فنا ہو جاتی ہوں اور پھر اسی کے لئے زندہ ہو جاتی ہوں۔

ویسعدنی حتّی الذّ واطربًا
اور وہ مجھے کامیاب کرتا ہی حتیٰ کہ میں لذت پاتی ہوں اور مست ہو جاتی ہوں۔

میں نے اس لڑکی سے کہا تو خدا سے نہیں ڈرتی ایسی بابرکت جگہ ایسے شعر پڑھتی ہی۔ وہ لڑکی میری جانب متوجہ ہوئی اور کہا جنید ؎

لولا التقی لم تر لی
اھجر عن طیب الوسن
اگر خدا کا ڈر نہ ہوتا تو تو مجھے نہ دیکھتا کہ اپنی میٹھی نیند کو چھوڑے پھرتی ہوں

انّ التقی شرّدنی
کما تری عن وطنی
خدا کے ڈر ہی نے مجھے میرے وطن سے بھگا رکھا ہی۔ جیسا تم دیکھ رہے ہو۔

افرّ من وجدی بہ
فحبّہٗ ھیّمنی
اسی کے عشق کی وجہ سے بھاگی پھر رہی ہوں اور اسی کی محبت نے حیران و پریشان کر رکھا ہے

اس کے بعد لڑکی نے دریافت کیا: "جنید تم اللہ کا طواف کرتے ہو یا بیت اللہ کا طواف کرتے ہو!"

میں نے جواب دیا: "میں تو بیت اللہ کا طواف کرتا ہوں!"

اس لڑکی نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا اور کہا: "سبحان اللہ آپ کی بھی کیا عجیب مشیت ہے! جو مخلوق پتھر کے مانند بے شعور ہے وہ پتھروں کا طواف کرتی ہے۔"

اس کے بعد اس لڑکی نے تین شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے۔

"لوگ پتھروں کا طواف کر کے آپ کا قرب ڈھونڈتے ہیں
ان لوگوں کے دل خود بھی پتھروں سے زیادہ سخت ہیں۔ اور
حیرانی میں حیران پھر رہے ہیں اور اپنے خیال میں تقرب خداوندی
کے مقام پر آئے ہوئے ہیں۔
اگر یہ لوگ اپنے عشق و محبت میں سچے ہوتے تو ان کی اپنی صفات
غائب ہو جاتی۔ اور عشق خداوندی کی صفات ان میں پیدا
ہو جاتی۔

حضرت جنید رح فرماتے ہیں میں لڑکی کی اس گفتگو سے غش کھا کر گر گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو وہ جا چکی تھی۔ (فضائل حج)

(۴) حضرت مالک بن دینار رح فرماتے ہیں کہ میں حج کے لئے جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک نوجوان کو دیکھا جو پیدل چل رہا تھا نہ اس کے پاس سواری تھی نہ توشہ اور نہ پانی۔ میں نے اسکو سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔

پھر میں نے دریافت کیا: "جوان کہاں سے آ رہے ہو؟"
نوجوان نے کہا: "اسی کے پاس سے آ رہا ہوں۔"
میں نے دریافت کیا: "کہاں جا رہے ہو؟"
نوجوان کہا: "اسی کے پاس جا رہا ہوں۔"
میں نے دریافت کیا: "توشہ کہاں ہے؟"
نوجوان نے کہا: "اسی کے پاس ہے۔"
میں نے کہا: "یہ راستہ بغیر توشہ اور پانی طے نہیں ہو سکتا۔"
نوجوان نے کہا: "میں نے سفر شروع کرتے وقت پانچ حرف بطور توشہ ساتھ لے لئے تھے۔"
میں نے دریافت کیا وہ پانچ حرف کیا ہیں؟
نوجوان نے کہا: "اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد۔ **کھیعص**
میں نے دریافت کیا: "اس کا کیا مطلب ہے؟"
نوجوان نے کہا: "کاف کے معنی کافی یعنی کفایت کرنے والا اور ہا کے معنی ہادی یعنی ہدایت اور رہنمائی کرنے والا اور یا، کے معنی یوٗوی یعنی ٹھکانا دیتا ہے اور عین کے معنی عالم یعنی ہر بات کو جاننے والا۔ اور ص کے معنی صادق یعنی اپنے وعدہ کا سچا اور پورا۔ پس جس شخص کا رفیق اور ساتھی کفایت کرنیوالا رہنمائی کرنے والا۔ جگہ دینے والا۔ باخبر اور سچا ہے کیا وہ برباد ہو سکتا ہے؟ کیا اس کو کسی بات کا خوف و خطرہ ہو سکتا ہے؟ کیا اسی کو اس کی ضرورت اور حاجت ہے کہ توشہ اور پانی ساتھ لئے لئے پھرے؟

حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی گفتگو سن کر اپنا کرتہ اس کو دینا چاہا اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "بڑے میاں دنیا کے کرتے سے ننگا رہنا اچھا ہے دنیا کی حلال چیزوں کا حساب دینا ہوگا اور اس کی حرام چیزوں کا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ جب رات کا اندھیرا ہوا تو اس نوجوان نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا اور کہا اے پاک ذات جس کو بندوں کی اطاعت سے خوشی ہوتی ہے اور بندوں کی نافرمانی سے اس کا کچھ نقصان نہیں ہوتا مجھے وہ چیز عطا فرما جس سے تجھے خوشی ہوتی ہے۔ یعنی اطاعت و فرمانبرداری اور اس چیز کو معاف فرما جس سے تیرا کوئی نقصان نہیں ہوتا یعنی گناہ اور نافرمانی سے درگزر اور محفوظ فرما۔"

جب لوگوں نے احرام باندھا اور لبیک کہا تو نوجوان خاموش ہو گیا۔ میں نے کہا تم لبیک کیوں نہیں پڑھتے؟ کہنے لگا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں لبیک کہوں اور وہاں سے جواب ملے نہ تیری لبیک قبول ہے اور نہ سعدیک معتبر ہے۔ نہ میں تیرا کلام سنتا ہوں اور نہ تیری جانب متوجہ ہوتا ہوں۔ پھر وہ نوجوان چلا گیا۔ اور میں نے تمام راستہ اس کو نہ دیکھا آخر منیٰ میں وہ نظر پڑا اور چند شعر پڑھے۔ جن کا مطلب یہ ہے۔

"وہ محبوب جس کو میرا خون بہانا اچھا معلوم ہوتا ہے میرا خون اس کے لئے حرم میں بھی حلال ہے اور حرم سے باہر بھی۔ خدا کی قسم اگر میری روح کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کس پاک ذات سے وابستہ ہے تو قدموں کے بجائے سر کے بل کھڑی ہو جائے۔ ملامت

کرنے والے مجھے اس کے عشق میں ملامت نہ کر اگر تجھے وہ نظر آجائے جو میں دیکھتا ہوں تو تو کبھی بھی لب کشائی اور طعنہ زنی نہ کرے۔ لوگ اپنے جسم سے بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں اگر ان کی روح اللہ رب العالمین کا طواف کرتی تو وہ حرم سے بے نیاز ہو جاتے۔ عید کے دن لوگوں نے بھیڑ بکری کی قربانی کی لیکن معشوق نے اس دن میری جان کی قربانی کی لوگوں نے حج کیا ہے اور میرا حج تو اپنے سکون کی چیز کا ہے۔ لوگوں نے جانوروں کی قربانی کی ہے اور میں اپنی جان کی قربانی کرتا ہوں۔"

پھر اس نوجوان نے یہ دعا مانگی۔

"الٰہی لوگوں نے قربانیوں کے ساتھ تیرا تقرب حاصل کیا میرے پاس میری جان کے سوا کوئی چیز قربانی کے لئے نہیں۔ اس کو تیری بارگاہ عالی میں پیش کرتا ہوں تو اس کو قبول فرما۔"

پھر ایک چیخ ماری اور قربان ہو کر گر گیا۔ اس وقت غیب سے آواز آئی یہ اللہ کا دوست ہے اور عشق مولیٰ کا قتیل اور کشتہ ہے۔ (فضائل)

(۵) حضرت شبلی رح جب عرفات پر پہنچے تو بالکل چپ چاپ رہے کوئی لفظ بھی زبان سے نہ نکلا۔ جب وہاں سے منیٰ کی طرف چلے اور حد حرم کے نشانات سے آگے بڑھے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے۔

"میں چل رہا ہوں اس حال میں کہ میں نے اپنے دل پہ تیری محبت

کی مہر لگا دی تاکہ اس دل میں تیرے سوا کسی کا گزر نہ ہو کاش میں اپنی آنکھوں کو ایسی طرح بند کرتا کہ تیرا دیدار نصیب ہونے تک کسی کو بھی نہ دیکھتا۔ دوستوں میں بعض ایسے ہوتے ہیں جو ایک ہی کے ہو رہتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کے دل میں دوسروں کی بھی شرکت اور گنجائش ہوتی ہے۔ لیکن جب آنکھوں سے آنسو نکل کر رخساروں پر بہنے لگتے ہیں اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ کون واقعی رو رہا ہے اور کون بناوٹی رو رہا ہے۔" (فضائل)

۵ عدو میں اور مجھ میں غور کر لو فرق اتنا ہے
کوئی بنتا ہے دیوانہ کوئی ہوتا ہے دیوانہ

(۶) حضرت مالک بن دینار رح فرماتے ہیں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا خستہ حال تھا اور چہرے سے قبولیت کے آثار نمایاں تھے۔ اور آنسو رخساروں پر رواں تھے میں نے اس کو دیکھ کر پہچان لیا عرصہ ہوا جب اس کو بصرہ میں انتہائی ناز و نعم میں دیکھا تھا مجھے اس کی یہ حالت دیکھ کر رونا آگیا اس نے بھی مجھے پہچان لیا۔ اور سلام کیا اور کہا مالک تمہیں خدا کی قسم خاص وقت میں مجھے یاد رکھنا اور میرے لئے مغفرت کی دعا کرنا۔ کیا بعید ہے کہ اللہ جل شانہ میرے حال پر رحم فرمائے اور میرے گناہوں کو معاف فرمائے۔" اس کے بعد اس نے دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے۔

"جب محبوب تمہاری طرف متوجہ ہو تو میرا بھی اس سے ذکر کر دینا اور کہہ دینا کسی وقت بھی تیری یاد سے اس کا دل خالی نہیں ہوتا۔ شاید جب وہ میرا نام سنے تو یہ دریافت کر لے کہ فلاں شخص پر کیا گذر رہی ہے؟"

یہ شعر پڑھ کر روتا ہوا روانہ ہو گیا۔ جب حج کا زمانہ آیا تو میں مسجد حرام میں بیٹھا تھا دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شخص بہت بیتاب اور بیقرار ہو کر رو رہا ہے اس کی بے تابی اور بے قراری کی وجہ سے لوگوں کو طواف کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ اور لوگ اس کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔

یہ وہی نوجوان تھا میں اس کو دیکھ کر خوش ہوا۔ اور اس سے کہا خدا کا شکر ہے اس نے تمہاری مراد پوری کر دی۔"

یہ سن کر اس نے چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے۔

" لوگ بلا خوف و خطر منیٰ کی طرف چلے جب وہ منیٰ پہنچ گئے۔ تو اپنی آرزوؤں کو پا لیا۔ لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے آرزوئیں مانگی اللہ تعالیٰ نے ان کی مراد پوری کی۔ اور ان کی خالص توبہ کی بدولت ان کو فحش اور بدکاری سے محفوظ رکھا۔ ان پر ساقی نے شراب کا دور چلایا اور جب انہوں نے دریافت کیا کہ ساقی کون ہے تو جواب ملا ؎

انا اللہ فادعونی انا اللہ ربکم
میں ہی معبود ہوں تم مجھے پکارو میں ہی تمہارا پروردگار ہوں۔

لی المجد والعلیاء والملک والثناء
میرے ہی لیے بزرگی اور بڑائی اور حکمرانی اور ثنا خوانی ہے۔

حضرت مالک فرماتے ہیں میں نے اس سے کہا " تمہیں خدا کی قسم بتاؤ تم پر کیا گذری؟ اس نے کہا " بڑی اچھی گذری ہے مجھے اپنے فضل سے یہاں بلایا میں حاضر ہو گیا اور جو کچھ میں نے مانگا وہ مجھے عطا ہوا، پھر دو شعر پڑھے جن کا

مطلب یہ ہے:-

"جب محبوب نے مجھے بلایا تو میں نے کہا مبارک کیا ہی بہتر تیرا وصال ہے اور کتنی شیریں تیری محبت ہے۔ اور کتنا مزہ دار تیرا عشق ہے۔ تیرے حق کی قسم تو ہی مطلوب ہے تو ہی مقصود ہے۔ تیری ہی آرزو ہے۔ لوگ مجھے تیری محبت میں ملامت کرتے ہیں کیا کریں اور جتنی چاہے ملامت کریں میرا دل تو تیرے سوا کسی کا مشتاق نہیں، لوگ اپنے معشوقوں کے شہروں کو یاد کرتے ہیں۔ کیا کریں مجھے تو جب کسی شہر کا تذکرہ آتا ہے۔ اس وقت تو ہی یاد آتا ہے۔"

اس کے بعد وہ نوجوان طواف میں مشغول ہو گیا اور پھر نظر نہیں پڑا۔

(فضائل حج)

(۷) حضرت علی بن موفق رح فرماتے ہیں۔ میں ایک مرتبہ حرم میں بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت تک ساٹھ حج کر چکا تھا۔ میرے دل میں یہ وسوسہ گذرا کہ آخر کب تک ان بیابانوں میں پھرتا رہوں گا؟ دفعتہً مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا اور ایک غیبی آواز سنائی دی کہ اے ابن موفق تو اپنے گھر اسی کو بلاتا ہے جس کے بلانے سے تیرا دل خوش ہو۔ مبارک ہیں وہ لوگ جن کو اللہ جل شانہ چاہیں اور اعلیٰ مقام پر بلائیں۔ پھر اس غیبی آواز نے دو شعر کہے جن کا مطلب یہ ہے:-

"میں نے زیارت کے لئے اپنے سے محبت رکھنے والوں کو بلایا ہے۔ اور ان کے علاوہ کسی کو نہیں بلایا۔ یہ لوگ میرے گھر کی طرف اعزاز واکرام کے ساتھ آئے ہیں یہ بھی با برکت باکرامت ہیں اور وہ عالی ذات بھی جس نے ان کو بلایا ہے۔" (فضائل حج)

(۸) حضرت امام باقر محمد بن علی رح جب حج کو تشریف لے گئے اور بیت اللہ پر نظر پڑی تو بے اختیار چیخیں مار کر رونے لگے۔ ساتھیوں نے کہا چیخیں نہ مارو لوگ دیکھ رہے ہیں۔ فرمایا شاید اللہ جل شانہ میرے رونے اور گڑگڑانے کی وجہ سے نظر رحمت فرمائے اور اس کی بدولت روز حشر کامیاب شادکام ہو جاؤں۔ پھر بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی اور سجدہ میں اس قدر روئے کہ تمام سجدہ کی جگہ تر ہو گئی۔ نماز کے بعد ایک ساتھی سے فرمایا مجھے سخت رنج و فکر ہے اور دل بہت متفکر ہے۔"

کسی نے دریافت کیا۔" کس بات کا رنج و فکر ہے؟"

فرمایا۔" جس دل میں اللہ کا خالص دین داخل ہو جاتا ہے وہ دل کو ماسوا اللہ سے خالی اور فارغ کر دیتا ہے اور دنیا ان چیزوں کے علاوہ اور کیا چیز ہے یہی سواری ہے جس پر سوار ہو کر آئے یہی کپڑا ہے جس کو پہن رکھا ہے۔ یہی بیوی ہے جو مل گئی ہے اور یہی کھانا ہے جو کھایا ہے۔" (فضائل حج)

(۹) حضرت شقیق بلخی رح فرماتے ہیں کہ مجھے مکہ مکرمہ کے راستہ میں ایک اپاہج ملا جو گھسٹ کر چل رہا تھا میں نے اس سے دریافت کیا۔" تم کہاں سے آرہے ہو؟"۔ اس نے جواب دیا۔" شہر سمرقند سے آرہا ہوں۔" میں نے دریافت کیا۔" وہاں سے چلے ہوئے کتنا عرصہ گذرا؟"

اس نے جواب دیا۔" دس برس سے زیادہ ہو گئے۔"

میں بڑے تعجب اور حیرت سے اس کو دیکھنے لگا۔ اس نے کہا۔" شقیق کیا دیکھ رہے ہو۔" میں نے کہا تمہارے ضعف اور سفر کی درازی سے تعجب

اور حیرت میں پڑ گیا“۔

اس نے کہا۔ ”شفیق سفر کی دوری کو میرا شوق قریب کر دے گا۔ اور میرے ضعف کا متحمل میرا مولی ہے۔ شفیق تم ایک ناتواں بندہ پر تعجب کر رہے ہو جس کو اس کا مالک اٹھائے لئے جا رہا ہے“ پھر دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے۔

”میرے آقا میں آپ کی زیارت کو جا رہا ہوں اور عشق کی منزل کٹھن ہے۔ لیکن شوق اس شخص کی مدد کیا کرتا ہے جس کی مال مدد نہیں کرتا اور جس کو راستہ کی ہلاکت کا خوف ہو وہ عاشق نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اور وہ بھی عاشق نہیں۔ جس کے ارادہ کو راستہ کی دشواری روک دے“

(فضائل حج)

(۱۰) حضرت ابراہیم ادھم رح جب حج کو تشریف لے گئے تو ایک روز بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ ان کی نگاہ ایک حسین نوجوان پر پڑی جس کے حسن و جمال سے لوگ بے خود وارفتہ تھے۔

حضرت ابراہیم نے اس کو غور سے دیکھا اور رونے لگے۔ پھر فرمایا۔ ”میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک عہد کیا ہے جس کو توڑنے پر قدرت نہیں ورنہ اس لڑکے کو اپنے پاس بلاتا اور اس سے ملتا یہ میرا بیٹا ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو بہت کم عمر کا چھوڑ کر گھر سے نکلا تھا اب یہ بڑا اور جوان ہو گیا مگر مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ جس چیز کو اس کے لئے چھوڑ دیا پھر اُدھر متوجہ ہوں“۔

اس کے بعد چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے:۔ ”جب سے میں نے اس پاک ذات کو پہچانا اس وقت سے اب تک جدھر دیکھتا ہوں اپنے محبوب کو

پاتا ہوں مجھے اپنی نگاہ پر غیرت ہے کہ میں اس کے سوا کسی کو نہ دیکھوں میرے ذخیرہ کی انتہا اور اے میرے سوال کی غایت اے میرے اثاثہ کی پوری پونجی کاش تیری محبت حشر تک میرے دل میں رہے۔"

پھر حضرت ادہم رح نماز میں مشغول ہو گئے اور سجدہ میں اس قدر آہ و زاری کی کہ آنسوؤں سے تمام جگہ تر ہو گئی۔ بعد نماز دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے۔

"میں نے ساری دنیا کو تیرے عشق میں چھوڑا اور اپنے بچوں کو یتیم بنایا تاکہ تجھے دیکھ لوں۔ اگر تو عشق میں میری حاجت روائی نہ کرے گا تو یہ دل تیرے سوا کہیں بھی سکون نہ پائے گا۔"

یہ محبان صادق اور عاشقان مولی کے چند واقعات ہیں جن سے ان وارفتگان محبت اور کشتگانِ عشق کے حج و زیارت کا منظر سامنے آجاتا ہے۔

حج اور زیارت بیت اللہ کا اصل لطف عشق و محبت کے ساتھ ہے جس دل میں اللہ رب العزت کا عشق جلوہ افروز ہو گا وہ ہر شے اور ہر ادا سے لطف اندوز اور مست و سرشار ہو گا اور کورباطن سیاہ قالب ہمیشہ ہر مقام پر کور چشم اور بے بہرہ رہے گا۔

عشق و محبت کس کو کہتے ہیں۔ اور اس کی کیا علامات ہیں اور کیا آثار ہیں۔ اس کا جواب کسی عاشق زار وارفتہ الفت سے سنئے۔ ؎

عاشقی چیست بگو بندہ جاناں بودن　　دل بدست دگرے دادن حیراں بودن

حضرت شیخ ابوبکر کتانی رح فرماتے ہیں ایک مرتبہ حج کے زمانہ میں مکہ مکرمہ میں عاشقان حق اور اولیاء اللہ میں عشق الہی کے متعلق گفتگو ہوئی۔ حضرت جنید

بغدادی بھی اس مجلس میں شریک تھے اور سب سے خورد سال تھے سب نے عشق الٰہی کی توضیح کی پھر حضرت جنید رح سے کہا عراقی بھائی تم بھی کچھ بیان کرو۔"

حضرت جنید نے سر جھکا یا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے پھر فرمایا۔

عاشق وہ بندہ ہے جو اپنے نفس سے جاتا رہا ہو اپنے پروردگار کے ذکر میں ہر وقت لگا رہے۔ اس کے حقوق کی ادائیگی میں مستعد رہے۔ اپنے دل سے ہر وقت اسی کو دیکھتا رہے۔ اور اسی کی جانب متوجہ رہے۔ مولیٰ کی ہیبت وجلال کے انوار وتجلیات نے اس کے دل کو جلا کر خاکستر بنا رکھا ہو۔ اور اس کی محبت کی خالص شراب پی رکھی ہو۔ اور وہ قادر مطلق غیبوبیت کے پردوں سے باہر ہو کر اس پر ہویدا ہو گیا ہو۔ پس جب یہ عاشق بات کرے تو اللہ ہی کے ساتھ ہو۔ کوئی حرف زبان سے نکالے تو اللہ ہی کی طرف سے ہو کوئی حرکت کرے تو اسی کے حکم سے ہو اگر ساکن ہو تو اسی کے ساتھ سکون ہو۔ پس وہ ہر وقت اللہ ہی سے وابستہ ہے۔ اللہ ہی کے واسطے ہے۔ اللہ ہی کے ساتھ ہے۔"

اس تقریر پر تمام عشاق رونے لگے اور کہا اس سے بہتر عشق مولیٰ کی تعبیر نہیں ہو سکتی۔ خدا تجھے شادکام بنائے اے عاشقوں اور عارفوں کے سرتاج۔

(فضائل حج)

ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت سمنون رح کو دیکھا طواف میں جھوم رہے تھے اور مزے لے رہے تھے۔ میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا، تمہیں اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کی قسم مجھے یہ بتاؤ تم کس طرح اللہ تک پہنچے۔ وہ یہ سن کر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو دو شعر نہایت رقت آمیز دردناک پڑھے پھر فرمایا۔

میں نے چند امور اپنے پر لازم کر لیئے اور ان کو اپنے دل میں خوب جما لیا اور پختہ کر لیا ہے۔ اول یہ کہ جو چیز مجھ میں زندہ تھی یعنی خواہش نفس اس کو فنا کر دیا۔ اور جو چیز مردہ تھی یعنی میرا دل اس کو زندہ کر لیا۔ دوسرے یہ کہ جو چیز مجھ سے غائب تھی یعنی آخرت اس کو میں نے ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے کر لیا اور جو چیز میرے سامنے تھی یعنی دنیوی اغراض ان کو میں نے اپنے سامنے سے ہٹا دیا۔ تیسرے یہ کہ جو چیز مجھ سے فنا ہو رہی تھی یعنی تقویٰ اس کو میں نے حاصل کر لیا۔ اور باقی رکھا اور جو میرے پاس جمع تھی یعنی خواہشات ان کو فنا کر دیا۔ چوتھے یہ کہ جس سے تم سب کو وحشت ہوتی ہے اس سے میں نے انس پیدا کیا۔ اور جس سے تم سب کو انس ہے اس سے میں بھاگنے لگا۔ اس کے بعد چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے:

"میری روح پوری کی پوری آپ کی طرف متوجہ ہے اگر اس میں ہلاک ہو جائے تب بھی میں اس کو آپ سے جدا نہیں کر سکتا۔ میری روح خوف اور حزن و ملال سے روتی رہتی ہے حتیٰ کہ لوگ کہتے ہیں یہ فرطِ غم اور بے قراری سے پاش پاش ہو جائے گی۔ ایک کرم کی نگاہ اس پر ڈال دیجیے۔ اگرچہ دنیوی منافع بے شمار عطا ہوئے اور ہمیشہ ان سے منتفع رہا لیکن مطلوب و مقصود کچھ اور ہے۔" (فضائل حج)

حضرت سمنونؒ نے جو قتیل الفت اور شہید وفا تھے چند امور تلقین فرمائے جو مکتب عشق کے اولین سبق ہیں اور عشق الٰہی کے آثار و علامات ہیں۔

حج کرنے کا طریقہ

حج کی ادائیگی کے لئے تین اہم شرائط ہیں۔ اول احرام باندھنا۔
دوسرے ۹ر ذی الحجہ کو زوال کے بعد عرفات میں ٹھیرنا۔
تیسرے۔ بیت اللہ کا طواف زیارت۔ پہلے احرام باندھا جاتا ہے
پھر عرفات میں وقوف ہوتا ہے۔ اس کے بعد طواف زیارت کیا جاتا ہے۔
حج تین طرح کیا جاتا ہے۔
اول۔ صرف حج کا احرام باندھنا اس کو "افراد" کہتے ہیں۔
دوسرے۔ حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھنا اس کو "قران"
کہتے ہیں۔
تیسرے حج کے مہینوں میں اول عمرہ کا احرام باندھنا اور عمرہ کے افعال
ادا کرکے احرام سے حلال ہو جانا پھر اسی سال حج کا احرام باندھنا اور حج کے
ارکان ادا کرنا اس کو "تمتع" کہتے ہیں۔ ان تینوں صورتوں میں حج ہو جاتا ہے۔
البتہ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک قران افضل ہے۔

احرام باندھنے کا طریقہ

مکہ مکرمہ کے چاروں طرف مکہ میں داخل ہونے والوں کے لئے جگہ مقرر ہے

جس کو "میقات" کہتے ہیں۔ اس جگہ سے بغیر احرام باندھے گزرنا سخت گناہ اور حرام ہے۔ مدینہ منورہ سے آنے والوں کے لئے "ذو الحلیفہ" میقات ہے۔ اور ہندوستان سے جانے والوں کے لئے "یلملم" میقات ہے۔ میقات پر پہنچ کر یا میقات سے پہلے احرام باندھ لینا چاہیئے۔ ہندوستان سے جانے والے بحری جہاز جب یلملم کی محاذات سے گزرتے ہیں اس وقت جہاز راں حجاج کو مطلع کر دیتا ہے۔

احرام باندھنے کا طریقہ یہ ہے اوّل حجامت بنوائے ناف کے نیچے کے بال لے اگر سر منڈانے کی عادت ہو تو سر بھی منڈوائے ورنہ بالوں کو کنگھے سے درست کرے اگر بی بی ساتھ ہو اور کوئی عذر اور تنگی مانع نہ ہو تو مجامعت کرنا بھی مستحب ہے۔ پھر احرام کی نیت سے غسل کرے اگر غسل دشوار ہو تو صرف وضو کرلے اور سلے ہوئے کپڑے اتار دے اور دو سفید چادریں نئی یا دُھلی ہوئی لے کر ایک تہبند کی طرح باندھ لے اور دوسری اوڑھ لے اور بدن اور کپڑوں کو خوشبو لگائے مگر ایسی خوشبو نہ ہو جس کا ظاہری اثر بعد میں باقی رہے۔ پھر اگر وقت مکروہ نہ ہو تو سر ڈھک کر دو رکعت نفل احرام کی نیت سے پڑھے۔ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ قل یا ایہا الکافرون اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ قل ہو اللہ احد پڑھنا افضل ہے۔ فرض نماز کے بعد بھی اگر احرام باندھ لیا جائے تو مستحب ادا ہو جائے گا۔ نماز کے بعد سر کو کھول لے اور دل میں نیت کرے کہ میں حج کا احرام باندھتا ہوں یا عمرہ کا احرام باندھتا ہوں یا حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھتا ہوں اور زبان سے اس ارادہ اور نیت کو ادا کرے۔ پھر یہ تلبیہ پڑھے۔ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ

لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ۔

تلبیہ میں ان الفاظ سے کمی کرنا مکروہ ہے البتہ اول و آخر میں ان الفاظ کو بڑھا سکتا ہے جو حدیث سے ثابت ہوں۔

تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا مستحب ہے۔ مگر چیخنا اور چلّانا نہ چاہیئے۔ متانت و سنجیدگی عاجزی اور انکساری خوف اور شرمساری کے ساتھ کثرت سے تلبیہ پڑھتا رہے۔ کہ یہ اس زمانہ کا سب سے افضل ذکر اللہ اور اہم عبادت ہے اور شعائر حج سے ہے۔

اب احرام بندھ گیا۔ لہذا تمام ممنوعات احرام سے بچنا چاہیئے۔

ممنوعاتِ احرام

(۱) جماع اور جماع کے تمام لوازمات مثلاً عورت کا بوسہ لینا۔ اس سے بغل گیر ہونا فحش اور گندہ باتیں کرنا۔ اور جذبات شہوانی کے ابھارنے والے امور کا مرتکب ہونا۔

(۲) قتل و قتال اور اس کے تمام دواعی اور محرکات لڑائی جھگڑا گالی گلوج فسق و فجور اور شکار کھیلنا۔ اور جذبات حیوانی کو مشتعل کرنے والے امور کا مرتکب ہونا۔

(۳) سلا ہوا لباس پہننا۔ خوشبو لگانا۔ ناخن اور بال کتروانا سر یا رخسار کو ڈھکنا زیب و زینت کی چیزوں کا استعمال اور جذبات نفسانی کو برانگیختہ کرنے والے امور کا مرتکب ہونا۔ جو مقام کے ادب و احترام کے خلاف ہوں۔

تنبیہہ۔ عورت کا احرام بھی مرد کی طرح ہی البتہ عورت سلے ہوئے کپڑے پہنے اور تلبیہ اتنی زور سے نہ پڑھے کہ غیر مرد آواز سنیں۔ مردوں کی طرح عورت کو بھی چہرہ پر کپڑا ڈالنا یا پنکھا وغیرہ رکھنا جو رخساروں کو لگتا ہو جائز نہیں بلکہ عورت کو ایسی طرح پردہ کرنا چاہیئے کہ کپڑا یا نقاب چہرے کو نہ چھوئے۔ عورت اگر حیض ونفاس کی حالت میں ہو تو احرام کے وقت نماز نہ پڑھے بلکہ صرف غسل کر کے احرام باندھ لے۔ یہ غسل طہارت کا نہیں بلکہ نظافت اور صفائی کے لئے ہے جو احرام کیوقت مستحب ہے۔ باقی احکام میں عورت اور مرد برابر ہیں۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ

حرم محترم کے چاروں طرف حدود[1] قائم ہیں جب اس حد پر پہنچکر حرم کی حد میں داخل ہو تو عاجزی وانکساری، ندامت وشرمندگی کے ساتھ توبہ اور استغفار کرے اور بار بار تلبیہ پڑھے۔ یہ وہ مقام ہی جس کو اللہ اور رسول نے بڑائی اور عظمت دی ہی۔ اور مالک الملک والملکوت اور صاحب جلال وجبروت کی بارگاہ عالی کی چوکھٹ ہی جو رب العالمین ہی بڑی بڑی قوتیں یہاں آکر سرنگوں ہوئیں اور تمام جلیل القدر

---

[1] سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے ان حدود کو قائم کیا۔ طوفان نوح کی وجہ ہی یہ حدود قائم نہ رہی تھی۔ اس لیئے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی خبر کے موافق ان نشانات کو قائم کیا پھر نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فتح مکہ کے بعد حد بندی کرائی۔ حد حرم مدینہ منورہ کے راستہ میں "تنعیم" ہی۔ جو مکہ مکرمہ سے تین میل ہی۔ اور یمن کے راستہ سی "اضاۃ" تین لیھ

(باقی نوٹ صفحہ ۲۱۶ پر ملاحظہ کیجیے)

انبیاء کرام علیہ السلام نے اس عالی بابرکت وعظمت مقام کا ادب واحترام کیا۔ اگر مجبور ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ورنہ حدِ حرم میں پیادہ پا، اور برہنہ پا، ہو کر داخل ہونا افضل اور مستحب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام حدودِ حرم میں پیادہ پا، اور برہنہ پا، ہو کر داخل ہوتے تھے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے پندرہ حج کئے آپ پیدل چلتے تھے اور سواری کی اونٹنی خالی چلتی تھی مگر کبھی ادب وحرمت کی وجہ سے سوار نہیں ہوئے۔

اور بہت سی بزرگان دین اور علماء امت کا بھی یہی طریقہ رہا اور جگہ کی عظمت وشوکت بھی اسی کی متقضی ہے جس راہ کو آنکھوں کے بل طے کرنا بھی گستاخی اور بے ادبی سے خالی نہیں۔ اس کو غفلت اور لاپروائی سے گذار دینا یقیناً خسران اور کم نصیبی ہے۔

جب موضع ذی طوی پر پہنچے۔ تو اگر اب تک سواری پر سوار تھا تو اب سواری سے اتر جائے اور دخول مکہ مکرمہ کے لیے غسل کرے اگر غسل دشوار ہو

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۵ یہ ہے)

جو مکہ مکرمہ سے سات میل ہے۔ اور عراق کے راستہ سے "ثنیۃ خل" ہے جو مکہ مکرمہ سے سات میل ہے۔ اور جعرانہ کے راستہ سے "آل عبداللہ" ہے جو مکہ مکرمہ سے نو میل ہے۔ اور طائف کے راستہ سے "عرنۃ" ہے۔ جو مکہ مکرمہ سے سات میل ہے۔ اور جدہ کے راستہ سے "حدیبیہ" ہے۔ جو مکہ مکرمہ سے دس میل ہے۔ یہاں نشان کے طور پر دو کھمبے بنا دیئے گئے ہیں۔ ۱۲ منہ۔

تو صرف وضو کرے۔ مکہ مکرمہ میں شب و روز میں جس وقت جی چاہے داخل ہو سکتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ رات کو داخل نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابن عمرؓ جب مکہ مکرمہ آتے تو رات ذی طوی میں بسر فرماتے اور دن کو غسل کر کے شہر مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ (بخاری و مسلم) دیگر انبیاء کرام نے بھی "ذی طوی" میں قیام فرمایا ہے۔

اس کے بعد عاجزانہ صورت بنائے ہوئے ذوق و شوق کو لئے ہوئے خشوع اور خضوع کے ساتھ مجرم و خطا کار بندہ دل اور سوز عشق کے پروانوں کی طرح "ثنیہ[1] کداء" اور معلات کے راستہ سے مسجد حرام کی جانب روانہ ہو۔

اگر اپنے راستہ میں یہ جگہ نہ پڑتی ہو تب بھی پھر کر اسی راستہ سے داخل ہونا مستحب ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ سے داخل ہوئے تھے باوجودیکہ یہ جگہ آپ کے راستہ میں نہ تھی۔ نیز بیت اللہ کا دروازہ بھی اسی جانب ہے اور بیت اللہ کا دروازہ بمنزلہ چہرہ کے ہے۔ اور کسی مقتدر اور معزز کی زیارت چہرہ کی جانب سے کی جاتی ہے۔ نہ کہ پشت کی جانب سے۔

جب مکہ مکرمہ کے مکانات اور آبادی نظر آئے تو دعا مانگے اور جب جنت المعلیٰ یعنی قبرستان پر سے گذرے تو وہاں والوں پر فاتحہ پڑھے اور جب مدعا پر پہنچے تو سلف کے اتباع میں یہاں بھی دعا مانگنا مستحسن ہے۔

---

[1] یہ جنت المعلیٰ کی جانب ایک اونچی گھاٹی ہے۔ جنت المعلیٰ کے وسط سے یہ راستہ گذرتا ہے اور پھر سوق المعلات سے گزر کر باب السلام پر پہنچ جاتا ہے ۱۲ منہ

غرض تمام راستہ تلبیہ پڑھتا ہو حمد و ثنا کہتا ہو اور توبہ و استغفار کرتا ہوا حرم محترم پر حاضر ہو۔

افضل یہی ہے کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد پہلے مسجد حرام میں جائے اور بیت اللہ کی زیارت اور طواف سے فارغ ہو لیکن اگر سامان وغیرہ کی وجہ سے تشویش ہو تو پہلے سامان وغیرہ کا بندوبست کرے تاکہ طمانیت قلب کے ساتھ حرم محترم کی حاضری نصیب ہو۔

جب حرم محترم پر پہنچے تو باب بنی شیبہ سے داخل ہو جس کو اب باب السلام کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دروازہ سے داخل ہوئے تھے۔

جب بیت اللہ پر نظر پڑے تو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ بَیْتَكَ ھٰذَا تَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا وَّتَکْرِیْمًا وَّمَھَابَۃً وَّزِدْ مَنْ شَرَّفَہٗ وَعَظَّمَہٗ وَکَرَّمَہٗ مِمَّنْ حَجَّہٗ اَوِ اعْتَمَرَہٗ تَشْرِیْفًا وَّتَکْرِیْمًا وَّتَعْظِیْمًا۔ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ حَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ ٭

بیت اللہ کا طواف

مسجد حرام میں داخل ہو کر نماز وغیرہ کچھ نہ پڑھے بلکہ پہلے بیت اللہ کا طواف کرے۔ مسجد حرام کی تحیۃ المسجد طواف ہے۔ اگر فرض نماز کا وقت تنگ ہو یا جماعت

کھڑی ہو گئی ہو تو پہلے فرض نماز پڑھے پھر طواف کرے۔

طواف کا طریقہ یہ ہی کہ حجر اسود کے سامنے اس طرح کھڑا ہو کہ داہنا مونڈھا حجر اسود کے بائیں کنارہ کے سامنے ہو اور سارا حجر اسود داہنی طرف رہے اور طواف کی نیت کرے اور یہ پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ طَوَافَ بَیْتِكَ الْحَرَامِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ فَیَسِّرْهُ لِیْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّیْ۔

الٰہی میں تیرے بیت محترم کے سات چکر طواف کی نیت کرتا ہوں تو اس کو آسان فرما اور قبول فرما۔

پھر حجرِ اسود کے سامنے آجائے اور نماز کی طرح دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر یہ کہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِكَ وَوَفَاءً بِعَھْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے اللہ بہت بزرگ و بالاتر ہے۔ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا اللہ ہی کے لئے حمد و ثنا ہی۔ اور درود و سلام ہو اللہ کے رسول پر۔ الٰہی تجھ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور تیرے وعدہ کا ایفا کرتے ہیں اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور پیروی کرتے ہیں۔

(صفحہ ۲۱۸ کا نوٹ یہ ہی)

لہ یہ طواف قدوم کہلاتا ہی۔ اگر اس کے بعد سعی کرنے کا ارادہ ہو تو پہلے اضطباع کرے۔

تکبیر اور استقبال حجر اسود سے پہلے ہاتھ اٹھانا بدعت ہو بلکہ حجر اسود کے استقبال کے بعد تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے پھر ہاتھ چھوڑ کر حجر اسود کو بوسہ دے دونوں ہاتھ حجر اسود پر رکھ کر ان کے درمیان زمی سے بوسہ دے اور پیشانی کو اس پر رکھ کر پھر بوسہ دے۔ اس کو استلام کہتے ہیں اور استلام سنت ہے۔ لیکن ازدحام کے وقت جب دوسروں کو ایذا پہنچتی ہو یا انتظار کی وجہ سے رکنا پڑے تو استلام نہ کرے بلکہ ہاتھ حجر اسود پر رکھ کر اس کو چوم لے یا کسی اور چیز سے حجر اسود کو چھو کر اس کو چوم لے۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دونوں ہتھیلیوں یا ایک ہتھیلی کو حجر اسود کی طرف کرے کہ گویا ہاتھ حجر اسود پر رکھے ہیں۔ پھر ہاتھوں کو بوسہ دے۔

استلام کے بعد داہنی طرف کو دروازہ کی طرف چلے کہ بیت اللہ بائیں جانب رہے اور طواف میں حطیم کو ضرور شامل کرے ورنہ طواف ادا نہ ہوگا۔ جب رکن یمانی پر پہنچے جو جنوب کی طرف کا گوشہ ہے تو اس کا بھی استلام

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱۹ پر ہے) یعنی چادر کو داہنے مونڈھے کے نیچے سے نکال کر دونوں کونوں کو بائیں مونڈھے پر ڈال لے۔ اور طواف کے پہلے تین شوط میں رمل کرے یعنی لپک کر اور مٹک کر چلے۔ باقی چار شوط میانہ روی سے پورے کرے۔ رمل اور اضطباع صرف اس طواف میں ہے جس کے بعد سعی کی جائے۔ اگر محض طواف کرنا ہو تو رمل اور اضطباع نہ کرے۔ طواف کے بعد اضطباع کو موقوف کرے اور طواف کی دو رکعت مونڈھے ڈھک کر پڑھے۔ ۱۲ منہ۔

کرے رکن یمانی کا استلام یہ ہے کہ دونوں ہاتھ یا صرف داہنا ہاتھ اس کو لگا دو۔ بوسہ دینا یا پیشانی لگانا یا اشارہ کرنا یہاں نہیں چاہیئے۔

حجرِ اسود اور رکن یمانی کے سوا کسی دوسرے گوشے یا دیوار کعبہ کا استلام مکروہ ہے۔ جب تمام بیت اللہ کا چکر لگا کر حجرِ اسود پر پہنچے تو پہلے کی طرح حجرِ اسود کا بوسہ دے مگر ہاتھ نہ اٹھائے ہاتھ صرف پہلی دفعہ اٹھائے جاتے ہیں۔ اب ایک شوط (چکر) پورا ہوگیا۔ اسی طرح سات شوط پورے کرے اور اثنار طواف میں ذکر اللہ اور تسبیح و تقدیس میں مشغول رہے۔ پہلے معلوم ہو چکا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور فرشتے اثنار طواف میں یہ ذکر کرتے تھے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان یہ پڑھتے تھے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

طواف کے سات شوط پورے کرنے کے بعد پھر آٹھویں دفعہ حجرِ اسود کو بوسہ دے اور آیۃ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی پڑھتا ہوا مقام ابراہیم کی طرف چلے اور مقامِ ابراہیم پر دو رکعت[۵] پڑھے اس طرح کے مقام ابراہیم

---

[۵] یہ دو رکعت نماز ہر طواف کے بعد خواہ طواف فرض ہو یا نفل واجب ہیں بہتر جگہ ان کے لئے مقام ابراہیم ہے جیسا کہ آیت میں اشارہ ہے۔ پھر حطیم پھر مسجد حرام پھر سارا حرم

(باقی نوٹ صفحہ ۲۲۲ پر!)

تمہارے اور بیت اللہ کے درمیان رہے۔ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قل یا ایہا الکافرون پڑھے اور دوسری رکعت میں قل ہو اللہ پڑھے اور بعد نماز جو چاہے دعا مانگے۔ پھر ملتزم[له] پر آئے اور دیوار کعبہ سے لپٹ کر دونوں ہاتھ پھیلا کر عاجزی اور انکساری گریہ وزاری شوق و دیوانگی کے ساتھ دعا مانگے اور رونا نہ آئے تو بہ تکلف روئے۔ کبھی پیشانی کو دیوار اور پردے سے لگائے۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔ اور کبھی رخساروں کو اور عاشقانہ اور مجنونانہ انداز سے محبوب کے گھر کی در و دیوار اور پردہ سے خوب چمٹے اور خوب دعا اور التجا کرے کہ یہ دعا کے قبول ہونے کا وقت ہی۔

پھر چاہِ زمزم پر آئے اور قبلہ رُخ کھڑے ہو کر خوب سیر ہو کر تین دفعہ سانس لے لے کر زمزم پیئے اور ہر مرتبہ سانس لینے کے بعد بِسْمِ اللّٰہِ وَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ الصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ - پڑھے اور بچے ہوئے پانی کو اپنے اوپر ڈالے اور خوب دعا مانگے کہ یہ دعا قبول ہونے کا وقت ہی۔ اور یہ پڑھے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۲۱ یہ ہے)

برابر ہی البتہ حرم کے باہر ان کا پڑھنا مکروہ ہی مگر واجب ادا ہو جائے گا۔ اگر وقت مکروہ نہ ہو تو طواف کی دو رکعت کو طواف کے فوراً بعد پڑھنا چاہیئے۔ اور اگر نماز فجر یا عصر کے بعد طواف کیا ہی تو ابھی دو رکعت نہ پڑھے جب وقت مکروہ نکل جائے تو طواف کی دو رکعت ادا کرے طواف ہر وقت کر سکتا ہی اور جس قدر چاہی کر سکتا ہی اس کے لئے نہ وقت مقرر ہی اور نہ کوئی تعداد معین ہی۔ بلکہ کثرت محبوب و مرغوب ہی۔ ۱۲ منہ

[له] کعبہ شریف کے دروازہ اور حجر اسود کے درمیان کی جگہ کو ملتزم کہتے ہیں اس لئے کہ اس مقام

(باقی نوٹ صفحہ ۲۲۳ پر)

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا	الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں علم نافع کا
وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّعَمَلًا صَالِحًا	اور رزق واسع کا اور عمل صالح کا اور ہر
وَّشِفَاۤءً مِّنْ كُلِّ دَاۤءٍ -	بیماری سے شفا کا۔

یہ طواف جو ذکر کیا گیا طوافِ قدوم کہلاتا ہے۔ جو باہر سے آنے والوں کے لئے سنت ہے۔ اور جو مکہ مکرمہ یا میقات کے اندر رہتے ہیں ان کے لئے سنت نہیں ایسا ہی جو عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ آئے اس کے لئے بھی سنّت نہیں۔ اگر باہر سے آنے والے نے طواف کیا اور طوافِ قدوم کی نیت نہیں کی تب بھی طواف قدوم ہو جائیگا۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی

اگر صفا و مروہ کے درمیان[۵] سعی کا ارادہ ہو تو زمزم پی کر پھر حجرِ اسود پر آئے اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ کر حجرِ اسود کو بوسہ دے اور یہ آیت پڑھتا

(بقیہ صفحہ ۲۲۲ یہ ہے)

پر عاشقانِ حق بیت اللہ سے چمٹ کر دل کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ لطف و سرور پاتے ہیں اور مراد و مقصود کو پہنچتے ہیں۔ ۱۲ منہ۔

[۵] صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے افضل یہ ہے کہ سعی طواف زیارت کے بعد کی جائے۔ لیکن اگر طواف قدوم کے بعد سعی کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ اور سعی کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ طواف کے بعد کی جائے۔ اگر بغیر طواف کے سعی کرے گا تو وہ معتبر نہ ہوگی۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ طواف کے بعد فوراً سعی شروع کر دی جائے بلکہ سنت ہے۔ اگر ضعف کی وجہ سے تکان ہو یا کوئی اور عذر ہو تو طواف کے بعد کچھ دیر ٹھہر جائے پھر

۱۲ منہ

ہوا صفا کی جانب روانہ ہو۔

اَبْدَءُ بِمَا بَدَءَ اللّٰہُ بِہٖ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ۔ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِھِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیْمٌ۔

شروع کرتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا اللہ کے نام پر جو رحمٰن و رحیم ہے بیشک صفا اور مروہ اللہ کے شعائر سے ہیں پس جو شخص حج یا عمرہ کرے اس کے لیے کوئی حرج نہیں کہ ان کے درمیان چکر لگائے اور جو زیادہ کرے خیر کو تو اللہ قدردان خبردار ہے۔

اور صفا پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آسکے۔ پھر قبلہ رخ کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور خوب دعا مانگے یہ بھی دعا قبول ہونے کا وقت ہے۔ اور یہ دعا پڑھے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ اَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔

نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا یکتا ہے کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں، اسی کے لئے حمد و ثنا ہے وہی زندہ کرتا ہے وہی موت دیتا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا یکتا ہے اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور تنہا لشکر کو شکست دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پڑھ کر دعا مانگی پھر دوبارہ پڑھ کر دعا مانگی پھر تیسری بار پڑھ کر دعا مانگی۔

دیر تک صفا پر ٹھیرے اور ذکر اللہ اور دعا کرتا رہے۔ پھر صفا سے اتر کر مروہ کی جانب میانہ روی سے روانہ ہوا اور ذکر اللہ اور دعا میں مشغول رہے۔ یہ بھی دعا قبول ہونے کا وقت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا اور مروہ کے درمیان یہ دعا پڑھتے تھے۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ۔ — پروردگار مغفرت فرما اور رحم فرما تو بڑی شان والا اور کرم والا ہے۔

جب سبز مینار پر پہنچے تو وہاں سے دوسرے مینار تک دوڑ کر چلے۔ مگر بہت تیز نہ دوڑے۔ پھر اسی میانہ روی سے چلے اور مروہ پر چڑھے اور تھوڑا داہنی طرف مائل ہو کر کھڑا ہو تاکہ بیت اللہ کا اچھی طرح استقبال ہو جائے اس لئے کہ مکانات کی وجہ سے اب بیت اللہ یہاں سے نظر نہیں آتا۔ اور جو کچھ صفا پر کیا تھا وہی یہاں بھی کرے اور خوب دعا مانگے۔ یہ بھی دعا قبول ہونے کی جگہ ہے۔ یہ صفا سے مروہ تک آنا ایک شوط ہے۔ اسی طرح مروہ سے صفا پر جائے اور سات شوط پورے کرے۔ ساتواں شوط مروہ پر ختم ہوگا۔ سعی کے بعد دو رکعت نفل مسجد حرام میں پڑھے۔

اگر افراد کی نیت کی ہو یعنی صرف حج کا احرام باندھا ہو تو طواف قدوم اور سعی کے بعد احرام باندھے ہوئے مکہ مکرمہ میں قیام کرے۔ اور اگر

قران کی نیت کی ہی یعنی حج اور عمرہ دونوں کا ساتھ احرام باندھا ہی۔ تو اول عمرہ کا طواف اور سعی کرے پھر طواف قدوم رمل اور اضطباع کے ساتھ کرکے دوبارہ سعی کرے اور احرام باندھے ہوئے قیام کرے۔ قران والے کے لئے افضل یہ ہی کہ وہ سعی طواف قدوم کے بعد کرے بخلاف افراد والے کے کہ اس کو طواف زیارت کے بعد سعی کرنا افضل ہی۔ اگر طواف قدوم کے بعد سعی کا ارادہ نہ ہو بلکہ سعی طواف زیارت کے بعد کرنا چاہتا ہو تو طواف قدوم کو بغیر اضطباع اور رمل کے ادا کرے۔

اگر تمتع کیا ہی یعنی حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ کا احرام باندھا ہی پھر اسی سال حج کا ارادہ ہے تو عمرہ کا طواف اور سعی کرکے سر کے بال منڈوا کر احرام سے حلال ہوجائے پھر حج کے موقع پر حج کا احرام باندھے۔

مکہ مکرمہ کے اس قیام میں جس قدر ہو سکے۔ نفل طواف کرے اس لئے کہ باہر سے آنے والوں کے لئے نفل طواف نفل نماز سے افضل ہے اور یہ یہاں کی مخصوص عبادت ہی۔

حج کی تیاری اور عرفات کو روانگی

۷ ذی الحجہ کو ظہر کے بعد امام مسجد حرام میں خطبہ پڑھتا ہی جس میں حج کے مقاصد اور مسائل بیان کرتا ہی۔ یہ خطبہ مسنون ہی گو عربی زبان ہونے کی وجہ سے سمجھ میں نہ آئے پھر بھی خطبہ کا سننا مستحب ہی۔

اگر مفرد یا قارن ہی اور حج کا احرام باندھے ہوئے ہے تو فبہا ورنہ

۷ر تاریخ کی شام کو یا ۸ر تاریخ کی شب میں حج کا احرام باندھ لے۔ اور آٹھ تاریخ یوم ترویہ کو طلوع آفتاب کے بعد مکہ مکرمہ سے منیٰ کی جانب روانہ ہو۔ منیٰ پہنچکر مسجد کے قریب قیام کرنا افضل ہے۔ اور پانچ نمازیں ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشاء۔ فجر وہاں پڑھے۔ منیٰ میں ان پانچ نمازوں کا پڑھنا اور وہاں رات گذارنا سنت ہے۔ منیٰ کے قیام میں تلبیہ پڑھتا رہے اور ذکر اللہ اور دعا اور توبہ و استغفار میں مشغول رہے اور فضول باتوں اور فضول کاموں میں اس قیمتی وقت کو ضائع نہ کرے۔

۹ر تاریخ کی صبح کو فجر کی نماز سویرے پڑھے پھر سورج نکلنے کا انتظار کیے جب سامنے کی پہاڑی پر جس کو جبل ثبیر کہتے ہیں دھوپ ظاہر ہو جائے تو نہایت سکون اور وقار کے ساتھ تلبیہ پڑھتا ہوا اور ذکر اللہ کرتا ہوا عاجزی اور مسکنت کے ساتھ ضَبّ (مسجد خیف کے متصل پہاڑ ہے) کے راستہ سے عرفات کو روانہ ہو۔ عرفات میں وادی عرنہ کے علاوہ جس جگہ چاہے قیام کرے۔ جبل رحمت کے قریب جہاں بڑے بڑے سیاہ پتھر پڑے ہیں قیام کرنا افضل ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقوف کی جگہ ہے اور جبل رحمت پر چڑھنا جیسا کہ عوام کرتے ہیں فضول ہے۔

پھر زوال سے پہلے غسل یا وضو کرکے مسجد نمرہ میں جائے وہاں امام خطبہ پڑھے گا اس کو سنے پھر امام کے ساتھ ظہر اور عصر کی نماز ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ ظہر کے وقت میں اکٹھا پڑھے ظہر و عصر کی نماز کے درمیان یا بعد میں کوئی سنت یا نفل نماز نہ پڑھے۔

ظہر اور عصر کے جمع کرنے کی چند شرطیں ہیں۔ (۱) عرفات (۲) نویں ذی الحجہ۔

(۳) امیر یا نائب امیر کا ہونا۔ (۴) دونوں نمازیں احرام کا ہونا۔ (۵) ظہر کا عصر پر مقدم ہونا۔

اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو دونوں نمازوں کا جمع کرنا جائز نہ ہوگا۔ اگر کسی وجہ سے مسجد میں نہ جا سکے تو اپنی قیام گاہ پر ظہر اور عصر اپنے اپنے وقت پر جماعت کے ساتھ ادا کرے اور جمع نہ کرے ایسی صورت میں عصر کی نماز کو وقت سے پہلے پڑھنا جائز نہیں۔

نماز سے فارغ ہو کر اپنی قیام گاہ پر جائے وہاں جبل رحمت کے قریب خشوع و خضوع اور عاجزی و انکساری کے ساتھ قبلہ رخ کھڑا ہو کر اور مسکین و محتاج کی طرح ہاتھوں کو پھیلا کر خوب دعا مانگے اور سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ بار بار پڑھتا رہے اور جو دعائیں بھی یاد ہوں حفظ یا کتاب میں دیکھ کر شام تک پڑھتا رہے۔

ایسا مبارک وقت اور ایسا مبارک دن بار بار نصیب نہیں ہوتا۔ یہ چند گھنٹوں کیلئے بارگاہِ رب العالمین کی حاضری ہے۔ اور احکم الحاکمین کے سامنے اظہار بندگی اقرار فرمانبرداری اور اعتراف خطا کاری کا وقت ہے۔ اگر اس وقت کو بھی غفلت و لاپروائی سے گزار دیا تو بڑے خسارہ میں رہا۔

غرض دل و دماغ اور تمام اعضاء کو اللہ رب العالمین کی جانب متوجہ رکھے اس کی عظمت شان بڑائی اور کبریائی جلال و جمال کو سوچے اور اپنے گناہوں اور سیاہ کاریوں کو یاد کرکے خوب پھوٹ پھوٹ کر روئے اور توبہ و استغفار کثرت سے کرے اگر رونا نہ آئے تو رونے صورت بنائے اور اپنی

سنگدلی اور غفلت و مدہوشی پر افسوس اور ندامت کرتا رہے۔ اور اپنے اور اعزہ اور احباب کے لئے دعار مغفرت اور رحمت مانگے اور درمیان میں تھوڑے وقفہ کے بعد تلبیہ بھی پڑھتا رہے۔ اگر حزب اعظم پاس ہو تو اس کو پڑھے۔ اور اس عاجز و مسکین کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھے۔

۹ر ذی الحجہ کو عرفات کا وقوف فرض ہے۔ ۹ر تاریخ کو زوال کے بعد سے ۱۰ر تاریخ کی طلوع فجر تک وقوف عرفات کا وقت ہے اس وقت میں تھوڑی دیر کے لئے بھی اگر کوئی محرم میدان عرفات میں پہنچ گیا۔ تو وقوف صحیح ہو جائیگا ورنہ حج نہ ہوگا۔

زوال کے بعد جب عرفات میں داخل ہو گیا تو اب واجب ہے کہ غروب آفتاب تک وہاں ٹھیرے اگر غروب آفتاب سے پہلے میدان عرفات سے باہر نکل گیا تو ضروری ہے کہ آفتاب ڈوبنے سے پہلے واپس پہنچ جائے ورنہ دم لازم ہوگا۔

مزدلفہ کو روانگی

غروب آفتاب کے بعد عرفات سے تلبیہ کہتا ہوا دعا استغفار اور کلمہ سوم پڑھتا ہوا نہایت سکون اور وقار کے ساتھ مزدلفہ کی جانب روانہ ہو۔ اگر اژدہام کی وجہ سے تھوڑا سا وقفہ کرے تو کچھ ہرج نہیں البتہ بغیر عذر کے زیادہ دیر لگانا مناسب نہیں۔

مزدلفہ کے قریب پیادہ پا ہو کر مزدلفہ میں داخل ہونا مستحب ہے۔

مزدلفہ پہنچ کر اسباب اتارنے سے پہلے عشا کے وقت میں مغرب اور عشا دونوں نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ جماعت سے پڑھے اس جمع کے لئے امیر یا نائب امیر کا ہونا اور جماعت شرط نہیں بلکہ تنہا نماز پڑھنی ہو تب بھی اسی طرح پڑھے۔

اگر مزدلفہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز مغرب یا عشا ریا دونوں پڑھ لی ہوں تو مزدلفہ پہنچ کر دوبارہ پڑھے۔ اگر طلوع فجر تک اعادہ نہ کیا تو وہی نماز اب ہو گئی قضا پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

اگر راستہ میں اتنی دیر ہو گئی کہ مزدلفہ پہنچنے تک طلوعِ فجر کا اندیشہ ہو تو مغرب اور عشا راستہ میں پڑھے۔

اگر مغرب کے وقت میں مزدلفہ پہنچ گیا تب بھی مغرب کی نماز نہ پڑھے بلکہ جب عشا کا وقت ہو جائے تب مغرب و عشا دونوں پڑھے کہ آج کے دن مغرب کا وقت یہی ہی اسی لئے مغرب کو ادا کی نیت سے پڑھنا چاہیے۔

مزدلفہ کی رات بڑی عجیب وغریب انوار اور خیر و برکات کی رات ہے جس میں لطف وکرم اور رحمت و شفقت کی ارزانی ہوتی ہی۔ پس جس قدر ہو سکے اس رات کو غنیمت اور نعمت سمجھ کر ذکر اللہ دعا۔ درود۔ توبہ و استغفار اور کلمہ سوم پڑھتے ہوئے گذارے۔ اس رات کو جاگنا اور عبادت میں گذارنا مستحب ہی۔ بعض علمار کے نزدیک یہ رات شب جمعہ اور شبِ قدر سے افضل ہے۔ اور اس رات کا مزدلفہ میں گذارنا سنّت موکدہ ہی۔

طلوع فجر کے وقت سے مزدلفہ کے وقوف کا وقت ہی۔ اس کے لئے غسل کرنا

مستحب ہی۔ سویرے سے نماز فجر پڑھ کر مشعر حرام پر جائے پھر طلوع آفتاب تک یہاں کا قیام اور دعا اور ذکر اللہ میں مشغول رہنا مسنون ہی۔ اور یہاں کے مناسک میں داخل ہی۔

وقوف مزدلفہ واجب ہے چاہے تھوڑی دیر کے لیۓ ہو۔ اگر طلوع فجر سے پہلے مزدلفہ سے روانہ ہو گیا یا طلوع آفتاب کے بعد مزدلفہ پہنچا تو دم دینا واجب ہے۔ البتہ اگر بیماری وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے یا عورتوں کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اندھیرے ہی میں منیٰ کو روانہ ہو گیا تو کچھ حرج نہیں۔ مزدلفہ میں وادی محسّر کے علاوہ ہر جگہ ٹھہر سکتا ہے۔ لیکن مشعر حرام کے قریب ٹھیرنا افضل ہے۔

مزدلفہ سے منیٰ کو روانگی

طلوع آفتاب سے پہلے سکون اور وقار کے ساتھ منیٰ کو روانہ ہو اگر وادی محسر کا پتہ چل جائے تو اس کو تیز رفتاری سے قطع کرے۔ پہلے دن کی رمی کی سات کنکریاں مزدلفہ سے لے لینا مستحب ہی۔ کنکری کی مقدار بڑے چنے کے برابر ہو۔ اگر کسی اور جگہ سے کنکریاں اٹھائی جائے تو جائز ہے۔ لیکن جمرات کے پاس سے کنکریاں نہ اٹھائے اس لئے کہ یہ مردود اور غیر مقبول ہیں۔ حدیث میں آیا ہی کہ جس کا حج قبول ہوتا ہی اس کی کنکریاں اٹھالی جاتی ہیں اور جو کنکریاں جمرہ کے پاس پڑی رہ جاتی ہیں وہ غیر مقبول حج کی ہوتی ہیں۔ اگر کوئی

ان کو اٹھا کر رمی کرے .... تو بکراہت جائز ہے۔

باقی دنوں کی رمی کی تریسٹھ ۶۳ کنکریاں مزدلفہ سے لینا مستحب نہیں۔ بلکہ جہاں سے چاہے اٹھائے۔ اور بڑے پتھر کو توڑ کر کنکریاں بنانا مکروہ ہی۔

منیٰ کا قیام اور رمی جمرات

۱۰ تاریخ کو منیٰ پہنچ کر صرف جمرہ عقبہ کی رمی کرے یہ جمرہ منتہائے منی پر مکہ مکرمہ کی جانب واقع ہی۔

رمی کا طریقہ یہ ہی کہ جمرہ کے سامنے نشیب میں کم از کم پانچ گز کے فاصلہ پر اس طرح کھڑا ہو کہ منیٰ داہنی جانب ہو اور کعبہ بائیں جانب۔ پھر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے پر رکھ کر شہادت کی انگلی سے سات کنکریاں یکے بعد دیگرے پے در پے اللہ اکبر کہہ کر جمرہ پر مارے۔ اگر یہ دشوار ہو تو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے مارے اور ہر کنکری پھینکتے وقت یہ دعا پڑھنی افضل ہی۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ رَجْمًا لِّلشَّيْطَانِ وَرَضًا لِّلرَّحْمٰنِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّسَعْيًا مَّشْكُوْرًا وَّ ذَنْبًا مَّغْفُوْرًا۔

اور کنکریاں پھینکتے وقت ہاتھ اتنا بلند ہو کہ بغل نظر آئے۔ اور ضروری ہی کہ کنکری جمرہ پر لگ جائے یا اس کے آس پاس تین گز تک گرے ورنہ اس کے بدلے دوسری کنکری پھینکنی پڑے گی۔

اس رمی کے بعد تلبیہ پڑھنا موقوف کرے۔ اس رمی کا وقت دسویں کی صبح صادق سی گیارہویں کی صبح صادق تک ہی۔ مگر طلوع آفتاب سی زوال تک

مسنون وقت ہے۔ اور زوال سے غروب آفتاب تک مباح وقت ہے۔ اور غروب آفتاب سے صبح صادق تک مکروہ وقت ہے۔ اور معذور اور عورت کے لئے بلا کراہت جائز ہے۔

احرام سے حلال ہونا

جمرہ عقبہ کی رمی سے فارغ ہو کر اول قربانی ذبح کرے بعد میں حلق یا قصر کرے قربانی کرنا قارن اور متمتع پر واجب ہے۔ اور مفرد کے لئے مستحب ہے قربانی کرنے کے بعد سر منڈوائے یا بال کتروائے۔ چوتھائی سر کے بال منڈوانے یا کتروانے سے گو حلال ہو جائے گا مگر تمام سر کے بال منڈوانے مستحب ہیں اور انگریزی بالوں کی طرح صرف چوتھائی سر کے بال کٹوانا سخت گناہ ہے۔ مردوں کے لئے سر کا منڈوانا افضل ہے۔ اور بالوں کا کتروانا بھی جائز ہے۔ لیکن اگر بال اتنے چھوٹے ہوں کہ کترے نہ جا سکیں تو پھر منڈوانا ضروری ہے۔ اگر سر پر بال ہی نہ ہوں تو ویسے ہی استرا پھروالے۔ سر منڈواتے وقت پہلے داہنی جانب سے شروع کرے۔ عورت بال نہ منڈوائے بلکہ ایک پورا انگشت سے کچھ زائد بال کتروائے سر منڈوانے کے بعد مونچھیں اور ناخن کتروائے اور بغل کے بال دور کرے اس لئے کہ حلق یا قصر سے پہلے مونچھیں یا ناخن کتروانا یا بغل کے بال دور کرنا درست نہیں۔ پھر ناخن اور بالوں کو دفن کر دے ان کو پھینکنا گناہ ہے۔ حلق اور قصر کے بعد جو احرام کی وجہ سے منع تھا سب حلال ہو گیا بجز عورت کے کہ جماع طواف زیارت سے فارغ ہونے کے بعد حلال ہوگا۔

طوافِ زیارت

ذبح اور حلق کے بعد ظہر سے پہلے منیٰ سے مکہ مکرمہ آئے اور طواف زیارت کرے یہ حج کا آخری رکن ہے جو کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا۔ طواف زیارت میں نیت کرنا فرض ہے اور چار شوط فرض ہیں۔ اور سات شوط پورے کرنا واجب ہیں۔ اگر پہلے طواف قدوم کے ساتھ سعی کر چکا ہی تو اب بغیر رمل اور اضطباع کے طواف زیارت کرے اور اگر سعی نہیں کی تھی تو اب اس طواف میں پہلی تین شوط میں رمل کرے اور پھر سعی کرے۔ اس طواف میں اضطباع نہیں اس لئے کہ اب احرام اتار کر سلے ہوئے کپڑے پہن چکا۔

طواف زیارت کا وقت دسویں تاریخ کی صبح صادق سے شروع ہو کر بارہویں تاریخ تک ہے۔ اگر ایام نحر کے بعد طواف زیارت کیا تو بکراہت تحریمہ درست ہو گیا۔ اور دم دینا واجب ہی۔

افضل اور اولیٰ یہ ہی۔ کہ دسویں تاریخ کو مکہ مکرمہ آکر طواف زیارت کرے اور پھر منیٰ میں واپس آجائے اس لئے کہ ان راتوں کا منیٰ میں گذارنا سنت ہے۔ منیٰ کے علاوہ رات گذارنا مکروہ ہی۔

پھر گیارہویں تاریخ کو تینوں جمرات کی رمی کرے پہلے جمرہ اولیٰ کی رمی کرے جو مسجد خیف کے قریب ہے۔ پھر جمرہ وسطیٰ کی پھر جمرہ عقبہ کی رمی کرے ہر جمرہ کی رمی میں سات کنکریاں یکے بعد دیگرے پے در پے مارے اور ہر کنکری پر "بسم اللہِ اللہ اکبر" کہے۔ جمرہ اولیٰ کی رمی کے بعد ذرا فاصلہ پر قبلہ رُخ

کھڑا ہو اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے اور دیر تک ذکر اللہ دعا اور درود اور توبہ و استغفار میں مشغول رہے کہ یہ دعا قبول ہونے کا وقت ہے۔ پھر جمرہ وسطی کی اسی طرح رمی کرے اور اسی طرح ذکر اور دعا میں مشغول ہو۔ پھر جمرہ عقبہ کی اسی طرح رمی کرے اور اس کے بعد نہ ٹھہرے اور نہ دعا کرے۔ جمرات کی رمی پیادہ کرنا افضل ہے۔ پہلے دن کی رمی کے علاوہ باقی دنوں کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہے۔ زوال سے پہلے ان دنوں کی رمی جائز نہیں۔ البتہ ۱۳ ر تاریخ کی رمی زوال سے پہلے کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

پھر ۱۲ و ۱۳ ر تاریخ کو اسی طرح زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرے ۱۲ ر تاریخ کو غروب آفتاب سے پہلے بلا کراہت منیٰ سے آسکتا ہے اور غروب آفتاب کے بعد آنا مکروہ ہے اور اگر ۱۳ ر تاریخ کی صبح ہوگئی تو اب بغیر رمی کئے آنا جائز نہیں۔

تینوں ایام کی رمی جمرات سے فارغ ہو کر عاجزی اور انکساری خشوع اور خضوع کے ساتھ حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوا مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہو۔ اور راستہ میں تھوڑی دیر کے لئے وادی محصّب میں ٹھہرنا سنّت ہے اور افضل یہ ہے کہ وہاں مسجد میں ظہر۔ عصر۔ مغرب، عشا۔ چاروں نمازیں پڑھے اور کچھ آرام کرے پھر مکہ مکرمہ میں آئے۔ اگر طواف زیارت نہیں کیا تھا تو بارہویں کو غروب آفتاب سے پہلے طواف زیارت کرے۔

الحمدللہ حج پورا ہو گیا۔ جس کے ہر ہر قدم اور ہر ہر ادا میں بندگی۔ نیازمندی اور فریفتگی کا اظہار رہے اور ہر جگہ مالک الملک رب العالمین کی رضا اور

خوشنودگی کی طلب اور جستجو ہے۔ اسی کی آرزو ہے اسی کی جانب توجہ اور انابت ہے۔
اور وہی مطلوب اور مقصود ہے۔ لاالہ الاہو۔

جبیں پہ غبارِ عشق لب پہ مہر سکوت ۔۔۔ دیارِ غیر میں پھرتے ہیں آشنا کے لئے

اب جب تک دل چاہے مکہ مکرمہ میں قیام کرے اور وہاں کے اوقات کو غنیمت جانے اور ہر وقت عبادت میں مشغول رہے۔ اور جس قدر ہو سکے نفلی طواف اپنے اور اپنے اعزہ اور احباب کی جانب سے کرتا رہے کہ یہ یہاں کی افضل ترین عبادت ہے۔ اور وہ دولت اور نعمت ہے جو گھر جا کر کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتی۔

واپسی اور طوافِ وداع

جب مکہ مکرمہ سے رخصت ہونے کا ارادہ ہو اور روانگی کا وقت قریب آجائے تو رخصتی اور آخری طواف کرے۔ اس طواف کا نام طواف صدر اور طواف وداع ہے۔ یہ طواف باہر والوں پر واجب ہے۔

طواف صدر ادا کرنے کے بعد طواف کی دو رکعت مقام ابراہیم پر پڑھے اور پھر چاہ زمزم پہ آئے اور خوب سیر ہو کر زمزم پیئے۔ اور کچھ زمزم اپنے سر اور چہرہ اور کپڑوں پہ ڈالے۔ پھر ملتزم پر آکر سینہ اور داہنا رخسارہ دیوار پر رکھے اور داہنا ہاتھ اوپر کو اٹھا کر بیت اللہ کا پردہ پکڑے جس طرح غلام اپنے آقا کا دامن پکڑ کر اپنا قصور اور خطائیں معاف کراتا ہے۔ اور خوب آہ وزاری کرے اور دیر تک اسی طرح روتا رہے۔ اور توبہ و استغفار

کرتا رہے۔ پھر بیت اللہ کی چوکھٹ کو بوسہ دے۔ پھر حجر اسود کو بوسہ دے اور رنج و غم اور حسرت و یاس کی نگاہوں سے بیت اللہ کو دیکھتا ہوا الٹے پاؤں باب الوداع سے مسجد حرام سے باہر آئے ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم کہ بہار آخر شد

حج کے بعض اعمال کا اجر و ثواب

بیت اللہ کی زیارت اور طواف کا اجر و ثواب اور عظمت و فضیلت پہلے بیان ہو چکی۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی

صفا اور مروہ دو پہاڑیوں کا نام ہے۔ جو کعبۃ اللہ کے متصل اور سامنے ہیں۔ یہ دونوں پہاڑیاں باعظمت اور بابرکت ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ بیشک صفا اور مروہ اللہ کے شعائر سے ہیں۔

یعنی یہ دونوں پہاڑیاں معالم دین سے ہیں اور حق تعالیٰ کی عبادت کے خصوصی مواضع ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا ستر غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام ان پہاڑیوں پر چڑھے اور کوہ صفا پر جب آئے تو تو اس نے یا صفی اللہ کہہ کر حضرت آدم کا استقبال کیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اور اثنائے سعی میں حضرت موسیٰ سے اللہ رب العزت نے خطاب اور کلام فرمایا۔

یہی وہ مقدس پہاڑیاں ہیں جن پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ شیر خوار اسمٰعیل کے لئے پانی کی خاطر بے تاب اور پریشان حال پھر رہی تھی کبھی صفا پر جاتی اور کبھی مروہ پر تاکہ کہیں پانی کا سراغ ملے۔

یوم ترویہ اور یوم عرفہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ یوم ترویہ کا روزہ ایک ہزار غلام آزاد کرنے اور ایک ہزار قربانی کرنے اور ایک ہزار گھوڑے جہاد میں دینے کے برابر ہے۔ اور یوم عرفہ کا روزہ دو ہزار غلام آزاد کرنے اور دو ہزار قربانی کرنے اور دو ہزار گھوڑے جہاد میں دینے کے برابر ہے۔ (بحر از ابی الفرج)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ذی الحجۃ کے دس دن کے روزے ہر روزہ ایک مہینہ کے روزوں کے برابر ہے۔ اور یوم ترویہ کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے۔ اور یوم عرفہ کا روزہ دو سال کے روزوں کے برابر ہے بحر از ابی الفرج)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص چار راتوں کو شب بیداری اور عبادت کرے اس کے لئے جنت لازم ہے۔ عیدین کی راتیں نصف شعبان کی رات اور عرفہ کی رات۔ (بحر از ابی الفرج)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے چار راتوں میں خیر رو کی طرح بہتی ہے۔ عیدین کی رات اور نصف شعبان کی رات اور عرفہ کی رات۔ (بحر از ابی الفرج)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ یوم عرفہ سے زیادہ کسی بندہ کی عذاب نار سے رہائی اور رستگاری نہیں ہوتی۔ اس روز اللہ تعالیٰ اہل عرفہ کے قریب تر ہوتے ہیں۔ اور ان کے متعلق فرشتوں سے فخر ومباہات فرماتے ہیں۔ (بحر از نسائی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل دن یوم عرفہ ہے۔ اس دن آسمان دنیا کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ اور آسمان والوں سے زمین والوں کے متعلق فخر فرماتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے "میرے بندوں کو دیکھو پریشان حال غبار آلود میرا ارادہ کرکے ہر دشوار گزار راہ سے آئے ہیں۔ اور میری رحمت کے امیدوار ہیں۔ حالانکہ انہوں نے میرا عذاب دیکھا بھی نہیں۔ اس دن سب سے زیادہ جہنم سے آزادی ملتی ہے۔ (بحر از ابن حبان)

حضرت ابن عمر سے مروی ہی کہ بندے جب عرفہ میں وقوف کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ اور ارشاد ہوتا ہی۔
"میرے بندوں کو دیکھو پریشان حال غبار آلود۔ تم گواہ رہو میں نے ان کے گناہوں کو معاف کیا چاہے وہ بارش کے قطرات اور میدان کے ذرات کے برابر ہوں"۔ (بحر)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ پہلی دفعہ حرکت پر اہل عرفہ پر مغفرت نازل ہوجاتی ہے اور جب کوچ ہوتا ہی۔ تو ابلیس اپنے سر پر مٹی ڈالتا ہی اور آہ و واویلا مچاتا ہے۔ جس پر تمام شیاطین جمع ہو کر اس سے پوچھتے ہیں تجھے کیا ہوا؟ تو وہ کہتا ہی جن لوگوں کو میں نے ساٹھ ستر سال سے فتنہ میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ایک لمحہ میں ان سب کی مغفرت ہو گئی (بحر عمیق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اس دن بدوں کو نیکوں کے طفیل عطا ہوتی ہی اور نیکوں کو جو وہ چاہتے ہیں عطا ہوتا ہی۔ (بحر از ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "سب سے بہتر دن وہ ہے کہ عرفہ بھی ہو اور جمعہ بھی ہو۔ جمعہ کے دن کا حج ویسے ستر حج سے افضل ہی"۔
(بحر از رزین)

ایامِ نحر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مزدلفہ کی رات شب قدر کے برابر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس رات کو خیر رو کی طرح بہتی ہے۔" اس رات کو جاگنا اور عبادت میں گذارنا بڑی سعادت اور خوبی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس رات کو عبادت میں گذارتے تھے۔ (بحر عمیق)

حضرت عبداللہ بن قُرط رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا اور بزرگ دن یوم نحر اور اس سے اگلا دن ہے۔ (بحر عمیق)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " ذی الحجۃ کے دس یوم میں جس قدر عمل صالح حق تعالیٰ کو زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے اتنا دیگر ایام میں نہیں " صحابہ نے عرض کیا " اور نہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا؟

ارشاد فرمایا اور نہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا سوائے اس شخص کے جو اپنی جان اور مال لے کر نکلے اور پھر اس میں سے کچھ بھی واپس نہ ہو" (الترمذی البخاری) یعنی جو شخص مال لے کر جہاد کے لئے نکلے اور مال خرچ ہو جائے اور خود شہید ہو جائے وہ ان ایام کے عمل صالح سے محبوب تر ہے۔

ذی الحجہ کے ان دس ایام میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو خصوصی انعامات سے نوازا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ ان ایام میں قبول ہوئی۔ جب زمین پر اتارے گئے۔ تو خوب روئے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میری توبہ قبول ہونے کا کیا ذریعہ ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ مکہ جاکر وہاں ٹھہرو جب قربانی کے ایام آجائیں تو حق تعالیٰ کی جناب میں توبہ اور معذرت پیش کرنا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا تب حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اور مژدہ ہوا۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ — پھر منتخب کرلیا ان کو ان کے رب نے پس توبہ قبول کی ان کی۔

انہی ایام میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو خلّت عطا ہوئی اور دوستی کا پیام سنایا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح کا حکم ہوا تو آپ نے ایام نحر میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا چاہا اس پر فرشتوں کو تعجب اور حیرت ہوئی کہ کس قدر باہمت عالی عزم بندہ ہے کہ مال مہمانوں پر قربان کرتا ہے۔ اور اپنی جان اللہ پر قربان کرکے آگ میں کود پڑا اور اپنی اولاد کو اس طرح راہ مولیٰ میں قربان کردیا۔ اس وقت اللہ رب العزت کی جانب سے خُلت عطا ہوئی اور دوستی کا مژدہ سنایا گیا چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا۔ — اور بنالیا اللہ نے ابراہیم کو دوست۔

انہی ایام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مناجات اور ہم کلامی کا شرف عطا ہوا جب مزید دس یوم بقر عید کے دن پورے ہو گئے تو اللہ رب العزت نے موسیٰ سے کلام فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔

اور پورا کیا ہم نے ان کو دس دن کے ساتھ اور کلام کیا اللہ نے موسیٰ سے کلام کرنا۔

انہی ایام میں حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی۔ اور انہی ایام میں حضرت زکریا علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ اور انہی ایام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ (البحر العمیق)

رمی جمرات

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "جمرات کی رمی کرنے والا اس اجر و ثواب کا اندازہ اور وہم و خیال بھی نہیں کر سکتا جو اس کو ملے گا۔ اس کا اندازہ اسی وقت ہوگا جب روز حشر عطا ہوگا۔ (بحر از ابن حبان)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہر کنکری جس کو جمرہ پر پھینکتا ہے اس کے عوض ایک ایسا کبیرہ گناہ معاف ہوتا ہے جو انتہائی مہلک اور خطرناک ہو اور اس کی سزا میں جہنم لازم ہو"۔ (بحر از سعید بن منصور)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمی جمار اور اس کے اجر کے متعلق سوال کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا اس کے عوض اپنے پروردگار کے پاس وہ شے پائے گا جس کا زیادہ حاجتمند ہوگا۔ (بحر از طبرانی)

پس رمی جمرات پر بے حد و حساب زائد از وہم وگمان اجر وثواب ملے گا۔ مہلک گناہوں سے نجات ملے گی۔ اور روز حشر جس شے کی احتیاج زیادہ ہوگی وہ حاصل ہو جائے گی۔

قربانی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے "افضل حج وہ ہے جس میں تلبیہ بلند آواز سے پڑھا جائے اور قربانی کا خون بہایا جائے (بحر عمیق)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "یوم نحر میں محبوب تر عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانا ہے۔ قیامت میں قربانی کا جانور اپنی اسی ہیئت اور شکل وصورت پر حاضر ہوگا۔ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے۔ پس تم اپنی قربانی سے جی خوش رکھا کرو۔" (بحر از ترمذی)

حضرت عمر بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرہ سے فرمایا اپنی قربانی کے پاس جاؤ اور اس کو ذبح ہوتا ہوا دیکھو جب اس کا پہلا قطرہ خون گرے گا تو تمہارے تمام کئے

ہوئے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ اور قربانی کے ذبح کے وقت یہ پڑھنا۔

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

بیشک میری نماز اور میرے مناسک اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور اسی کا مجھے حکم ہے۔ اور میں فرمانبرداروں سے ہوں۔

حضرت عمران بن حصین نے عرض کیا: "یا رسول اللہ یہ آپ کے اور اہل بیت کے لئے خاص ہے۔ اور آپ ہی اس عز و شرف کے اہل ہیں یا تمام مسلمانوں کے لئے بھی ہے؟ ارشاد فرمایا: "بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے۔" (بحوالہ حاکم)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ یہ قربانی کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: "تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔"

پھر عرض کیا یا رسول اللہ اس میں ہمارے لئے کیا اجر و ثواب ہے؟۔ ارشاد فرمایا: "ہر بال کے عوض ایک نیکی۔"

صحابہ نے عرض کیا اگر صوف ہو (یعنی مینڈھا اور دنبا ہو) ارشاد فرمایا اس کے بھی ہر بال پر ایک نیکی ہے۔" (بحوالہ ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص باوجود وسعت کے

قربانی نہ کرے وہ ہماری عید کے قریب نہ جائے۔" یہ سخت تنبیہ ہے۔ کہ جو شخص قربانی کی وقعت و حرمت نہیں کرتا اس کو نماز عید پڑھنے کا کیا حق ہے۔

حلق اور قصر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام سے حلال ہونے کے لئے خود سر مبارک کا حلق کرایا۔ بیشتر صحابہ کرام نے بھی حلق کرایا بعضوں نے قصر کرایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ حلق کرانے والوں کے لئے رحمت الٰہی کی دعا فرائی۔ مقصرین کے اصرار پر چوتھی مرتبہ ان کو بھی دعا میں شریک فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ "سر منڈوانے والے کا جو بال بھی سر سے جدا ہوتا ہے اس کے عوض قیامت میں ایک نور عطا ہوگا۔"

ایک روایت میں ہے کہ ہر بال کے عوض ایک نیکی عطا ہوتی ہے۔ اور ایک برائی معاف ہوتی ہے۔" صحابہ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ اگر گناہ بالوں سے کم ہوں؟ ارشاد فرمایا۔ "اس وقت یہ بھی ذخیرہ میں جمع ہوں گے۔" (بحر)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "جو سر منیٰ میں منڈوایا جائے اس کو نار جہنم کبھی نہیں چھو سکتی۔" (بحر از ابن حاج)

مسجد منیٰ میں نماز پڑھنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد خیف میں نماز پڑھی اور ارشاد فرمایا۔ "مجھ سے پہلے اس میں ستر انبیاء کرام نے نماز پڑھی ہے۔ جن میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ مسجد خیف میں ستر انبیاء کرام علیہ السلام کے مزارات ہیں۔ (بحر عمیق)

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کا پچھتر انبیاء کرام نے حج کیا ان سب نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مسجد منیٰ میں نماز پڑھی اگر تجھ میں یہ استطاعت ہو کہ وہاں کی نماز فوت نہ ہو تو ایسا ضرور کرنا۔

حدیث جامع فضائل حج

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد منیٰ میں حاضر تھا کہ دو شخص ایک انصاری اور دوسرا ثقفی حاضر خدمت ہوئے اور سلام کے بعد عرض کیا۔ "یا رسول اللہ ہم کچھ دریافت کرنے آئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تمہارا جی چاہے تو تم خود دریافت کرو اور تم کہو تو میں بتاؤں کہ تم کیا دریافت کرنا چاہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا آپ ہی ارشاد فرمادیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم حج کے متعلق دریافت کرنے آئے ہو کہ حج کے ارادے سے گھر سے نکلنے کا کیا ثواب ہے۔ اور طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کا کیا فائدہ ہے اور

صفا مروہ کے درمیان دوڑنے کا کیا ثواب ہی اور عرفات پر ٹھیرنے اور شیطانوں کے کنکریاں مارنے اور قربانی کرنے اور طواف زیارت کرنے کا کیا ثواب ہی"۔

انہوں نے عرض کیا "اس پاک ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا۔ یہی سوالات ہمارے ذہن میں تھے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "حج کا ارادہ کر کے گھر سے نکلنے کے بعد تمہاری اونٹنی جو قدم اٹھاتی یا رکھتی ہی۔ وہ تمہارے اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہی۔ اور ایک گناہ معاف ہوتا ہی۔ اور طواف کے بعد دو رکعت کا ثواب ایسا ہی جیسا ایک عربی غلام کو آزاد کیا ہو۔ اور صفا مروہ کی سعی کا ثواب ستر غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ اور عرفات کے میدان میں جب لوگ جمع ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ آسمان دنیا کی جانب متوجہ ہو کر فرشتوں سے فخر کے طور پر فرماتے ہیں۔ میرے بندے دور دراز سے پراگندہ بال آئے ہیں میری رحمت کے امیدوار ہیں اگر ان لوگوں کے گناہ ریت کے ذروں یا بارش کے قطروں یا سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں تب بھی میں نے معاف کر دئے میرے بندو جاؤ بخشے بخشائے چلے جاؤ تمہارے بھی گناہ معاف ہیں اور جن کی تم سفارش کرو ان کے بھی گناہ معاف ہیں۔ اور شیطانوں کے کنکریاں مارنے کا حال یہ ہے کہ ہر کنکری کے بدلہ ایک بڑا مہلک گناہ معاف ہوتا ہے اور قربانی کا معاوضہ اللہ کے یہاں تمہارے لئے ذخیرہ ہے۔ اور احرام کھولنے کے وقت سر منڈوانے میں ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہی۔

اس سب کے بعد جب آدمی طوافِ زیارت کرتا ہی تو ایسے حال میں طواف کرتا ہی کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اور ایک فرشتہ مونڈھوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ آیندہ از سرِ نو اعمال شروع کر تیرے سابقہ سب گناہ معاف ہو چکے (فضائل از ترغیب) یعنی زندگی کا خراب و خستہ اور بدکرداری کا دور ختم ہو چکا گناہوں کی ساری غلاظت اور گندگی صاف ہو گئی۔ اب آیندہ پاک بازانہ زندگی کا دور شروع کر اور اچھے اعمال میں سرگرم عمل ہو۔ لیکن سب کچھ اسی وقت ہے جب حج کو حج کی طرح بے دار مغزی اور دل کی آگاہی کے ساتھ ادا کیا جائے بے شعوری اور غفلت و مدہوشی کے ساتھ ارکان حج کو پورا کرنا بڑی خیر کثیر اور دولت عظیم سے محرومی ہی۔ اور بڑا گھاٹا اور خسارہ ہی۔

مکہ مکرمہ میں قیام کرنا

مکہ مکرمہ میں اقامت کرنا وہاں عبادت اور طوافِ زیارت میں مشغول رہنا سعادت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ ہی۔ بندہ کے لئے اس سے بڑھ کر کیا سعادت وکرامت ہو سکتی ہی کہ وہ مولیٰ کریم کی بارگاہ کا درباری اور ہر وقت حاضر باش ہو جس سعادت کا عمر میں ایک بار حاصل ہو جانا بھی حاصل زندگانی ہو عمر بھر اس سعادت میں مستغرق اور مستفیض رہنا اس سے بڑھ کر کیا لطف جاودانی ہو سکتا ہے؟۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہی۔

اِنّ المقام بمکۃ سعادۃ والخروج منہا شقاوۃ (البحر العمیق)	بیشک مکہ میں قیام کرنا بڑی سعادت ہی اور مکہ سے بھاگنا کھلی بدبختی اور محرومی ہے

ایک روایت میں ہے جو شخص مکہ مکرمہ کی گرمی کو دن کے تھوڑے سے وقت میں برداشت اور تحمل کرے اس سے نار جہنم سو سال کی مسافت دور ہو جاتی ہے۔ (بحر عمیق) جو شخص پاسبان حرم اور نگہبان بیت اللہ ہے نار جہنم اس کے قریب کیسے آ سکتی ہے؟

حضرت ابراہیم خلیل اللہ جب تعمیر حرم سے فارغ ہوئے تو تعمیر عبدیت کا آغاز کیا اور اس بے آب ودانہ ویرانہ میں اپنی ذریت اور اولاد کو چھوڑا تاکہ بیت اللہ کی نگہبانی اور پاسبانی کریں اور رب کعبہ کی عبادت اور بندگی میں مشغول رہیں۔ اور بارگاہ خداوندی میں ان مجاورین بیت اللہ اور پاسبان حرم محترم کی دلجمعی دلبستگی اور فارغ البالی کی دعا اور التجا پیش کی۔ تاکہ اس مرکز بندگی پر ہمیشہ حق پرستوں کا اجتماع اور قیام رہے۔ چنانچہ بارگاہ رب العزت میں عرض کیا۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ۔

اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسایا ہے جہاں کھیتی نہیں ہے اے ہمارے رب یہ میں نے اس لئے کیا تاکہ وہ نماز کو قائم رکھیں۔ تو ایسا کر کہ بعض لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں میووں سے روزی دے شاید وہ شکر ادا کریں۔

اس دعا سے مقصد محض اولاد پروری نہ تھی بلکہ حرم محترم میں ان لوگوں کو آباد کرانا تھا جو اقامت نماز اور قیام بندگی میں سرگرم ہوں اور قدر دانی اور شکر گزاری کے ساتھ حرم محترم کو آباد اور بارونق رکھیں۔ اسی لئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنی درخواست میں سے ان لوگوں کو دعا سے خارج کر دیا جو خدا کی خدائی اور بندگی کے معترف نہیں اور ناشکر اور ناقدردان ہیں چنانچہ عرض کیا۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

پروردگار بنادے اس شہر کو امن والا اور رزق دے اس شہر والوں کو پھلوں اور میووں سے۔ ان لوگوں کو جو ان میں سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان اور یقین رکھیں۔

پس معلوم ہوا کہ حرم محترم میں قیام اور سکونت کا حق اسی کو ہے جو حرم محترم کا پورا حق ادا کرے اور فرائض پاسبانی پوری طرح ادا کرے اور ہر وقت ادائے بندگی میں سرگرم اور چست و چالاک رہے۔ پھر جو شخص اپنے فرض منصبی کی ادائیگی سے سرفراز ہے وہ جیسا کہ بیت اللہ کے قریب تر ہے۔ اسی طرح بارگاہ رب العزت میں مقرب اور ممتاز ہے۔ چنانچہ وہب بن منبہ کی حدیث میں گذر چکا ہی کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہی۔

"آدم میں نے اس گھر کو تمہارے اور تمہارے بعد والوں کے لئے مقام احترام اور مقام امن بنایا ہی۔ میں نے اس گھر کے اوپر نیچے اور اس کی اطراف کو حرم محترم بنا دیا ہی۔ پس جس شخص نے

میری حرمت کی وجہ سے اس کا احترام کیا اس نے میری حرمت کی تعظیم کی۔ اور جس نے اس کے احترام کو ضائع کیا اس نے میری حرمات کو ضائع کیا۔ اور جس شخص نے وہاں رہنے والوں کو امان دیا وہ اس کی وجہ سے میری امان کا مستحق ہو گیا۔ اور جس شخص نے وہاں کے رہنے والوں کو ڈرایا دھمکایا اس نے میرا ذمہ اور عہد توڑ دیا۔ جو شخص اس کی عظمت کرے گا وہ میری نگاہوں میں با عظمت ہو گا۔ اور جو شخص اس کی اہانت کریگا وہ میری نگاہوں میں ذلیل و خوار ہو گا۔ ہر بادشاہ کے لئے ایک مخصوص محل اور مقام ہوتا ہی اور بطن مکہ میرا خاص محل اور مقام ہے۔ اور میرے محل کے پڑوسی اور اس کو آباد رکھنے والے اور اس کی زیارت کرنے والے میرے پاس آنے والے وفود ہیں اور میرے مہمان ہیں۔ میری حفاظت میں ہیں۔ میرے گھر میں ہیں۔ اور میرے جوار میں ہیں۔ (ازرقی)

جو شرف و تقرب بیت اللہ کے جوار میں رہنے والوں کو عطا کیا گیا ہی دوسری جگہ کے رہنے والے بیرون حرم کے بسنے والے اس شرف تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟

بیت اللہ کا طواف اور زیارت۔ کعبۃ مکرمہ کی پاسبانی اور ہمسائگی بیرون حرم کس کو نصیب ہو سکتی ہی؟ مقام اور مکان بھی با حرمت و عظمت مقیم اور مکین بھی ذی عزت و شوکت پھر جو عمل خیر بھی اس سے حرم محترم میں

سرزد ہوگا اس کی قدر و قیمت کو کون پا سکتا ہی؟ یہی وجہ ہی کہ حرم محترم میں ایک نیکی کا معاوضہ اور بدلہ ایک لاکھ گنا اجر و ثواب ہی۔

سرکار دو عالم سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے نبوت و رسالت سے قبل چالیس سال اسی مبارک سرزمین پر بسر فرمائے اور پہاڑوں اور غاروں میں پروردگار عالم کی بندگی کی۔ پھر تیرہ سالہ نبوت و رسالت کا دور اسی مقدس سرزمین میں حق پرستی اور حق رسانی میں گذارا اور بچھڑی ہوئی مخلوق اور بھاگے ہوئے بندوں کو خالق اور مالک کی طرف بلایا۔ جب پیام حق کی بدولت اس مرکز حق پرستی سے گمراہوں نے آپ کو ہجرت پر مجبور کیا تو مجبور ولاچار ہوکر حکم ربانی سے اس مقدس سرزمین کو وداع کہا اور بصد حسرت وافسوس مکہ مکرمہ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا۔

ما اطیبک من بلد واحبک الیّ ولولا ان قومی اخرجونی منک ما سکنت غیرک
(مشکوٰۃ)

تو کتنا پاکیزہ شہر ہے اور مجھ کو کتنا زیادہ محبوب ہی۔ اگر میری قوم مجھ کو تیرے سے جُدا نہ کرتی تو میں تیرے سوا کسی دوسری جگہ قیام نہ کرتا۔

ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا ہی کہ

واللہ انک لخیر ارض اللہ واحبّ ارض اللہ الی اللہ ولولا انی اخرجت منک ماخرجت
(مشکوٰۃ)

واللہ تو اللہ کی زمین کا بہترین حصہ ہے اور اللہ کو ساری زمین سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے اگر مجھے زبردستی نہ سے نکالا جاتا تو ہرگز نہ نکلتا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں اگر میں ہجرت کیے ہوئے نہ ہوتی تو مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کرتی۔ میرے دل کو جو اطمینان اور قرار مکہ مکرمہ میں نصیب ہوتا ہے کسی دوسرے شہر میں ہرگز حاصل نہیں ہوتا۔ چاندبھی اس جگہ الیبا حسین اور خوب صورت دکھلائی دیتا ہے کہ دوسری جگہ اتنا حسین معلوم نہیں ہوتا (تاریخ فاسی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مکہ مکرمہ میں فوت ہو جائے وہ گویا دنیا کے آسمان میں فوت ہوا۔ (فاسی)

حضرت محمد بن قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مکہ مکرمہ میں فوت ہو اس کو اللہ تعالیٰ قیامت میں بے خوف پُر امن اٹھائیں گے۔ (تحفۃ الکرام فاسی)

علامہ شیخ ابو البقا ابن الضیار الحنفی رح فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رح اور امام شافعی رح کے بعض اصحاب اور دیگر بعض علمار جو امور دین میں زیادہ محتاط ہیں مکہ مکرمہ میں اقامت اور مستقل سکونت اختیار کرنے کو مستحسن قرار نہیں دیتے صاحب منظومہ فرماتے ہیں بسا اوقات مستقل قیام گناہ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اور اس کی تین وجوہ ہیں۔

اوّل یہ کہ ہر وقت بیت اللہ کے پاس رہنے سے ایک قسم کی مساوات ہو جائے گی اور جو انس اور تعلق بیت اللہ کے ساتھ چاہیے اس میں کمی آجائیگی اور ہر وقت کے وصال سے سوزِ قلب اور شوقِ باطن میں ایک گونہ تسکین

ہو جائے گی۔ جس سے بیت اللہ کی عظمت و حرمت میں کمی واقع ہونے کا اندیشہ ہے چنانچہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ موسم حج گذرنے کے بعد درہ لے کر حجاج میں گشت لگاتے اور فرماتے "اے یمن والوں یمن جاؤ اے شام والوں شام جاؤ۔ اور اے عراق والوں عراق جاؤ۔ تاکہ بیت اللہ کی عظمت و حرمت تمہارے دلوں میں قائم اور برقرار رہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین نے ایک مرتبہ یہ ارادہ فرمایا کہ لوگوں کو زیادہ طواف کرنے سے منع کریں اور فرمایا "مجھے اندیشہ ہے کہ ہر وقت کے طواف سے بیت اللہ کے ساتھ انس پیدا ہو کر اس کی ہیبت سینوں سے نہ جاتی رہے۔

دوسرے یہ کہ مفارقت اور جدائی کے بعد شوق اور ولولہ زیادہ ہوتا ہے جو بار بار حاضری پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اسی لئے حق سبحانہ و تعالیٰ نے بیت اللہ کو مثابہ اور مرجع بنایا تاکہ لوگ بار بار اس کی طرف آئیں اور کبھی بیت اللہ سے ان کی طبیعت سیر نہ ہو۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ انسان دوسرے شہر میں ہو اور دل مکہ کی طرف مشتاق ہو اور بیت اللہ کے ساتھ وابستہ ہو۔ اس سے بہتر ہے کہ خود مکہ میں ہو اور دل باہر پڑا ہوا ہو اور اپنے گھر در میں پھنسا ہوا ہو۔

شیخ عمر والذحاجی رح فرماتے ہیں "جو شخص مکہ میں سکونت اختیار کرے اور اس کا دل ماسوای اللہ کے ساتھ وابستہ اور متعلق ہو وہ کھلا شقی اور بدبخت ہے۔

بعض بزرگوں کا ارشاد ہے "کتنے ہی آدمی جسم ان کا خراسان میں رہے

لیکن وہ بیت اللہ سے بعض طواف کرنے والوں کی بہ نسبت قریب تر ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؎

فکم من بعید الدار نال مرادہ ؎ وکم من قریب الدار مات کئیباً

بہت سی دور گھر والے اپنی مراد کو پہنچ گئے۔ اور بہت سے قریب گھر والے محروم رہے۔

تیسرے یہ کہ خطاؤں اور گناہوں کے اس محترم مقام میں سرزد ہونے کا خطرہ ہے۔ وہ کبیرہ گناہ ہوں یا صغیرہ جیسے طواف کی حالت میں یا مسجد حرام میں بیٹھ کر دنیوی لایعنی باتیں کرنا اور بے کار واقعات اور حوادثات کا تذکرہ کرنا۔ کبیرہ گناہوں سے تو رب العزت کی ناراضگی یقینی امر ہے۔ جس سے نور معرفت بالکلیہ زائل ہوجاتا ہے اور صغیرہ گناہوں کا باربار ارتکاب یہی نور معرفت اور دولت ایمان کو رفتہ رفتہ کم کر دیتا ہے۔ اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جس وقت مکہ مکرمہ کی سکونت کو ترک فرما کر طائف اور اس کے اطراف میں قیام کیا تو فرمایا۔ طائف میں ستر گناہ کا سرزد ہوجانا میرے نزدیک مکہ میں ایک گناہ سرزد ہوجانے سے زیادہ سہل ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ مکہ میں ایک خطا، مجھ پر باہر کی ستر خطاؤں سے زیادہ شاق اور گراں ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علاوہ مکہ مکرمہ کے کوئی مقام ایسا نہیں جہاں محض گناہ کے ارادہ پر بھی مواخذہ اور گرفت ہو۔ پھر یہ آیت تلاوت

فرمائی۔

وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔

اور جو شخص ارادہ کرے اس میں بے دینی کا ظلم سے تو چکھائیں گے۔ ہم اس کو عذاب دکھ دینے والا۔

اسی خوف اور اندیشہ کی وجہ سے بعض صالحین کا یہ دستور اور معمول رہا ہے کہ انہوں نے کبھی حرم میں قضاء حاجت نہیں کی اور بول و براز کے لئے حد حرم سے باہر جاتے تھے۔ حضرت ابو عمر زجاجی رح نے چالیس سال تک اپنا یہی معمول رکھا۔ یہی امام اعظم رح کی عادت اور دستور تھا کہ قیام مکہ میں ضروریات بشریہ کے لئے حد حرم سے باہر جاتے تھے۔

حضرت ابو محمد الحریری نے ایک سال مکہ مکرمہ میں قیام کیا۔ اور ادب و احترام کی وجہ سے نہ سال بھر سوئے اور نہ کسی چیز سے سہارا لگا کر بیٹھے۔ لوگوں نے ان سے دریافت کیا۔ اس قدر سخت مجاہدہ کی کس طرح قدرت اور طاقت ہوئی تو فرمایا اللہ تعالیٰ کو میرے باطن کی سچائی معلوم تھی اس نے ظاہر میں میری مدد اور اعانت فرمائی۔

شیخ عبد العزیز ابی روّاد فرماتے ہیں میں نے ساٹھ سال بیت اللہ کی مجاورت کی اور ساٹھ ہی حج کئے۔ لیکن جب بھی کوئی عمل خیر کیا اور پھر نفس کو ٹٹولا اور اچھی طرح محاسبہ کیا تو اس میں نفس و شیطان کا حصہ غالب پایا۔

بعض علماء کے نزدیک جیسا حرم میں نیکی کا اجر و ثواب زیادہ ہوتا ہے ویسا ہی گناہ کا عذاب بھی سخت تر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر صحابہ کرام کا یہ معمول رہا کہ حج اور عمرہ کرکے واپس لوٹ جاتے تھے۔ اور مستقل قیام نہ کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں بار بار مکہ میں آنا میرے نزدیک مستقل سکونت سے زیادہ پسندیدہ اور مرغوب ہے۔

حضرت امام مالک سے سوال کیا گیا کہ آپ حج کے بعد مستقل سکونت کو اچھا سمجھتے ہیں یا حج کرکے وطن لوٹ جانے کو؟ فرمایا سلف کا معمول یہ رہا ہے کہ حج کے بعد وطن واپس ہو جاتے تھے۔ اور یہی مجھے بھلا معلوم ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبل اور امام شافعی اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک مکہ مکرمہ میں مستقل سکونت اور بیت اللہ کی مجاورت مستحب اور مستحسن ہے احناف کے یہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ اس لئے کہ مکہ میں جو طاعات پر بکثرت اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے وہ بیرون حرم حاصل نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا "جو شخص مکہ کی گرمی دن میں تھوڑی دیر برداشت کرلے اس سے نار جہنم سو سال کی مسافت دور ہو جاتی ہے۔"

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ [illegible] مروی ہے جو شخص مکہ میں بیمار ہو اور بیماری کی وجہ سے اس کا کوئی معمول ترک ہو جائے تو سات سال کے بقدر اس عمل صالح کے کرنے کا اس کو ثواب ملتا ہے۔ اور اگر وہ مریض غریب بھی ہے تو یہ اجر و ثواب اس سے دو گنا ہو جاتا ہے۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ مکہ کا قیام ایک بڑی سعادت ہے۔ اور مکہ کو چھوڑ کر جانا کھلی محرومی اور شقاوت ہے۔"

امام ابن حنبل سے سوال کیا گیا کیا آپ مکہ مکرمہ کی مجاورت کو ناپسند کرتے ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے حضرت جابر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مکہ مکرمہ میں مجاورت اور سکونت اختیار کی اور میں خود بھی مجاورِ مکہ ہوں"

پس جہاں خطاؤں کا اندیشہ اور خطرہ ہے وہاں اس اجر کثیر اور فوز عظیم کی توقع اور امید بھی ہے۔ غرض جن علماء نے مکہ مکرمہ کی مجاورت اور مستقل سکونت کو نامناسب قرار دیا ہے اس کی علت اور غرض وغایت بھی مقام کا غایت درجہ احترام اور مخلوق کی اپنے ضعف اور کمزوری کی بناء پر اس کی ادائیگی میں کوتاہی کا اندیشہ اور بیت اللہ کے حقوق جوار کو ادا نہ کر سکنے کا خطرہ ہے۔ پس جو شخص ان خطرات سے بچنے کی قدرت اور طاقت رکھتا ہو اور بیت اللہ کے حقوقِ جوار کو ادا کر سکتا ہو اور بیت اللہ کی اس [illegible] وتوقیر کو نگاہ ہو کہ اس کی عظمت و شوکت اور ہیبت وجلال ہمیشہ یکساں طور پر آنکھوں اور دل میں قائم اور برقرار رہے تو اس کے لئے مکہ مکرمہ کی سکونت اور بیت اللہ کی مجاورت فوز عظیم اور فضل کبیر ہے۔ اور اس عالی بارگاہ کا مجاور ہو کر غفلت مدہوشی اور گناہوں میں سرمستی کھلا خسران اور [illegible] (البحر العمیق)

اہلِ مکہ عظمت و حرمت

جن نفوسِ قدسیہ کو اللہ رب العالمین نے اپنے گھر کے جوار کے لئے منتخب فرمایا اپنے مقدس گھر کا محافظ اور پاسبان بنایا اور اپنا درباری اور حشم و خدم قرار دیا۔ اپنی حفاظت و نگرانی اور پاسبانی اور نگہبانی میں لیا۔ وہ اسی حیثیت اور شان کی ادب و احترام اور عظمت و حرمت کے مستحق اور سزاوار ہیں۔

شہنشاہوں کے درباریوں۔ خاک برداروں۔ ہم نشینوں اور مصاحبوں کی اپنی ذاتی حیثیات اور اعمال و کردار نظر انداز ہوتے ہیں اور ان کو اس نگاہِ شوق اور عظمت سے دیکھا جاتا ہے جو شاہ کی نگاہِ التفات کے شایانِ شان اور مناسب حال ہو۔

خدام خاص کی ادنیٰ بے توقیری مولیٰ اور آقا کی توہین اور بے توقیری شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ مشہور کلیہ ہے۔

ضرب الغلام اهانة المولیٰ — نوکر کی پٹائی آقا کی توہین و تذلیل ہے۔

رسول اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا عامل اور حاکم مقرر کر کے روانہ کیا تو ان کو اہل مکہ کے ادب و احترام اور حقوق کی جانب متوجہ فرمایا۔ اور تین بار تاکید کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا۔

اتدری علی من استعملتك استعملتك علی اهل الله فاستوص بهم خيرا (فاسی)	کیا جانتے ہو کن لوگوں پر تمہیں حاکم مقرر کیا ہے؟ میں نے تمہیں اہل اللہ پر حاکم مقرر کیا ہے پس تم ان کے ساتھ بہتر برتاؤ رکھنا۔

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کے مقرر کردہ حاکم مکہ حضرت نافع بن حرث الخزاعی نے اپنی عدم موجودگی میں ایک غلام عبد الرحمٰن بن ابزیٰ کو مکہ مکرمہ کا قائم مقام حاکم بنا دیا۔ جب حضرت عمر کو اس کی خبر ہوئی تو سخت غضبناک ہوئے اور اس کو اہل مکہ کی بے توقیری اور نا قدر شناسی شمار کیا۔ بالآخر جب حضرت عمر رضی کو یہ معلوم ہوا کہ عبد الرحمٰن بن ابزیٰ

کتاب اللہ کے قاری اور ماہر ہیں تب ان کا غصہ فرو ہوا۔ (فاسی)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے آوارہ لوگ اہل جنت کا ادنیٰ طبقہ ہے۔ تاریخ فاسی)

اہل مکہ اور ساکنین حرم جوار بیت اللہ ہونے کی وجہ سے ہر نوع کے ادب و احترام اور عزت و اکرام کے مستحق ہیں اور یہ ان کے حقوق کی ادنیٰ ادائیگی ہو رہی ہے ان کے ذاتی اعمال اور کردار جب اللہ رب العالمین نے چشم پوشی فرما کر اپنے گھر کے جوار کے لئے ان کو نوازا ہے تو ہمیں بھی تعرض نہ کرنا چاہیئے اور اغماض اور چشم پوشی سے کام لینا چاہیئے۔ خدا معلوم ان میں وہ کیا خوبی اور حسنِ ادا ہوگی جس کی بدولت اس سعادت عظمٰی اور نعمت کبریٰ سے بہرہ اندوز ہیں۔ مدار کار مقبولیت پر ہے ظاہری اعمال سب ہیچ ہیں۔ ع

"پی جسے چاہے سہاگن ہے وہی"

اس بندہ ناچیز نے بارہا اہل حرم کے آوارہ مزاجوں میں ان امور کو مشاہدہ اور محسوس کیا جو اصل سرمایہ ایمانی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ غایت تعلق اور شیفتگی پر مبنی ہیں۔ البتہ اگر کوئی ظاہری کمزوری اور کوتاہی اہل حرم میں پائے تو اس کا درد و غم دل میں محسوس کرے اور اس کے مداوا اور تدارک کی تدابیر اختیار کرے کہ یہ بھی ان کے حقوق کی ادائیگی میں شامل ہے اور اس کا دینی اہم فریضہ ہے ارشاد نبوی ہے۔

الدین النصیحۃ (دین نصیحت اور خیر خواہی ہے)

مکہ مکرمہ کے فضائل اور مناقب

ہر چیز خداوند کریم کی مخلوق اور پیدا کردہ ہے اور اس کے سامنے ایک حیثیت کی ہے۔ کسی کو کسی پر فوقیت اور برتری نہیں مخلوق ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں البتہ اللہ رب العالمین نے بعض چیزوں اور بعض مقامات کو اپنی جانب منسوب فرمایا ہے اور اس انتساب کی وجہ سے وہ شے اور وہ مقام فائق و اعلیٰ اور ممتاز و بالاتر ہے۔ مکہ مکرمہ اور حرم محترم میں ایک گھر بنایا پھر اس گھر کو اپنا گھر قرار دیکر اس مقام اور اس شہر کو تمام دیگر مقامات اور مواضعات سے ارفع و اعلیٰ بنا دیا۔

ان الذی سمک السماء بنی لنا بیتاً دعائمہ اعز و طول

کسی شے کی رفعت و حرمت خانہ زاد نہیں بلکہ عطاء ربانی اور فضل رحمانی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا۔

مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ اس شہر مکہ کے پروردگار کی بندگی کروں جس نے اس شہر کو عزت و حرمت دی۔

شہر مکہ کا خالق مالک پروردگار بھی وہی ہے اور اس کو عزت و حرمت بھی اسی نے عطا کی ہے۔ مفسرین کا بیان ہے کہ اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ اے محمد لوگوں سے کہہ دو کہ مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اس اللہ کو اپنی عبادت اور توحید کے لئے مخصوص کر لوں جو اس شہر مکہ کا پروردگار ہے۔

آیت میں مکہ کا پروردگار ہونا بیان کیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا پروردگار ہے اس تخصیص کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہر مکہ دیگر تمام مقامات سے بہتر اور پسندیدہ شہر ہے وہاں شان ربوبیت زیادہ نمایاں ہے کہ خاکی ذرات کو سبع سیارات سے زیادہ بلند و بالا بنایا ہے۔ اس لئے کہ اس شہر میں بیت اللہ ہے جو مرکز بندگی ہے۔ اور مخلوق کے لئے مرجع اور ماویٰ ہے۔ اور مخلوقات کی قیام اور بقا کا وسیلہ ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر حرم کے بعد شہر محترم کے لئے امن و سلامتی کی درخواست کی اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا — پروردگار اس شہر (مکہ) کو امن کی جگہ بنا۔ (سورۃ بقرہ ع ۵)

دوسری آیت میں ہے۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا — پروردگار اس شہر (مکہ) کو جائے امن بنا۔

علامہ نسفی نے لکھا ہے کہ آمن سے مراد امن والی جگہ ہے یا اس شخص کا مامون اور محفوظ ہونا ہے جو وہاں رہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار اس شہر اور اس مقام کو با امن شہر اور با امن مقام بنا۔

چنانچہ دعا ابراہیمی مقبول ہوئی اور ہمیشہ کے لئے اس شہر کو با امن اس کے شہری کو مامون بنا دیا گیا۔

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ — اور جو شخص اس میں داخل ہو گیا وہ مامون ہو گیا۔

اس شہر اور مقام کی عزت و حرمت محض دعاء ابراہیمی کی رہین منت نہیں بلکہ روز ازل ہی سے اس مقام کو عزت و حرمت اور عظمت و شوکت عطا کر دی گئی تھی اور اسی لئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو ملک شام کے سرسبز و شاداب مناظر سے اس بے آب و گیاہ لق و دق میدان میں تجدید حرم کے لئے بھیجا گیا۔ جیسا کہ وہب بن منبہ کی حدیث میں مفصل مذکور ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز ارشاد فرمایا"۔

"یہ شہر اس کو اللہ تعالیٰ نے اسی روز حرمت عطا فرمائی جب کہ آسمان و زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ یہ شہر اللہ کی دی ہوئی حرمت کی وجہ سے قیامت تک باحرمت ہے۔ مجھ سے پہلے یہاں کسی کے لئے جنگ و قتال حلال نہ تھا اور میرے لئے بھی صرف تھوڑی دیر کے لئے حلال ہوا تھا۔ اب پھر حرام ہے قیامت تک کے لئے۔ یہاں کا کانٹا تک نہ توڑا جائے اور نہ یہاں کے شکار کو چھیڑا جائے اور نہ اس کو بدکایا جائے۔ اور نہ یہاں کی پڑی ہوئی چیز اٹھائی جائے صرف وہی شخص اٹھا سکتا ہے۔ جو مالک کو تلاش کر کے اس تک پہنچا سکے اور نہ یہاں کا گھاس کاٹا جائے"۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔" یا رسول اللہ سوائے اذخر گھاس کے یہ ہر وقت کی غلاموں اور گھروں کے ضرورت کی چیز ہے"۔ اس پر اذخر گھاس کو اس حکم سے مستثنیٰ فرما دیا (مشکوٰۃ از صحیحین)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کسی کے لیئے بھی یہ حلال نہیں کہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے۔ (مشکوٰۃ از مسلم)

حضرت عیاش بن ربیعہ المخزومی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"یہ امت بخیر رہے گی جب تک بھی اس حرمت کو قائم رکھے گی۔ اور اس حرمت کا حق تعظیم ادا کرتی رہے گی۔ اور جب اس کو ضائع اور برباد کردے گی تو خود بھی ہلاک اور برباد ہو جائیگی۔ (مشکوٰۃ از ابن ماجہ)

علامہ ابوالبقاء ابن ضیاء الحنفی رح فرماتے ہیں علماء امت کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تمام دیگر مواضعات سے افضل و اعلیٰ ہیں قاضی عیاض رح سے منقول ہے کہ اس پر بھی علماء امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور وہ حصہ زمین جو جسد اطہر سے ملحق ہے۔ ہر ماسوا سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اس لیئے کہ اس میں خلاصہ کائنات سید الانبیاً والمرسلین محبوب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جلوہ افروز ہیں۔ اور تمام خیر و عظمت وہاں ودیعت رکھی ہوئی ہے۔ اس اتفاق اور اجماع کے بعد پھر اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ کہ شہر مکہ مکرمہ افضل ہے یا شہر مدینہ منورہ افضل ہے۔ اصحاب امام اعظم رح اور اصحاب امام شافعی اور امام حنبل رح فرماتے ہیں۔ کہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ افضل ہے۔ بعض مالکیہ کا یہی مذہب ہے اس لئے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میری اس مسجد میں ایک نماز اس کے ماسوا مساجد کی ہزار

نمازوں سے افضل ہے۔ سوائے مسجد حرام کے کہ مسجد حرام کی ایک نماز میری مسجد کی سو نمازوں سے افضل ہے۔ (احمد وابن حبان)

علامہ عبدالبر رح فرماتے ہیں یہی حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابودرداء، اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور ان حضرات اکابر صحابہ کرام کی تقلید اور اقتداء ہمارے لئے کافی ہے۔ مکہ مکرمہ کی افضلیت کے لئے کافی ثبوت یہ ہے۔ کہ اس میں بیت اللہ ہے جس کی زندگی میں ایک مرتبہ زیارت کرنے سے تمام خطائیں معاف ہوجاتی ہیں اور عمر بھر میں ایک بار اس کی زیارت ضروری ہے۔ بغیر بیت اللہ کے استقبال اور جانب رخ کئے کسی کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ یہ مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ زندگی میں بھی مرنے کے بعد بھی۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں مدینہ منورہ سے زیادہ قیام فرمایا۔ رسالت اور نبوت کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اور دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ اور تمام انبیاء والمرسلین بیت اللہ کے حج اور زیارت کے لئے آئے۔ اور قضاء حاجت کے وقت اس عالی مقام کا استقبال اور استدبار یعنی اس جانب منہ کرنا یا پشت کرنا دونوں ممنوع ہیں۔

اس مقام کی عزت وحرمت روز ازل سے ثابت ہے جب حق تعالیٰ نے زمین وآسمان کو بنایا اسی وقت اس مقام کو باحرمت قرار دیا۔ پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جیسے جلیل القدر انبیاء کا مرجع اور مسکن بنایا۔ اور بغیر احرام باندھے یہاں کا داخلہ ممنوع ہوا۔ اور قرآن مجید میں بار بار

اس کا تذکرہ اور تعریف و توصیف کی گئی اور تمام مخلوق کے لئے بیت اللہ کو مشعل ہدایت بنایا گیا اور کفر و شرک اور جہالت و طغیان کی تمام قوتوں کو یہاں سرنگوں اور پائمال کیا گیا اور ہمیشہ کے لئے اس مقام کو عابدوں زاہدوں طالبوں اور عاشقوں کے لئے مرجع اور ماویٰ بنایا گیا۔ اور یہ وہ فضائل اور خصوصیات ہیں جو کسی دوسرے مقام کو نصیب نہیں ہیں۔

امام مالک رح فرماتے ہیں کہ شہر مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کے وقت فرمایا۔

"الٰہی تو جانتا ہے انھوں نے میرے محبوب ترین شہر سے مجھ کو نکالا ہے۔ پس تو اس شہر میں مجھے ٹھکانا دے جو تیرے نزدیک تمام شہروں سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو۔" (مستدرک حاکم)

اور ظاہر بلکہ یقینی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو آپ کی قیام گاہ بنایا۔ پس مدینہ منورہ چونکہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین شہر ہے اس لئے افضل ترین شہر بھی یہی ہوگا۔

نیز ایک حدیث میں صاف اور صریح الفاظ میں وارد ہوا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

المدینۃ خیر من مکۃ — مدینہ بہتر ہے مکہ سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے بارے میں دعا فرمئی کہ الٰہی جو دعا ابراہیم خلیل اللہ نے مکہ کے بارہ میں تجھ سے کی تھی اور دتنی اور زیادہ

میں تجھ سے مدینہ منورہ کے متعلق دعا مانگتا ہوں "۔ اور ارشاد فرمایا "جو شخص مدینہ منورہ کے مصائب اور مشقتوں پر صبر و تحمل کرے گا میں قیامت میں اس کا ضامن اور سفارشی ہوں گا"۔

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ایمان مدینہ میں ایسا سمٹ آئے گا جیسا سانپ اپنے بھٹ میں سمٹ آتا ہے۔ نیز ارشاد فرمایا "۔ مدینہ خبیث طینت کو قبول نہیں کرتا"۔

اور ارشاد فرمایا "۔ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے"۔

یہ تمام روایات اور ارشادات اس بات کے کھلے شواہد اور دلائل ہیں کہ شہر مکہ مکرمہ سے شہر مدینہ منورہ افضل و اعلیٰ ہے اس لئے کہ یہ شہر سید الانبیا والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا دار الہجرت اور دار الاقامۃ ہے۔ جہاں سے دین الٰہی کو استقرار اور استقلال اور عروج و فروغ نصیب ہوا۔ یہ امام مالک رح کی رائے ہے۔ اور دیگر ائمہ ان احادیث کی تاویل اور توجیہ کرتے ہیں اور سابقہ دلائل کی بنا پر مکہ مکرمہ کو مدینہ منورہ سے افضل قرار دیتے ہیں۔

علامہ ابن خرم رح فرماتے ہیں یہ افضلیت شہر مکہ ہی کے لئے نہیں بلکہ سارا حرم اور عرفات بھی اس میں شامل ہے"۔ (البحر العمیق)

علامہ تقی الدین فاسی رح فرماتے ہیں بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں نماز کی طرح ہر نیکی کا اجر و ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ احادیث

سند اور ثبوت کے لحاظ سے زیادہ قوی نہیں ہیں۔

چنانچہ حضرت ابن عباس سے مروی ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو مکہ سے پیادہ حج کو جائے اور پیادہ واپس آئے اس کے لئے ہر قدم کے عوض سات نیکیاں حرم کی نیکیوں سے لکھی جاتی ہیں۔"

حضرت ابن عباس سے دریافت کیا گیا کہ حرم کی نیکیاں کیا ہیں؟ تو فرمایا حرم کی ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ (حاکم)

حضرت حسن بصری سے مروی ہی کہ آپ نے فرمایا مکہ مکرمہ میں ایک دن کا روزہ ایک لاکھ روزوں کے برابر ہے اور مکہ مکرمہ میں ایک درہم صدقہ کرنا ایک لاکھ درہم کے صدقہ کے برابر ہے۔ اور حرم کی ہر نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ (تحفۃ الکرام)

حُدُودِ حَرم

حرم مکہ جس کا ذکر کلام ربانی میں بار بار آیا ہی۔ چنانچہ ارشاد ہی۔

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا۔ کیا ہم نے نہیں دیا ان کو ٹھکانا با امن حرم میں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنایا حرم کو جو با امن ہی۔

حرم وہ علاقہ ہی جو مکہ مکرمہ کو چاروں طرف سے محیط ہی۔ اور بمنزلہ بیت اللہ

کے صحن و فنا رو ار کے ہے۔ اللہ رب العزت نے اس محدود علاقہ کو بھی عظمت و حرمت اور فضیلت و منقبت میں مکہ مکرمہ کے برابر قرار دیا ہے۔

حدِ حرم مدینہ منورہ کے راستہ سے "تنعیم" ہے جو مکہ مکرمہ سے تین میل ہے۔ اور یمن کے راستے سے "اضاۃ لبن" ہے جو مکہ مکرمہ سے سات میل ہے۔ اور عراق کے راستے سے "ثنیہ خل" ہے جو مکہ مکرمہ سے نو میل ہے۔ اور "جعرانہ" کے راستہ سے "شعب آل عبد اللہ" ہے جو مکہ مکرمہ سے نو میل ہے۔ اور طائف کے راستے سے عرنہ ہے جو مکہ مکرمہ سے سات میل ہے۔ اور جدہ کے راستہ سے "حدیبیہ" ہے جو مکہ مکرمہ سے دس میل ہے۔

ان مقامات پر حدِ حرم کے نشانات اور علامات نصب کئے ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے حدودِ حرم حضرت آدم علیہ السلام نے قائم کی۔ پھر طوفانِ نوح کی وجہ سے یہ حدود قائم نہ رہی اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی خبر کے موافق ان نشانات کو قائم کیا۔ پھر نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فتح مکہ کے بعد حد بندی کرائی اور علاماتِ حرم قائم فرمائی۔ اس کے بعد خلفاء اور سلاطین ان نشانات اور علامات کی تجدید اور نگرانی کرتے رہے۔

حرم کی تعین اور تجدید کی وجہ میں مختلف اقوال ہیں۔

اوّل۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جب حضرت آدمؑ کو دنیا میں اتارا گیا تو وہ اظہار معذرت اور ندامت کے لئے اللہ رب العالمین کے سامنے سجدہ میں پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے چالیس سال کے بعد حضرت

جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا اور حکم ہوا سر اٹھاؤ تمہاری توبہ قبول ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا "پروردگار مجھے اس کا افسوس ہے کہ فرشتوں کے ساتھ عرش کا طواف چھوٹ گیا۔ وحی الٰہی آئی میں قریب ہی ایک گھر اتاروں گا اور اس کو قبلہ بناؤں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے "بیت معمور" کو دنیا میں اتارا جو سرخ یاقوت تھا خوب چمک رہا تھا اور اس کے دو دروازہ تھے ایک شرقی دوسرا غربی اور دیواروں پر جنت کے سفید یاقوت تاروں کی طرح چمک رہی تھی جب زمین پر بیت معمور رکھا گیا تو اس کا نور مشرق اور مغرب میں پھیل گیا جنات اور شیاطین جو اس وقت آباد تھے۔ اس نور سے گھبرائے اور پریشان ہو کر اس کی جستجو کی جب انھیں معلوم ہوا کہ یہ روشنی مکہ کی جانب سے ہے تو انھوں نے اس کے قریب ہونے کا ارادہ کیا اس وقت حق تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا تاکہ چاروں طرف سے اس کی حفاظت کریں اور جن و شیاطین کو بیت معمور تک نہ جانے دیں۔ جس جس مقام پر فرشتے حفاظت اور نگرانی کے لئے کھڑے تھے وہ وہی نشانات ہیں جو آج حدود حرم ہیں۔ اور اسی وقت سے اس حصہ زمین کا نام "حرم" ہو گیا۔

دوسرے حضرت وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو خوب روئے جب ان کی بے قراری بہت بڑھی تو حق تعالیٰ نے ان کی تسکین کے لئے جنت سے ایک خیمہ نازل فرمایا اور اس کو کعبہ کے مقام پر رکھا یہ خیمہ جنت کے سرخ یاقوت کا تھا اور اس میں تین قندیل تھے جن میں جنت کی روشنی آرہی تھی اور یہ روشنی ان حدود تک پہنچ رہی تھی جہاں حدود حرم قائم ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرشتوں کو ان حدود پر متعین فرما رکھا تھا جو

اس خیمہ کی جن وشیاطین سے حفاظت اور نگرانی کرتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے وصال کے بعد اس یاقوتی خیمہ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

تیسرے۔ ایک روایت میں ہے جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بیت اللہ کی تعمیر کی تو حضرت اسمٰعیل سے فرمایا کوئی اچھا پتھر تلاش کرکے لاؤ جس کو علامت اور نشانی کے طور پر نصب کیا جائے حضرت اسمٰعیل تلاش کرکے خالی ہاتھ واپس آگئے تو وہاں حجر اسود رکھا ہوا دیکھا اور دریافت کیا یہ کہاں سے آگیا۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام لائے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھا جس سے مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کی جانب روشنی پھیل گئی۔ پھر جہاں تک حجر اسود کی روشنی پہنچی اس کو حق تعالیٰ نے حرم قرار دے دیا۔

چوتھے حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر اتارے گئے تو انھیں جن وشیاطین سے خوف محسوس ہوا۔ اور بارگاہِ خداوندی میں اپنی حفاظت کی درخواست پیش کی۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ان کی حفاظت کے لئے بھیجا جو مکہ کے چاروں طرف کھڑے ہوگئے جن مقامات پر یہ فرشتے حفاظت کے لئے کھڑے تھے وہی حدود حرم ہیں اور ان کے درمیانی حصہ کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے حرم قرار دے دیا۔

ان چاروں وجوہ کو علامہ ابن جوزی رح نے اپنی کتاب مثیر العزم الساکن میں ذکر کیا ہے۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آسمانوں اور زمین کو

حکم فرمایا۔ اِئْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا (او تم میرے سامنے خوشی سی یا ناگواری سی) تو آسمانوں اور زمین سے آواز آئی ہم خوشی خوشی حاضر ہیں۔ زمین کے جس خطہ نے یہ جواب دیا تھا وہ ارض حرم تھا اسی لیئے اس خطہ کو ہمیشہ کے لیئے حرم بنا دیا گیا۔

ایک روایت میں ہی کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو آسمان و زمین پیدا کرنے سے پہلے ہی حرم بنا دیا تھا مکہ کی حرمت ایسی ہی جیسے مومن کی حرمت اس لئے کہ مومن کی جان و مال اور آبرو اپنے پروردگار کی اطاعت کی اور فرمانبرداری کی وجہ سی حرام ہے اسی طرح اللہ رب العالمین کی فرمانبرداری اور طاعت کی وجہ سے اس سرزمین کا شکار اور درخت اور گھاس ہر شے لائق حرمت ہو گئی۔ غرض جو کچھ بھی جس کسی کو بھی عزت و حرمت حاصل ہی۔ وہ رب العالمین کی اطاعت اور فرمانبرداری کی وجہ سے حاصل ہی۔ خداوندا ہمیں بھی مطیعین اور فرمانبرداروں سے بنا آمین۔ (البحر العمیق)

حضرت مجاہد سے مروی ہی کہ حرم کا بالمقابل ساتوں آسمان تک اور ساتوں زمین تک سب کا سب حرم ہے۔ (تاریخ فاسی)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں یہ بتلایا گیا ہی کہ حرم کے بالمقابل عرش الٰہی تک سب کا سب حرم ہے اور با حرمت ہی۔ (تاریخ فاسی)

حرم میں داخل ہو جانا عذاب الٰہی اور غضب الٰہی سے نجات کا ذریعہ ہی چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ سی مروی ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب قوم ثمود نے نافرمانی کی اور اونٹنی کو ذبح کر دیا تو آسمان سی ایک زبردست آواز آئی اور اس نے ان سب کو ہلاک کر دیا صرف ایک شخص زندہ رہا وہ بھی اس لئے کہ وہ

اس وقت حرم میں تھا حرم نے اس کو عذاب الٰہی سے محفوظ رکھا۔
صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ شخص کون تھا؟
ارشاد فرمایا۔ ابو رغال ابو ثقیف تھا اور وہ بھی جب حرم سے باہر نکل گیا تو اپنی قوم کی طرح ہلاک ہو گیا۔ (فاسی از احمد و ابن حبان)

حرم کی خصوصیات

حرم کی عظمت و حرمت کی بنا پر وہاں ہر وہ عمل ممنوع ہے جو ادب و احترام کے خلاف ہو۔ اور جس سے اس محترم عالی مقام کی بے توقیری ہوتی ہو۔ حرم محترم میں معصیات کا صدور تو بدترین جرم ہے ہی بعض مباحات بھی وہاں کی عزت و حرمت کی بنا پر ممنوع ہیں۔

حرم محترم کی کچھ خصوصیات اور مخصوص احکام ہیں۔ ان میں سے بعض کو بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) حرم کے اندر بغیر احرام کے داخل ہونا ممنوع ہے۔ رہا یہ سوال کہ یہ احرام واجب ہے یا مستحب۔ اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ احناف کے یہاں حرم میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھنا واجب ہے۔ خواہ احرام حج کا ہو یا عمرہ کا یا دونوں کا ہو۔

(۲) حرم کے اندر کسی جانور کا شکار کرنا تمام لوگوں کے لئے ممنوع ہے خواہ وہ حرم کے باشندے ہوں یا غیر حرم کے رہنے والے ہوں اور خواہ وہ محرم ہوں یا غیر محرم۔

(۳) حرم کے درخت اور اذخر کے علاوہ کسی دوسرے تر گھانس کا کاٹنا ممنوع ہے

علامہ ابن الضیاء الحنفی رح فرماتے ہیں حرم کے درخت اور نباتات چار قسم ہیں۔ جن میں سے تین نوع کے اشجار اور نباتات کو کاٹنا اور ان سے منتفع ہونا حلال ہے۔ اور اس کی کوئی جزا یا سزا نہیں ہے۔ اور چوتھی نوع کا کاٹنا اور اس سے منتفع ہونا ممنوع ہے اور اس کے کاٹنے سے سزا وجزا لازم ہوگی۔

پہلی قسم وہ درخت اور ترکاریاں اور سبزیاں اور غلہ جات ہیں جن کو لوگ خود بوتے ہیں اور محنت کر کے اگاتے ہیں۔ حرم کی وجہ سے ان کا کاٹنا اور ان سے منتفع ہونا ممنوع نہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جو خودرو ہے جیسے ام غیلان کی پود لیکن اگر کوئی شخص اس کو بوئے اور اس کی کاشت کرے تو اس کا کاٹنا اور اس سے منتفع ہونا بھی ممنوع نہیں اس لئے کہ اپنی کاشت کی وجہ سے یہ اس کا مالک ہوگیا اور پہلی نوع کے حکم میں ہوگیا۔

تیسری قسم ہر وہ درخت اور پود جو خود اگ گئی ہو لیکن اس قبیل سے ہو جس کو لوگ بوتے ہیں اور اس کی کاشت کرتے ہیں اس کو کاٹنا اور اس سے منتفع ہونا بھی ممنوع نہیں۔

چوتھی قسم وہ سرسبز درخت یا گھانس وغیرہ ہے جو خودرو ہو اور لوگ اس کی کاشت نہ کرتے ہوں اور سرسبز قابل نمو اور بڑھوتری ہو جیسے ہری گھانس اور ہرے درخت اور پودے ان کا کاٹنا اور ان سے منتفع ہونا حرم کی حرمت کی وجہ سے محرم اور حلال دونوں کے لئے ممنوع ہے اور قابل جزا و سزا ہے۔ البتہ اس سے اذخر گھانس عموم ضرورت کی وجہ سے مستثنیٰ ہے۔

اس کو کاٹنے اور کام میں لانے میں کوئی مضائقہ نہیں (البحر العمیق)

(۴) غیر مسلم کا حرم کے اندر داخل ہونا ممنوع ہے۔ خواہ وہ حرم میں اقامت کی وجہ سے داخل ہو یا حرم کے اندر سے راستہ طے کرکے باہر جانا چاہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔	اے ایمان والو بے شک مشرک لوگ نجس ہیں سو وہ پاس نہ جائیں مسجد حرام کے اس سال کے بعد۔

شیخ ابن الضیار الحنفی رح فرماتے ہیں کہ احناف کے نزدیک اگر اہل شرک مسجد حرام یا دوسری مسجد میں داخل ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں بہ ضرورت ہو یا بلا ضرورت۔ البتہ وہاں کے تسلط اور تعبد سے ان کو روکا جائے اور یہی آیت کریمہ کا مقصود ہے۔ (البحر العمیق)

(۵) حرم کے اندر کسی کی گری پڑی چیز کا سوائے اس کے مالک کے کسی دوسرے شخص کو اٹھانا ممنوع ہے۔ اس لئے کہ اس کو مالک تک پہنچانا متعذر اور دشوار تر ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اٹھائے تو بیرونِ حرم کے لقطہ کی طرح اس کا بھی حکم ہے۔ جہاں تک ممکن ہو تلاش و جستجو کے بعد اس شئے کو اس کے مالک تک پہنچائے۔ اور اگر یہ ناممکن ہو جائے تو اس شئے کو صدقہ کرے اور اگر محتاج ہو تو خود استعمال کرے۔

(۶) حرم کے پتھروں اور مٹی کا حرم کے باہر لے جانا ممنوع ہے۔ امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کا تھوڑی یا زیادہ مقدار میں حرم سے باہر لے جانا

دونوں طرح ممنوع ہے۔ اور ہمارے حنفی مذہب میں اتنی تھوڑی مقدار لے جانا جس سے حرم کی کسی چیز کو کوئی نقصان نہ پہنچے ممنوع نہیں معمولی مقدار میں تبرکاً وہاں کی اشیار کو باہر لے جا سکتا ہے جیسا کہ صحابہ کرام سے منقول ہے اور یہی علمار امت کا ہمیشہ سے دستور اور معمول ہے۔

(۷) اگر کسی شخص نے مکہ مکرمہ یا مسجد حرام جانے کی نیت اور ارادہ کرلیا ہو اور اس کی نذر مانی ہو تو اس کو حج یا عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ جانا ضروری ہے برخلاف دیگر مساجد کے وہاں جانے کی نذر ماننے سے جانا ضروری نہیں ہے۔ البتہ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ جانے کی نذر میں بعض علمار کے نزدیک نذر پوری کرنا اور وہاں جانا ضروری ہے۔

(۸) حرم محترم میں ہر عبادت کا اجر و ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض علمار کے نزدیک گناہوں کا بار گناہ کرنے والوں پر زیادہ ہوتا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حرم میں ایک گناہ کا صدور بیرون حرم کے ستر گناہوں سے زیادہ سخت ہے۔

(۹) حرم محترم میں گناہ کے ارادے سے بھی مواخذہ اور گرفت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(۱۰) حرم محترم میں مقیم شخص کو حرم کے اندر ہی سے حج کا احرام باندھنا ضروری ہے۔ حرم کے باہر سے احرام باندھنا اس کے لئے ممنوع ہے۔

(۱۱) اسلامی دنیا کی کسی ایک جماعت پر فرض ہے کہ وہ فریضہ حج کو ہر سال ادا کرے۔ یعنی کوئی سال ایسا نہ گذرے کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اور گروہ

حج کے لئے مکہ مکرمہ میں حاضر نہ ہو۔
(۱۲) اگر حرم کے باشندوں کی کوئی جماعت باغی ہوجائے تو علماء کے نزدیک حرم کے اندر اس سے مقاتلہ ممنوع ہے۔ البتہ اس پر دباؤ اور زور ڈال کر اس کو اطاعت میں لایا جاسکتا ہے۔
امام شافعی رح فرماتے ہیں اگر کفار حرم کے اندر پناہ گزین ہوجائیں تو ان سے بھی مقاتلہ ناجائز ہے۔ لیکن اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ خداوند تعالی کے حق کو پیش نظر رکھ کر کفار اور باغیوں سے حرم میں مقاتلہ جائز ہے۔
(۱۳) حرم کے پتھروں اور ڈھیلوں سے استنجا کرنا حرمت کے خلاف ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ بیرون حرم کے پتھر اور ڈھیلے استنجا میں استعمال کرے۔
(۱۴) بلاضرورت حرم محترم میں اسلحہ باندھنا خلافِ ادب وحرمت ہے۔
(۱۵) طوافِ وداع کے بعد مکہ مکرمہ میں تین روز سے زیادہ ٹھیرنا خلافِ ادب ہے۔ اگر طواف وداع کے بعد مکہ مکرمہ میں زیادہ ٹھیرے تو روانگی کے وقت پھر طواف وداع کرے۔
(۱۶) طاعون اور دجّال مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں داخل نہ ہوں گے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔
بعض علماء فرماتے ہیں کہ طاعون سے مراد عالمگیر طاعون ہے۔
(۱۷) عیدین کی نماز مسجد حرام میں ادا کی جائے۔ اور ان نمازوں کے لئے شہر سے باہر نہ جایا جائے جیسا کہ دیگر مواضعات میں عیدین کی نماز کے

لئے شہر سے باہر جانا افضل ہے۔

مسجد حرام

علامہ ابوالبقاء ابن الضیاء رح فرماتے ہیں۔ مسجد مکہ مکرمہ۔ مسجد نبوی سے افضل ہے اور مسجد نبوی مسجد اقصیٰ سے افضل ہے اور مسجد اقصیٰ مسجد جامع سے افضل ہے۔ اور مسجد جامع دیگر مساجد سے افضل ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد مسجدی ھذا و مسجد الحرام و مسجد الاقصیٰ

صرف تین مساجد کی جانب شدّ رحال اور سفر کیا جا سکتا ہے۔ میری یہ مسجد اور مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ۔

علماء کا اختلاف ہے کہ ان تینوں مساجد کے علاوہ دیگر مقامات مقدسہ اور اور انبیاء و صالحین کے مزارات کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا اور شدّ رحال کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہے۔ اور احناف کا راجح مسلک یہی ہے کہ نہ حرام ہے اور نہ مکروہ۔ البتہ جو عظمت و فضیلت ان مساجد کی جانب سفر کو ہے۔ وہ دیگر مقامات مقدسہ کے سفر کو حاصل نہیں۔

(۱) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا "یا رسول اللہ زمین میں سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی"؟ ارشاد فرمایا "مسجد حرام" میں نے عرض کیا پھر کونسی؟ ارشاد فرمایا "مسجد اقصیٰ" میں نے

عرض کیا ان ہر دو تعمیر میں کتنا فصل ہے۔ ارشاد فرمایا: "چالیس سال"

پھر ارشاد فرمایا۔ ان مساجد کے بعد پھر جہاں بھی نماز مل جائے وہاں پڑھ لینا فضیلت اسی میں ہے۔ (صحیحین)

علامہ قرطبی آیۃ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ کی تفسیر کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کی تعمیر اول حضرت آدم علیہ السلام نے کی۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم کی اولاد میں سے کسی نے چالیس سال کے بعد بیت المقدس کو تعمیر کیا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتوں نے اول اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیت اللہ کو تعمیر کیا اور پھر اس کے چالیس سال بعد بیت المقدس کو تعمیر کیا ہو۔ دونوں محتمل اور ممکن ہیں۔

(۲) ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کو اہل زمین کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اول جن لوگوں پر نظر خداوندی پڑتی ہے۔ وہ مسجد حرام والے ہیں پس جو طواف میں مشغول ہوتا ہے اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اور جو بیت اللہ کے دیدار میں مشغول ہوتا ہے اس کی بھی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ (طبری)

(۳) حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"میری اس مسجد میں ایک نماز اس کے ماسوا مساجد کی ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے۔ سوائے مسجد حرام کے اس لئے کہ مسجد حرام میں ایک نماز میری مسجد کی سو نمازوں سے افضل ہے۔" (احمد۔ ابن حبان۔ طحاوی)

پس مسجد نبوی میں ایک نماز ایک ہزار نمازوں سے افضل ہوئی اور مسجد حرام

کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔

(۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"گھر میں نماز ایک نماز ہے۔ اور محلہ کی مسجد میں ایک نماز پچیس نمازوں کے برابر ہے۔ اور جامع مسجد میں ایک نماز پانچسو نمازوں کے برابر ہے۔ اور بیت المقدس میں ایک نماز پانچ ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اور مسجد مدینہ میں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اور مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ (الطبرانی فی التشویق)

(۵) حضرت ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا کہاں کا ارادہ ہی؟

میں نے عرض کیا۔ "بیت المقدس کی جانب کا ارادہ ہی"

ارشاد فرمایا۔ "کیا تجارت کی غرض سے جارہے ہو؟

میں نے عرض کیا۔ نہیں بلکہ وہاں نماز پڑھنے کا ارادہ ہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی جانب اشارہ فرمایا اور ارشاد فرمایا "۔ یہاں نماز وہاں کی ہزار نمازوں سے افضل ہے۔ (احمد)

(۶) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "مسجد حرام کی ایک نماز کی فضیلت اس کے ماسوا پر تین ہزار نمازوں کے بقدر ہے۔ اور میری مسجد میں ایک نماز کی فضیلت ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ کی ایک نماز کی فضیلت پانچسو نمازوں کے

برابر ہے۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کی نماز کی فضیلت اور اجر و ثواب میں مختلف روایات وارد ہیں۔ اور اس اختلاف کی دو وجہ ہوسکتی ہیں۔

اول یہ کہ جن روایات سے فضیلت کم معلوم ہوتی ہے وہ پہلے کے ارشادات نبوی ہیں۔ پھر حق سبحانہ وتعالیٰ نے بتدریج اس اجر و فضیلت میں زیادتی فرمادی جیساکہ دیگر ارشادات سے ثابت ہے۔

دوسرے یہ کہ فضیلت اور اجر کرنے والے کی حالات وکیفیات پر مرتب ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس نیکیوں کے برابر ہے۔ اور ستر نیکی بھی ہے اور سات سو نیکی بھی ہے۔ اور اس سے غیر منتہائی زیادتی بھی ہوسکتی ہے۔ جیساکہ ارشاد ربانی ہے۔

وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ۔ اللہ زیادہ کرتا ہے جس کے لئے چاہے

اسی قبیل سے ہے ایک روایت میں آتا ہے ایک ساعت غور وفکر رات بھر نماز سے بہتر ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ پس جس نہج اور کیفیت سے غور وفکر ہوگا اسی کی بقدر اس کی قدر و قیمت اور اجر و ثواب ہوگا۔ دو شخص نماز پڑھتے ہیں اور دونوں کی نماز کی کیفیت اور حضور قلب میں فرق ہوتا ہے پس جو اجر و ثواب فضیلت حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھنے والے کو ملتا ہے۔ وہ اس شخص کو نہیں مل سکتا۔ جو غفلت اور مدہوشی سے نماز پڑھ رہا ہے تو یہ اجر و فضیلت کا تفاوت احوال اور کیفیات کے تفاوت کی بنا پر ہے۔

شیخ ابوبکر نقاش رح فرماتے ہیں میں نے حساب لگایا تو مسجد حرام کی ایک نماز پچپن سال چھ مہینہ اور بیس دن کی نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں شب و روز کی پانچ نمازیں دو سو ستتر سال سات مہینہ اور دس دن کی نمازوں کے برابر ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آیتہ

اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ۔ بیشک اس میں رسائی ہے قوم عابدین کے لیے۔

وہ لوگ مراد ہیں جو مسجد حرام میں پانچوں نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھیں۔

شیخ محب الدین طبری رح فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حرم کی ایک نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے۔ جب مطلق حرم کی نیکی ایک لاکھ کے برابر ہے تو مسجد حرام کی نماز جو اہم حسنات ہے یقیناً اس سے بہت زائد ہوگی۔ پس مسجد نبوی میں ایک نماز ہزار نماز کے برابر ہے اور ہر نیکی دس کے برابر ہوتی ہے۔ تو مسجد نبوی کی ایک نماز دس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام کی ایک نماز مسجد نبوی سے سو درجہ زائد ہے تو مسجد حرام کی ایک نماز دس لاکھ نمازوں کے مساوی ہوئی۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ مسجد حرام جس کا یہ اجر و ثواب و فضیلت ہے۔ اس سے کونسی جگہ مراد ہے اس میں علماء کے چار قول ہیں۔

اوّل۔ مسجد حرام سے سارا حرم محترم مراد ہے جیساکہ حضرت ابن عباس رضؓ

سے مروی ہے اور بعض آیات قرآنی میں بھی مسجد حرام کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس سے سارا حرم مراد ہے۔

دوسرے یہ کہ مسجد حرام سے مسجد جماعت اور وہ حصہ مراد ہے جس میں جنبی اور حائضہ داخل نہیں ہو سکتے۔ اور یہی ہمارے نزدیک راجح ہے اس لئے کہ اسی پر مسجد کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور اسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر مساجد سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔

تیسرے یہ کہ مسجد حرام سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

چوتھے یہ کہ مسجد حرام سے مراد صرف کعبہ ہے۔

راجح اور غالب یہی ہے کہ مسجد حرام سے مراد مسجد جماعت ہے۔ اور یہ اجر و فضیلت اس حصہ کے ساتھ مخصوص نہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد جماعت تھی بلکہ جہاں تک بھی مسجد وسیع ہوگی اس فضیلت پر مشتمل ہوگی۔ اور یہی حال مسجد نبوی کا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر یہ مسجد صنعاء تک بنا دی جائے تب بھی میری مسجد ہو گی۔

امیرالمومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جب مسجد نبوی کو وسیع کیا تو فرمایا اگر اس کو جبانہ تک بڑھا دیں تب بھی یہ ساری مسجد نبوی ہے۔

امام مالک رح فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی میں نماز مسجد حرام کی نماز سے افضل ہے۔ لیکن سابقہ روایات کی بنا پر دیگر ائمہ کا قول یہ ہے کہ مسجد حرام کی نماز مسجد نبوی کی نماز سے افضل ہے۔

نیز یہ فضیلت فرض نمازوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور نوافل کا گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔ اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن سعید کی حدیث میں ہے "گھر میں نفل پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔"

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ "فرض نمازوں کے علاوہ نوافل کا گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔"

ان مساجد ثلاثہ میں فرض نماز پڑھنے سے نماز کی قدر و قیمت اور اجرو ثواب میں زیادتی ہوتی ہے اس سے سابقہ قضا نمازوں کی تلافی نہیں ہو سکتی البتہ فرائض کی ادائیگی میں جو قصور اور کوتاہی سرزد ہوئی ہو اس کی مکافات ہو جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ (البحر العمیق)

مقام ابراہیم

مقام ابراہیم بھی حرم محترم کی عظیم الشان آیات اور عالی قدر تبرکات سے ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ۔

بیشک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ جو بابرکت ہے اور ہدایت ہے تمام جہانوں کے لئے اس میں بہت سی کھلی نشانیاں ہیں منجملہ ان کے مقام ابراہیم ہے۔

یہ وہ مقدس اور عالی مقام ہے جہاں اللہ رب العزت نے نماز پڑھنے اور

فریضہ بندگی ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا یہ عزو شرف کسی دوسرے مقام کو حاصل نہیں چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّى۔ اور بناؤ تم مقام ابراہیم سے نماز کی جگہ۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیۃ کریمہ میں مقام ابراہیم کے پاس صرف نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ اس کو چھونے اور ہاتھ لگانے کا حکم نہیں ہے۔ لیکن امت محمدیہ بھی سابقہ امم کی طرح غیر مشروع باتوں میں مبتلا ہو گئی۔ اور ان امور کا ارتکاب کرنے لگی جن کا حکم نہیں ہے۔ (البحر العمیق)

مقام ابراہیم اس پتھر کا نام ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے اور ان کے قدم مبارک کے نشانات اس پتھر میں موجود ہیں۔

حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں دنیا میں جنت کی صرف دو چیزیں ہیں ایک حجرِ اسود اور دوسرے مقام ابراہیم۔ یہ دونوں جنت کے جواہرات سے ہیں۔ (جن کی حقیقی شان و شوکت اور نورانیت کو حق تعالیٰ نے پوشیدہ فرما رکھا ہے)، اگر اہل شرک وطغیان ان کو نہ چھوتے تو ان کا چھونا ہر بیماری سے شفا تھا۔ (بحر ازازرقی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر کیوں کھڑے ہوئے تھے۔ اس میں مختلف اقوال منقول ہیں۔

(۱) حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی۔

(۲) حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہی کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ملنے کے لیئے حجاز تشریف لائے وہ گھر میں موجود نہ تھے ان کی بیوی نے آپ کو ٹھیرانا چاہا۔ مگر آپ نے ٹھیرنے سے انکار فرمایا۔ پھر انہوں نے عرض کیا تھوڑی دیر ٹھیر جائے تاکہ میں آپ کا سر دھو ڈالوں آپ نے اس کو قبول فرمایا وہ ایک پتھر لائیں اور آپ نے سواری پر کھڑے پتھر پر پاؤں رکھ لیا۔ انہوں نے ایک طرف سے سر دھوکر پتھر کو دوسری جانب رکھنے کے لئے اٹھایا تو دیکھا کہ پتھر پر آپ کے قدم کا پورا نشان موجود ہے۔ پھر دوسری جانب کو دھویا تو دوسرے پاؤں کے بھی نشانات پڑ گئے۔ اور خدا تعالیٰ نے اس پتھر کو باعظمت نشانیوں اور شعائر اسلام سے بنا دیا۔

(۳) ازرقی کا بیان ہی کہ آپ اس پتھر پر حج کا اعلان اور ندا بلند کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ اعلان حج کے بعد آپ نے اس پتھر کو باب کعبہ کی جانب رکھ کر اپنا سمت قبلہ بنا لیا اور اس کی جانب نماز پڑھتے رہے۔ پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی اسی سمت نماز پڑھتے رہے۔ اس پتھر میں آپ کے پاؤں کی سات انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے مقام ابراہیم میں انگلیوں اور قدم اور ایڑی کے نشانات دیکھے جو بعد میں لوگوں کے بکثرت ہاتھ لگانے کی وجہ سے مٹ گئے۔

علامہ فاسی فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس پتھر پر کھڑے

ہونے کی جو تین وجوہ منقول ہیں تو ممکن ہو کہ آپ تینوں دفعہ اسی پتھر پر کھڑے ہوئے ہوں اول اس پر کھڑے ہو کر بیت اللہ کو تعمیر کیا۔ پھر اسی پتھر پر کھڑے ہو کر حج کا اعلان فرمایا اور اپنا سمت قبلہ بنا لیا۔ اور جب ملک شام سے آئے تو آپ کی بہو حضرت اسمعیل علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے اسی پتھر پر کھڑا کر کے آپ کا سر دھویا۔

امام مالک رح فرماتے ہیں کہ مقام ابراہیم اس وقت جس جگہ رکھا ہوا ہو وہ وہی جگہ ہے جہاں اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھا تھا۔ ایام جاہلیت میں کفار قریش نے اس خیال سے کہ پانی کی رو مقام ابراہیم کو بہا کر نہ لے جائے بیت اللہ کے متصل رکھ دیا تھا۔ عہد نبوی اور عہد ابو بکر صدیق میں وہ وہیں رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں مقام ابراہیم کو پھر اپنے اصلی مقام پر رکھوا دیا اور آج تک وہیں ہے۔ (بحر عمیق)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک زبردست رو مکہ مکرمہ میں آئی جس کو "سیل ام نہشل" کہتے ہیں۔ اور باب بنی شیبہ سے حرم محترم میں داخل ہوئی اور مقام ابراہیم کو بہا کر لے گئی۔ بڑی تلاش اور جستجو کے بعد مقام ابراہیم مسفلہ میں ملا۔ لوگوں نے اس کو لا کر کعبہ کے پردے سے باندھ دیا۔ اس واقعہ کی جب امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو گھبرا کر رمضان ہی میں عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آئے۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ کفار قریش نے مقام ابراہیم کو اپنے اصلی مقام سے ہٹا کر بیت اللہ کے متصل رکھا ہوا تھا۔ اور آپ بخوبی جانتے تھے کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلی خواہش یہ تھی کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی ہیئت پر ہر چیز کو رکھیں مگر قریش مکہ چونکہ اسی وقت مسلمان ہوئے تھے اس لئے اس تغیر سے ان کے متزلزل اور متوحش ہونے کا اندیشہ تھا۔ اسی خطرہ کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو بھی تعمیر ابراہیمی کے مطابق نہ کرایا تھا ان وجوہ کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واقفین سے مقام ابراہیم کے اصلی مقام کو تحقیق فرمایا اور پھر حاضرین سے مشورہ اور سب کی متفقہ رائے کے بعد اس مقام ابراہیم کو اس کے اصلی مقام پر نصب کرا دیا جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھا تھا۔ اور آج تک وہیں ہے۔ جزاہ اللہ عن امۃ محمد خیراً (بحس)

علامہ ابن خلیل فرماتے ہیں کہ مقام ابراہیم کو ہاتھوں سے چھونا اور بوسہ دینا مسنون نہیں۔ ہمیں صرف اس کے قریب نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور مقام ابراہیم کے نیچے جو دو پتھر فرش میں لگے ہوئے ہیں اور جن پر لوگ نماز پڑھتے ہیں وہ بھی خاص شرف و فضل رکھتے ہیں۔ ان پر بعض صحابہ کرام نے نماز پڑھی ہے۔ (جامع)

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مقام ابراہیم کو مس کرتے دیکھا تو فرمایا۔ تم کو چھونے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ صرف اس کے قریب نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "جس شخص نے بیت اللہ کا طواف کیا اور پھر مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز پڑھی تو اس کا یہ عمل سابقہ تمام برے کاموں کا کفارہ ہو گیا (الجامع اللطیف)

ازرقی بیان کرتے ہیں کہ مقام ابراہیم کی مقدار ایک ذراع مربع ہے۔ اور اس میں سات انگلیوں کے نشان ہیں اور اس کی اونچائی پون ذراع ہے۔ اور اب یہ ایک لوہے کے صندوق میں بند ہے جو ایک جالی دار قبہ میں رکھا ہے۔ اس قبہ کی مقدار پانچ ذراع سے کچھ زائد زمزم کی جانب میں ہے اور کعبہ کی سمت میں پانچ ذراع سے کچھ کم ہے۔ اس کے سامنے دو ستونوں پر نماز کی جگہ بنی ہوئی ہے۔ اس کا طول وعرض بھی تقریباً پانچ ذراع ہے۔ اور اب مقام ابراہیم اسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں مقام ابراہیم رکھا ہوا ہے۔ اور اسی جگہ نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

زم زم

چاہِ زم زم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جانب منسوب ہے۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو ملک شام سے لے کر مکہ مکرمہ آئے اس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر بہت چھوٹی تھی اور دودھ پیتے بچے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دونوں کو ایک بڑے درخت کے نیچے لاکر اتار دیا۔ پانی کی ایک مشک اور کھجوروں کی ایک تھیلی جو وہ اپنے ہمراہ لائے تھے ان کے پاس رکھ دی اس زمانہ میں نہ تو مکہ کی سرزمین پر کوئی آدمی بستا تھا اور نہ وہاں پانی تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کو اس جگہ چھوڑ کر ملک شام کی جانب روانہ ہوئے۔ حضرت ہاجرہ نے ان کو جلتے دیکھا تو کہا " ابراہیم علیہ السلام ہمیں ایسی وادی میں جہاں کوئی مونس و

خبر گیراں نہیں چھوڑ کر کہاں چلے؟" حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے کئی مرتبہ یہ الفاظ کہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی طرف توجہ نہ کی۔ حضرت ہاجرہ اٹھیں اور ان کے پیچھے روانہ ہوئیں اور دریافت کیا۔" ابراہیم علیہ السلام کیا خداوند تعالیٰ نے تم کو اس کا حکم دیا ہے" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "ہاں میرا یہ فعل خدا کے حکم سے ہے"۔ یہ سن کر حضرت ہاجرہ نے کہا پھر تو خدا تعالیٰ ہمیں ضائع نہ کرے گا۔ اور واپس چلی آئیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک شام کی جانب روانہ ہوگئے۔ تھوڑی دور چل کر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی بیوی اور بچہ دونوں نظروں سے غائب ہوگئے تو بارگاہِ رب العزت میں ان کی حفاظت اور خبر گیری کی دعا کی اور ملک شام کو روانہ ہوگئے۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد درخت کے نیچے رہنے لگیں خود کھجوریں کھاتیں اور پانی پیتیں اور بچہ کو دودھ پلاتیں۔ یہاں تک کہ پانی ختم ہوگیا اور پیاس سے ان کی اور بچے کی بری حالت ہوگئی۔ جب بچہ پیاس سے تڑپنے لگا اور بل کھانے لگا تو حضرت ہاجرہ نے اس کے سامنے سے ٹل جانا مناسب سمجھا اور پانی کی جستجو اور تلاش میں قریب کی پہاڑی پر چڑھ گئیں جس کا نام صفا ہے اور پہاڑی پر چڑھ کر اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ پھر وادی میں اتریں اور تیزی سے وادی کو طے کیا تاکہ بچہ نگاہوں کے سامنے رہے اور مروہ پہاڑی پر چڑھیں اور ہر طرف نظر دوڑا کر دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ اسی طرح صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ آئی گئیں۔ ان کا یہ فعل خدا تعالیٰ کو پسند آیا اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کے

سات چکر مقرر کر دیئے گئے۔

آخری مرتبہ جب مروہ پہاڑی پر کھڑی چاروں طرف دیکھ رہی تھیں اور وادی میں کوئی شخص نہ تھا تو یکایک ایک آواز سنائی دی اور بار بار سنائی دی۔ آپ نے کہا میں نے آواز کو تو سن لیا اگر کوئی مددگار ہو تو مدد کو آئے۔" معاً آپ نے ایک فرشتہ (حضرت جبرئیل علیہ السلام) کو چاہِ زم زم کے مقام پر دیکھا۔ انہوں نے زمین پر اپنا پر مارا اور زمین سے پانی ابلنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت ہاجرہ پانی کی طرف دوڑیں اور اس خوف سے کہ پانی بہہ کر ضائع نہ ہو جائے اس کے چاروں طرف مٹی لگادی پھر دونوں ہاتھوں کی چلو بنا کر ان سے مشک میں پانی بھرا۔ آپ اِدھر چلو سے پانی اٹھاتی تھیں اور اُدھر چشمہ سے پانی برابر نکل رہا تھا۔ جب مشک بھر چکیں تو اپنے بچہ کو پانی پلایا اور خود بھی پیا۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا "ہاجرہ ہلاکت کا خوف مت کرو۔ اس مقام پر اللہ کا گھر ہے جس کو یہ لڑکا (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام) اور اس کا باپ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) اپنے ہاتھوں سے تعمیر کریں گے۔ اور خدا اس بچہ کے اہل کو ضائع نہ کرے گا۔

اس کے بعد حضرت ہاجرہ نے زم زم کے قریب مستقل سکونت اختیار کر لی یہاں تک کہ قبیلہ جرہم کا ایک قافلہ شام جاتا ہوا ادھر سے گذرا اور دیکھا کہ جبل ابو قبیس کے اطراف میں پرندے پرواز کر رہے ہیں۔ ان پرندوں کو دیکھ کر قافلہ کے لوگوں نے کہا یہاں قریب ہی پانی ہو گا کیونکہ پرندے پانی کے قریب ہی پرواز کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں سب کو معلوم تھا کہ یہ جگہ پانی سے خالی ہے۔ اس لئے ایک شخص کو تحقیق

کے لئے بھیجا وہ تلاش کرتے کرتے پانی پر پہنچ گیا۔ اور قافلہ کو جا کر خبر دی۔ قافلے والے وہاں سے چل کر زم زم کے پاس آئے اور حضرت ہاجرہ سے جو زم زم کے قریب مسکن گزین تھیں عرض کیا "کیا آپ ہم کو یہاں قیام کی اجازت دے سکتی ہیں"

حضرت ہاجرہ نے فرمایا "ہاں تم یہاں ٹھیر سکتے ہو۔ لیکن اس چشمہ پر ملکیت کا کوئی حق تم کو حاصل نہ ہوگا۔"

اہل قافلہ نے اس بات کو قبول کیا اور وہاں قیام اختیار کیا۔ کچھ دنوں کے بعد ان لوگوں نے اپنے اہل وعیال کو بھی بلا لیا اور مکان بنالئے۔ مکہ معظمہ کی یہ پہلی آبادی تھی۔

کچھ عرصہ بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جوان ہوگئے اور عربی زبان سیکھ لی۔ آپ کی مادری زبان عبرانی تھی اور قافلہ کے لوگوں کی زبان عربی تھی۔ چونکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام انہی لوگوں میں رہتے تھے اس لئے وہ عربی زبان جلد سیکھ گئے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے جوان ہونے پر قبیلہ جرہم کے لوگوں نے اپنی ایک لڑکی کی شادی ان سے کردی۔ بیٹے کی شادی کے بعد حضرت ہاجرہ نے نوّے سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور مقام حجر یعنی حطیم میں دفن کی گئیں اور حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے حکم ربانی سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ہدایت اور نقشہ کے مطابق بیت اللہ تعمیر فرمایا۔

چاہ زم زم عرصہ تک اسی حالت میں رہا۔ جب قبیلہ جرہم نے بیت اللہ کی حرمت کو قائم نہ رکھا تو حق تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب نازل ہوا

اور وہ سرزمین حرم کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور جاتے ہوئے چاہِ زم زم کو بھی بند کر گئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پانی کی رو اور سیل نے زم زم کو بند کر کے اس کا نام و نشان مٹا دیا۔ اور عرصہ تک یہی حالت رہی۔ آخر عبدالمطلب نے ایک غیبی آواز اور امداد کی بنا پر تحقیق و تفتیش کے بعد دوبارہ اس کو کھود کر تعمیر کیا کھدائی کا کام عبدالمطلب اور ان کے صاحبزادے نے انجام دیا دیگر اہل قریش نے اول ان کے اس ارادے کو خیال خام اور توہمات سمجھا اور جب آثار زمزم اور اس کی خصوصی علامات حاضر ہوئی تو اس میں شریک ہو گئے۔

حضرت عبدالمطلب سے اللہ تعالیٰ نے دو بڑے کام لئے ہیں۔ ایک اصحاب فیل کو تباہ کرنا۔ دوسرے چاہ زم زم کو از سرِ نو نمودار کرنا جو ہمیشہ کے لئے خیر جاری ہے۔ اسی لئے زم زم کی سقایہ یعنی لوگوں کو سیراب اور شاداب کرنا آل عبدالمطلب کا قدرتی حق ہے۔ (رفیق حج)

زم زم کے فضائل

زم زم کے فضائل میں متعدد روایات منقول ہیں جن میں سے چند نقل کی جاتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ آب زم زم جس مقصد کے لئے پیا جائے نافع ہے۔ اگر شفا کے لئے پیئے تو اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔ اور اگر گناہوں سے بچنے کے لئے پیئے تو اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچائے گا اور اگر پیاس کے لئے پیئے تو اللہ تعالیٰ اس کو دفع کرے گا (بحراز حاکم)

دار قطنی کی روایات میں ہے کہ اگر بھوک کے لئے پئے تو اللہ تعالیٰ پیٹ بھر دے گا۔ یہ حضرت جبرئیل کا کھودا ہوا ہے۔ (یعنی ان کے پر مارنے کی وجہ سے نمودار ہوا) اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے سقایہ اور سیرابی ہے۔ (بحر)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ "زم زم بابرکت ہے اور عمدہ طعام ہے۔ اور بیماری کے لئے شفا رہے (بحر از مسلم وابی داؤد)

حضورؐ کی دایہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھوک اور پیاس کی شکایت نہیں کی آپ ہر روز علی الصباح جا کر زم زم پیتے تھے۔ اور جب ہم آپ کے سامنے کھانا پیش کرتے تو آپ فرماتے میرا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ (بحر عمیق)

حضرت محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی بکر کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضؓ کے پاس تھا کہ ایک شخص آیا آپ نے اس سے دریافت کیا۔ "کہاں سے آیا ہے۔"

اس نے جواب دیا۔ "زم زم سے۔" آپ نے فرمایا۔ "کیا مناسب طریقہ کے موافق زم زم پیا ہے۔"

اس نے کہا۔ "اس کا طریقہ کیا ہے؟"

آپ نے فرمایا۔ "جب زم زم پیئے تو قبلہ کا رخ کرے اور بسم اللہ پڑھے اور تین سانس میں پیئے۔ اور خوب سیر ہو کر پیئے۔ کہ پسلیاں بھر جائیں اور پینے کے بعد الحمد للہ کہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

ہم میں اور منافقوں میں یہ فرق ہے کہ وہ خوب سیر ہو کر زم زم نہیں پی سکتے۔ (بحر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ پسلی بھر کر ..... زم زم پینا یعنی خوب سیر ہو کر پینا نفاق سے بری کر دیتا ہے۔ (بحر از ازرقی)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

زم زم اور نار جہنم کسی بندہ کے پیٹ میں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔" (بحر)

یعنی جس شخص نے ایمان کی حالت میں ..... زم زم پی لیا نار جہنم کسی طرح اس کے پیٹ میں داخل نہیں ہو سکتی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے کے لئے مکہ آئے تو تیس شب و روز سوائے زم زم کے اور کچھ نہیں کھایا جس کی وجہ سے موٹے ہو گئے اور پیٹ کی سلوٹیں کھل گئیں اور پیٹ میں کوئی بھی بھوک کا اثر محسوس نہ کیا۔ (بحر عمیق)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" بخار جہنم کی گرمی کا اثر ہے اس کو ..... زم زم سے تسکین دیا کرو۔" (بحر از احمد و ابن شبیہ)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"پانچ امور عبادت میں داخل ہیں:۔

(۱) قرآن شریف کی طرف دیکھنا۔

(۲) کعبہ کی جانب دیکھنا۔

۳۔ والدین کے چہرے کی طرف دیکھنا۔
۴۔ زم زم کو دیکھنا۔ اس سے گناہ جھڑتے ہیں۔
۵۔ عالم دین کے چہرے کی طرف دیکھنا۔ (بحر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اہل مکہ سے نہ کوئی سبقت کرسکتا تھا اور نہ کوئی کسی کو پچھاڑ سکتا تھا مگر جب سے یہ آب زم زم سے اعراض کرنے لگے بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ (بحر)

زم زم کی برکات اور خصوصیات

(۱) جس غرض اور مقصد کے لئے زم زم پیا جائے وہ پوری ہوتی ہے۔ چنانچہ علماء امت اور صلحاء امت نے مختلف اغراض اور مقاصد کے لئے زم زم پیا اور کامیاب ہوئے۔

(۲) جو مومن ...... زم زم پی لیتا ہے اس کا جسم نار جہنم سے محفوظ رہتا ہے۔

(۳) ...... زم زم کی جانب دیکھنا ایک مستقل عبادت ہے اور تقرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔

(۴) ...... زم زم لذیذ عمدہ غذا بھی ہے اور بیماری کی کامیاب دوا ہے۔ جس سے شفا یقینی ہے۔

(۵) خوب سیر ہو کر ...... زم زم پینا خطاؤں کے اثرات کو زائل کر دیتا ہے۔ اور گناہوں کی گندگی کو صاف کر دیتا ہے۔

(۶) آبِ زم زم تمام پانیوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شب معراج

شب معراج میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے قلب اطہر کو زم زم سے دھویا۔ اگر کسی اور پانی کو فضیلت اور برتری حاصل ہوتی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کو اختیار کرتے۔ اور جہاں جنت سے طشت لائے تھے وہاں پانی بھی لے آتے۔

اطباء اور حکماء کا قول ہے کہ طبی حیثیت سے آب زم زم دنیا کے تمام پانیوں سے زیادہ مفید اور نفع بخش ہے۔ جو بہترین اور مفید اجزاء جس خاص تناسب سے زم زم میں پائے جاتے ہیں کسی دوسرے پانی میں دستیاب نہیں ہیں۔ آبِ زم زم انتہائی سبک ہی اور فوائد میں بہت وزنی ہی۔

(۷) آبِ زم زم بخار کو تسکین دیتا ہے اور مرگی کے اثر کو زائل کرتا ہی۔

(۸) آبِ زم زم دردِ سر کے لئے نافع ہی اور فوراً درد کو دور کرتا ہی۔

(۹) قلب کو قوت دیتا ہی اور اضطراب وخوف کو دور کرتا ہی۔ چنانچہ حافظ زین العابدین عراقی رح لکھتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو آبِ زم زم سے دھونے میں غالباً یہی مصلحت تھی کہ آپ کا دل فرشتوں اور غیر مانوس اشیاء اور اشخاص کو دیکھ کر مرعوب اور خوف زدہ نہ ہو۔

(۱۰) شیخ دوصی مغربی نے لکھا ہی اگر کسی شخص کو کسی وجہ سے پانی نقصان یا تکلیف پہنچاتا ہو تو وہ پانی کو مخاطب کرکے یہ الفاظ کہہ دے۔

"اے پانی زم زم کا پانی تجھ سے سلام کہتا ہی۔" پھر وہ پانی ضرر نہ پہنچائے گا۔

زم زم پینے کے آداب

علماء کہتے ہیں کہ جو شخص زم زم پینے کا ارادہ کرے اس کو چاہیئے کہ وہ پانی کے برتن کو داہنے ہاتھ میں لے اور یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ بَلَغَنِیْ مِنْ نَبِیِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهٗ۔ اَللّٰهُمَّ اَشْرِبُهٗ لِكَذَا۔

الٰہی تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ زم زم کا پانی ہر اس غرض کے لئے ہے جس کے لئے اس کو پیا جائے۔ الٰہی میں اس کو اس غرض سے پیتا ہوں۔

پھر اپنی غرض بیان کرے اور بسم اللہ پڑھ کر تین سانس میں پانی کو خوب سیر ہو کر پیئے پھر الحمد اللہ کہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آب زم زم پینے کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَشِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ۔

الٰہی میں تجھ سے علم نافع اور رزق واسع اور ہر مرض سے شفا کا طالب ہوں۔

مشہور محدث حاکم کہتے ہیں کہ اس دعا میں یہ الفاظ شامل کر لئے جائیں تو بہتر ہے۔

وَقَلْبًا خَاشِعًا وَّذُرِّيَّةً طَيِّبَةً۔

اور قلب خاشع اور اچھی اولاد کا طالب ہوں۔

اس کے علاوہ جو چاہے اور جس قدر چاہے دعا مانگے کہ یہ دعا قبول ہونے کا وقت ہے۔ علامہ قاضی جمال بن عبداللہ شافعی نے لکھا ہے کہ چاہِ زم زم کے قریب دعا قبول ہوتی ہے۔

وہ مقامات جہاں حضورؐ نے نماز پڑھی

علامہ ابن ضیاء الحنفی نے چند مقامات کا ذکر کیا ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

(۱) مقام ابراہیم کے پیچھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے طواف کی دو رکعت مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھی۔ لیکن راجح یہ ہے مقام ابراہیم اس وقت اس جگہ نہیں جہاں عہد نبوی میں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مقام ابراہیم بیت اللہ سے متصل تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔

(۲) حجر اسود کے سامنے منتہائے مطاف پر۔ حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ جب طواف سے فارغ ہوئے تو حجرِ اسود کے سامنے ختم مطاف پر دو رکعت پڑھی اور آپ کے اور طواف کرنے والوں کے درمیان کوئی شے نہ تھی (نسائی و احمد)

(۳) رکن شامی کے قریب اور حطیم کے متصل۔ حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو باب کعبہ کی سمت اس رکن کے پاس لے جاتے جو حطیم سے متصل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ان سے فرماتے تھیں یہ تبلایا گیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ نماز پڑھتے تھے وہ کہتے "ہاں"۔ پھر حضرت ابن عباس وہاں نماز پڑھتے (احمد وابوداؤد)

(۴) باب کعبہ کے متصل۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کی اور جب نماز فرض ہوئی تو باب کعبہ کے سامنے دو مرتبہ نماز پڑھائی۔ (امام شافعی)

شیخ عزالدین بن سلام فرماتے ہیں باب کعبہ اور حطیم کے درمیان جو چھوٹا حوض بنا ہوا ہی یہ وہی مقام ہے جہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو روز پانچوں نمازیں پڑھائی، جس وقت امت پر نماز فرض کی گئی تھی۔

(۵) رکن غربی کے سامنے جو حطیم کے متصل ہی مائل بہ غرب ہو کر ایسی طرح کہ باب عمرہ لپشت پر رہے۔ حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باب بنی سہم کے سامنے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ لوگ آپ کے سامنے سے گذر رہے تھے اور درمیان میں کوئی سترہ نہ تھا۔ (احمد ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

ازرقی کہتے ہیں کہ باب سہم وہی ہے جس کو اب باب عمرۃ کہتے ہیں۔

(۶) کعبہ کے دروازے کے سامنے۔ صحیحین میں ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ سے باہر تشریف لائے تو بیت اللہ کے سامنے دو رکعت پڑھی۔ اور ارشاد فرمایا تمہارا یہ قبلہ ہی۔ (سامنے سے مراد باب کعبہ کے سامنے ہی)

(۷) حطیم میں۔ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کونسی گستاخی زیادہ سخت کی۔

حضرت ابن عمرو نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے کپڑا آپ کی گردن میں ڈالا اور بہت زور سے آپکا گلا گھونٹا اتنے میں حضرت ابوبکر آگئے اور انھوں نے عقبہ کا مونڈھا پکڑ کر ہٹایا اور کہا کیا تم اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟

(۸) رکنین یمانیین کے درمیان۔ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں یمنی گوشوں کے درمیان نماز پڑھتے تھے۔ (بحر عمیق)

مکہ مکرمہ کی مساجد

مکہ مکرمہ کے اندر اور اطراف میں بے شمار مساجد ہیں جن کا مورخین نے ذکر کیا ہے ان میں سے اکثر مساجد کا اب نام و نشان باقی نہیں رہا۔ بعض مشہور مساجد کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مسجد خیف

منیٰ میں یہ مسجد مشہور ہے اس کی عظمت و فضیلت میں کثرت سے احادیث

اور آثار وارد ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسجد خیف میں ستر انبیاء علیہم السلام نے نماز پڑھی ہے جن میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ مسجد خیف میں ستر انبیاء کی قبریں ہیں۔

مسجد خیف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جگہ نماز پڑھی تھی اس کی نسبت ازرقی نے لکھا ہے کہ منارہ مسجد کے سامنے جو پتھر نصب ہیں اس مقام پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ منارہ سے مراد وہ چھوٹا منارہ ہے جو وسط میں قبہ کی دیوار سے ملا ہوا ہے اور قبہ کے اندر جو محراب ہے وہ وہی جگہ ہے جس کو پتھروں کی جگہ کہا جاتا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ نماز پڑھی ہے (رفیق حج از جامع لطیف)

مسجد الضبّ

مسجد خیف سے اوپر پہاڑی کی ایک گھاٹی میں واقع ہے۔ ازرقی کا بیان ہے کہ اس مسجد کے اندر ایک غار ہے جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کا نشان ہے چنانچہ ابن جبیر رض سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں سایہ کی غرض سے تشریف فرما ہوئے تو سر مبارک پتھر سے مس ہوا اور وہ پتھر نرم ہو گیا اور آپ کے سر مبارک کے دور کے موافق اس میں نشان ہو گیا۔

اس غار کو غارِ مرسلات بھی کہا جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ منیٰ کے ایک غار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ہمراہ تھے کہ سورہ والمرسلات نازل ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اور میں آپ کے الفاظ کی تکرار کر رہا تھا۔ اور آپ کا دھن مبارک ان الفاظ سے حلاوت حاصل کر رہا تھا کہ اچانک ایک سانپ نے ہم پر حملہ کرنا چاہا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اس کو مار ڈالو" "اس کو مار ڈالو۔"

ہم نے اس سانپ کا تعاقب کیا لیکن وہ بھاگ گیا۔ اس پر نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا۔ "وہ تمہاری شر سے محفوظ رہا۔ جیسا کہ تم اس کی شر سے محفوظ رہے۔" (رفیق حج)

مَسجدِ نحر

یہ مسجد بھی منیٰ کے اندر جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطیٰ کے درمیان عرفات کے راستہ پر واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ عید الاضحیٰ کی نماز پڑھی اور پھر اپنی قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا۔ (رفیق حج)

مَسجدِ بَیعت

یہ وہ جگہ ہے جہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں انصار مدینہ سے بیعت لی تھی۔ یہ مسجد جمرہ عقبیٰ کے قریب مکہ مکرمہ کی جانب واقع ہی۔ (رفیق حج)

مسجد جعرّانہ

یہ وہ جگہ ہے جہاں فتح مکہ کے بعد طائف سے واپسی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ مقام احرام کی نسبت واقدی اور ازرقی کا بیان ہے کہ وہ جگہ ہے جو وادی کی پشت پر عدوہ قصویٰ کے قریب ہی جہاں ایک پتھر بھی نصب ہے۔

مورخ جندی نے یوسف بن مالک سے روایت کیا ہے کہ مقام جعرّانہ سے تین سو نبیوں نے احرام باندھا ہے۔

فاکہی کہتے ہیں کہ جعرّانہ کے اطراف میں کسی جگہ نہایت شیریں پانی ہے۔ جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر نیزہ نصب فرمایا تھا جس سے یہ پانی جاری ہوا۔ (رفیق حج)

مسجد فتح

یہ مسجد وادیٔ مہر کے قریب واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ پر نماز پڑھی تھی۔

مسجدِ تنعیم

یہ وہ جگہ ہے جہاں سے حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق احرام باندھا تھا۔

حرم محترم کے پہاڑ

مکہ مکرمہ اور حرم محترم میں متعدد پہاڑ ہیں جن کے اجمالی حالات اور مناقب بیان کیے جاتے ہیں۔

جبل ابو قبیس

یہ ایک مشہور پہاڑ ہے طوفان نوح کے وقت حجر اسود کو یہاں امانت رکھا گیا تھا۔ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بیت اللہ کو تعمیر کیا تو اس پہاڑ نے امانت کو واپس کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حجر اسود کو اس مقام پر رکھ دیا۔ اسی لئے زمانہ جاہلیت میں اس پہاڑ کو "امین" یعنی امانت دار کہتے تھے۔

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اس پہاڑ میں ایک غار ہے جس کو غار کنز کہتے ہیں۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام کی قبر ہے۔ اور فاکہی حضرت عروۃ بن زبیر کو نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر مسجد خیف میں ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر ہندوستان میں ہے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت شیث علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت حوّا کی قبریں جبل ابو قبیس میں ہیں۔

فاکہی کہتے ہیں کہ معجزہ شق القمر جبل ابو قبیس پر ظاہر ہوا۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے چاند کو دو ٹکڑے دیکھا اس کی ایک شق

جبل ابو قبیس پر تھی دوسری اس جانب "۔ اس جانب سے غالباً ثنیہ سفلی کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے کہ وہ جبل ابو قبیس کے بالمقابل ہے۔ بعض دیگر روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ معجزہ شق القمر چودھویں رات کو واقع ہوا۔ ایک نصف کوہ صفا پر تھا اور دوسرا کوہِ مروہ پر " علماء کہتے ہیں کہ کوہِ صفا جبل ابو قبیس ہی کا ایک حصہ ہے۔

فاکہی کا بیان ہے کہ جبل ابو قبیس میں جو دعا مانگی جاتی ہے، وہ قبول ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جبل ابو قبیس سب سے پہلا پہاڑ ہے جو روئے زمین پر نمودار ہوا۔

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ جبل ابو قبیس چونکہ دیگر پہاڑوں کی بہ نسبت بیت اللہ سے زیادہ قریب ہے۔ اس لئے حرم کے دیگر پہاڑوں سے افضل ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ جبل حرا اس سے بھی افضل ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں زیادہ وقت گذارا اور عبادت الٰہی میں مشغول رہے۔ (فاسی)

جبل خندمہ

مشہور بلند پہاڑ ہے۔ فاکہی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس میں ستر نبیوں کی قبریں ہیں (تاریخ فاسی)

جبل حراء

مشہور پہاڑ ہے جس کا دوسرا نام "جبل نور" ہے اس پہاڑ کے غار میں جو بلندی

واقع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدتوں عبادت کی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک مہینہ کے لیے تشریف لاتے تھے اور اس غار میں عبادت کیا کرتے تھے۔ اور یہیں آپ کو رسالت اور نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔ (رفیق حج)

جبل ثور

یہ پہاڑ زیریں مکہ دو تین میل کے فاصلہ پر ہے اور اس کی بلندی تقریباً ایک میل ہے۔ یہی وہ پہاڑ ہے جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے ہجرت کے وقت مشرکین مکہ کے خوف سے پناہ لی تھی اور جس کا ذکر اس آیۃ میں ہے۔ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْهُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (جبل ثور کے غار میں جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضؓ تشریف فرما ہوئے تو مکڑی نے اس کے منہ پر جالا تن دیا تھا۔ اور کفار مکہ جالا دیکھ کر واپس چلے گئے تھے۔ اس غار میں دو دروازے ہیں پہلے ایک دروازہ کشادہ اور دوسرا تنگ تھا پھر اس تنگ دروازے کو بھی کشادہ کر دیا گیا تاکہ اندر داخل ہونے اور باہر آنے میں دشواری نہ ہو۔ (رفیق حج)

علامہ فاسی فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت ادھر تشریف لائے تو اس پہاڑ نے کہا "اے محمد مجھ میں پناہ لو میں نے تمہارے سے پہلے ستر نبیوں کو پناہ دی ہے۔ (تحفۃ الکرام)

جبل ثبیر یہ پہاڑ منیٰ میں واقع ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب پہاڑ کی جانب تجلی فرمائی

تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا جن میں سے تین ٹکڑے مکہ میں گرے جو جبل حرا اور جبل ثبیر اور جبل ثور ہیں اور تین مدینہ میں گرے جو جبل احد اور جبل ورقان اور جبل رضوی ہیں۔ (فاسی) علامہ قزوینی فرماتے ہیں کہ جبل ثبیر بہت بابرکت پہاڑ ہے۔ علامہ نقاش فرماتے ہیں کہ اس پہاڑ پر دعا قبول ہوتی ہے۔ (فاسی)

مکہ مکرمہ کے مقابر

مکہ مکرمہ میں چند قبرستان ہیں جو قابلِ زیارت اور باعظمت وفضیلت ہیں۔

مقبرۃ المعلاۃ آج کل اس گورستان کو "جنت المعلیٰ" کہتے ہیں اس میں سادات صحابہ اور تابعین اور اکابر علماء وصالحین کے مزارات ہیں اگرچہ آج کل صحیح طور پر یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ کن کن صحابہ کرام کی قبریں ہیں۔ اور کس کس جگہ واقع ہیں پھر بھی اس مبارک خطہ کی زیارت موجب سعادت ہے۔ اس قبرستان کا بہترین حصہ وہ ہے جس میں ام المومنین حضرت خدیجہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک بتلائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے "یہ بہترین گھاٹی اور بہترین مقبرہ ہے" (فاسی)

ایک روایت میں ہے "جو شخص اس مقبرہ میں مدفون ہوگا وہ قیامت میں مامون اور بے خوف وخطر رہے گا۔ (فاسی)

حضرت عبداللہ بن رضی اللہ عنہ فرماتے جو شخص مکہ میں مدفون ہوگا وہ روز حشر بے خوف وخطر مامون اٹھے گا۔ (بحر عمیق)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم مقبرہ کی گھاٹی پر کھڑے ہوئے اس وقت یہاں قبرستان نہ تھا اور ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس قطعہ زمین یا کل حرم سے ستر ہزار نفوس کو اٹھائیگا جو جنّت میں بے حساب داخل ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک کی ستر ہزار کے بارے میں سفارش مقبول ہوگی۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکدار اور روشن ہوں گے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ غربار اور پردیسی ہوں گے۔ (بحر عمیق)

مقبرہ علیا۔ مکہ مکرمہ کا قدیم قبرستان ہے۔ اس میں ایام جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں امیہ بن عبد شمس اور آل سفیان بن عبد الاسد کے مردے دفن ہوتے تھے۔ اسی قبرستان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی قبر ہے جو ایک جلیل القدر صحابی تھے اور آخری صحابی تھے جو سرزمین حرم میں مدفون اور مامون ہوئے۔

آپ نے ۷۳ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں حضرت عبداللہ بن خالد رضؓ کے مکان میں انتقال فرمایا اور انہی کے خاندان کی قبروں کے پاس آپ کو دفن کیا گیا۔ حجاج بادشاہ کے اشارہ اور حکم سے ایک شخص نے زہر میں بجھا ہوا نیزہ منیٰ میں آپ کے پیر میں مارا تھا۔ جس کی وجہ سے شہادت نصیب ہوئی اور وصال ہوا۔

مقبرہ مہاجرین۔ یہ قبرستان بھی بہت پرانا ہے اور جبل مفلح کے قریب واقع ہے۔ حضرت جندع بن ابی ضمرہ رضؓ جب مکہ مکرمہ میں سخت بیمار ہوئے

اور آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں ہجرت کی سعادت حاصل کئے بغیر دنیا سے رخصت نہ ہو جاؤں تو آپ نے اسی حالت میں مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی اور اس مقام پر پہنچ کر انتقال فرمایا اور یہیں دفن ہوئے۔

اسی واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

(وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا الآية)

اس بنا پر اس قبرستان کا نام مقبرہ مہاجرین رکھ دیا۔ انصار کی ایک جماعت بھی اس قبرستان میں آرام فرما ہے اور دیگر مہاجرین بھی تشریف فرما ہیں۔

مقبرۃ الشبیکہ

یہ بھی ایک پرانا قبرستان ہے جو محلہ شبیکہ میں "مدرسہ صولتیہ" کے متصل واقع ہے۔ اس قبرستان میں عموماً وہ اہل خیر اور غربا، مدفون ہیں جن کی کوئی خاص جگہ مقرر نہ تھی۔

مدرسہ صولتیہ سرزمین حرم پر ہندوستانی مسلمانوں کی ایک علمی یادگار ہے جس کو حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کیرانوی مہاجر مکی رحمہ نے ۱۲۹۳ھ ۱۸۷۵ء میں قائم فرمایا۔ اس وقت سے برابر یہ چشمہ علم و حکمت جاری ہے اور تشنگان علوم کو سیراب کر رہا ہے۔ مولانا محمد سعید صاحب کیرانوی رحمہ کی مساعی جمیلہ سے اس دینی درسگاہ نے دارالعلوم کی شکل اختیار کی اور اطراف عالم میں فیضان علم جاری کیا۔ اس وقت ان کے صاحبزادگان مولانا محمد سلیم صاحب اور حکیم

محمد نعیم صاحب زاد قدرہما اس کی ترقی اور عروج و فروغ میں حسن و خوبی اور سلامتی کے ساتھ منہمک اور مصروف ہیں۔ فَانْظُرُوْا اِلٰی اٰثَارِ رَحْمَۃِ اللہِ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ .... حصہ اول "تجلیات کعبہ" ختم ہوا جس میں بیت اللہ کے فیوض و برکات اور انوار و تجلیات کا قدرے مشاہدہ ہوتا ہے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

حصہ دوم "تجلیاتِ مدینہ" میں مدینہ منورہ کے فیوض و برکات اور انوار و تجلیات کا مشاہدہ ہوگا۔ انشاء اللہ۔

حسبی اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر وصلی اللہ علی النبی الکریم

محمد احتشام الحسن غفر اللہ لہٗ
کاندھلہ ضلع مظفر نگر
پنجشنبہ ۱۷ رجمادی الآخر ۱۳۶۹ھ

نوٹ:۔ تجلیاتِ کعبہ کا دوسرا حصہ "تجلیات مدینہ" کے نام سے طبع ہوا ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔